برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

نوائے غزوۂ ہند

اپریل و مئی ۲۰۲۴ء　شوال و ذوالقعدہ ۱۴۴۵ھ

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

قلت: يا أقصى سلاماً!
قال: هل عاد صلاح؟!
قدسنا أمست تنادي
أين عشّاق السلاح؟!

میں نے کہا اے اقصیٰ ! سلام ہو!

مسجدِ اقصیٰ نے جواباً کہا: ’کیا صلاح الدین ایوبی پھر سے لوٹ آیا ہے؟!‘

پھر اقصیٰ پکار اٹھی: ’کہاں ہیں تیغ وتفنگ کے عاشق؟

کہ اپنی شمشیر و کلاشنکوف سے مجھے قبضۂ صہیون سے آزاد کروائیں!‘

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی
سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلافت کی ذمہ داری
حوالہ کرتے وقت وصیت

اے عمر! اللہ کے کچھ حقوق رات کے ہیں اور کچھ دن کے۔ نہ رات کے حقوق وہ دن میں قبول کرتا ہے نہ دن کے رات میں۔ وہ نفل کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک فرائض ادا نہ ہوں۔

عمر! کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سختی کے ساتھ نرمی کا اور عذاب کے ساتھ رحمت کا ذکر کیا ہے تاکہ بندے امیدوارِ رحمت رہیں اور عذاب سے لرزاں بھی، تاکہ نہ تو کسی کو اتنی خوش فہمی ہو کہ اللہ کے ہاں اپنے حق سے زیادہ کی خواہش کرے اور نہ ایسی مایوسی ہو کہ ہلاکت میں پڑ جائے۔

اے عمر! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جہنمیوں کا ذکر ان کے برے اعمال کے ساتھ کیا ہے جسے پڑھ کر مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میں ان میں سے نہ شمار ہوں اور جنتیوں کا ذکر ان کے بہترین اعمال کے ساتھ کیا ہے، جسے پڑھ کر میں سوچتا ہوں بھلا میں ان میں سے کیسے ہوں پاؤں گا۔ عمر! اگر میری ان باتوں کو یاد رکھو گے تو نظر سے اوجھل دنیا تمہیں اس نظر آنے والی دنیا سے زیادہ محبوب رہے گی، اور تم یقیناً! ایسا کر سکتے ہو۔

(بحوالہ تاریخِ اُمت مسلمہ صفحہ ۴۹۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۷، شمارہ نمبر: ۴

اپریل و مئی ۲۰۲۴ء | شوال و ذوالقعدہ ۱۴۴۵ھ

بحمداللہ... مسلسل اشاعت کا سترہواں سال!

''رسول محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ہر میت کا عمل اس کی موت پر ختم ہو جاتا ہے، اس شخص کے سوا جس کو موت جہاد میں آ جائے کہ اس کا عمل قیامت کے دن اٹھنے تک جاری رہے گا۔''

(سنن دارمی)

اس شمارے میں

اداریہ

زندہ رہنا ہے تو میرِ کارواں بن کر رہو 5

تزکیہ و احسان

صبر اور مقامِ صدّیقین 8

اسوۂ حسنہ

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں 12

آخرت

موت و مابعد الموت 16

حلقۂ مجاہد

مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ 22

سورۃ الانفال 25

عید الفطر ۱۴۴۵ھ

امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخندزادہ حفظہ اللہ کا پیغام 29

إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ 33

تذکرۂ امیر المومنین سیّد احمد شہیدؒ

شہدائے بالاکوٹ کا مقام و پیغام 35

زیارتِ مقامِ شوق: بالاکوٹ 37

تذکرۂ عمر ثالثؒ

مجھے امیر المومنین سے محبت ہے! 47

عمرِ ثالث 50

تذکرۂ محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن شہیدؒ

شیخ اسامہؒ کے کارہائے نمایاں 55

فکر و منہج

معرکۂ خیر و شر اور آپ کا کردار 63

اجنبی ___ کل اور آج 67

کیا مغربی فکر و اداروں کی اسلامائزیشن ممکن ہے؟ 69

کفار کا معاشی بائیکاٹ 70

طوفان الاقصیٰ

آلِ ہنیہ کے لیے پیغامِ تعزیت و تہنیت 77

پیامِ غزّہ: تصویر کے دو رُخ 78

فلسطین: امن و جنگ کے ۷۵ سال 87

روئے سحر 95

قصہ 'سرخ گائے' (Red Heifer) کا 97

یہ جُہدِ دائم! 99

پرانا دشمن! 101

عید! ہیرے لوگوں کی 103

تم ہر سر بلند ہو گے اگر تم مومن ہو! 104

پاکستان کا مقدر...... شریعتِ اسلامی کا نفاذ!

عافیہ صدیقی: الزامات و حقائق 106

بہاولنگر واقعہ: ایک دراڑ جو دور تلک جائے گی 109

اسلامی جمہوریت کا ملغوبہ 111

کہ معرکے ہیں تیز تر 113

...... ہند ہے سارا میرا!

بابری مسجد اور رام جنم بھومی تحریک کی تاریخ 114

عالمی منظر نامہ

اخباری کالموں کا جائزہ 121

فیمن ازم اور غزہ کی مائیں 129

جن سے وعدہ ہے مر کر بھی جو نہ مریں!

اسلام کا مسافر! 132

وغیرہ وغیرہ

اِک نظر اِدھر بھی 137

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.org

www.nawai.io/Twitter

www.tinyurl.com/group-ngh

www.nawai.io/ChirpWire

contactNGH.01

اعلانات از ادارہ:

- اس شمارے میں علمائے کرام کی اجازت کے بعد جانداروں کی تصاویر شامل کی گئی ہیں، تاہم یہ اجازت فقط مجلّے کے 'ویب ورژن (PDF وغیرہ)' کے لیے ہے، اگر کوئی مجلّے کو کاغذ پر چھاپنا چاہے تو براہ کرم مذکورہ تصاویر کو دھندلا (blur) کر کے چھاپے۔ قدیم و معاصر علماء کی اکثریت بہرحال کاغذ پر چھپی تصویر کی اجازت نہیں دیتی!
- مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع ہونے والے 'مستعار' مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے..... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

زندہ رہنا ہے تو میرِ کارواں بن کر رہو

ماتم کے حق دار، اہلِ غزہ نہیں، ہم ہیں! ماتم اس کا کیا جاتا ہے کہ جو مردہ ہو، اہلِ غزہ تو زندہ ہیں، حیاتِ دنیوی میں بھی جرأت و عزم کے پیکر، تنہا دنیا کی سپر پاوروں سے جنگ آزما اور آخرت تو ہے ہی ایسے لوگوں کی۔ یہ سطور لکھتے ہوئے راقم السطور عجیب حیرت میں مبتلا ہے۔ یہ ایک ایسا زمانہ ہے کہ جب 'انفارمیشن' انتہائی ارزان اور اس تک رسائی نہایت آسان ہے۔ دنیا بھر کے لوگ خصوصاً اہلِ اسلام، غزہ میں بیتنے والی کہانی سے بخوبی آگاہ ہیں۔ لیکن حیرت و تعجب اس بات پر ہے کہ 'انفارمیشن' کی اس ارزانی و آسانی کے باوجود ہمارا 'لائف سٹائل' ہے کہ بدلتا ہی نہیں۔ ایک سکوت ہے جو طاری ہے، بے عملی ہے جس کی لت ہمیں شدت سے پڑی ہوئی ہے۔ اعداد و شمار سے دنیا کا میڈیا لبریز ہے کہ غزہ میں کس قدر شہادتیں ہوئیں، کتنے ان میں نونہال ہیں، کتنی بے یار و مددگار عورتیں ہیں، کتنے بزرگ ہیں اور کتنے مرد ہیں، کتنے زخمی، کتنے اسیر، کتنے معذور۔ لیکن ہمارا لائف سٹائل کیا ہے؟ فیس بک، ایکس، یوٹیوب، ٹک ٹاک پر انگلی چلاتے (scroll کرتے) رہنا، کبھی کچھ لائیک کر لینا، شیئر کر لینا اور سات ماہ پہلے جو آنسو بہتے تھے تو حالت یہ ہے کہ وہ بھی خشک ہو گئے ہیں۔ بلکہ بے حسی کی انتہا یہ ہے کہ اسی عرصے میں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، ترکی اور پاکستان میں میوزیکل کانسرٹس، کلچرل فیسٹیولز اور کھیلوں کے مقابلے ہو رہے ہیں اور اہلِ علم کی طرف ظاہری نسبت کرنے والے بعض (سعودی و اماراتی) لوگ 'کوکا کولا' کے بائیکاٹ تک کو استہزا کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ ہماری زندگی کا 'نیو نارمل' اب تباہ حال غزہ ہے جہاں ہر روز لاشیں گرتی ہیں۔ چند سال قبل ہماری زندگیوں کا 'نیو نارمل' برما تھا، اس سے قبل عراق تھا، اس سے قبل مشرقی تیمور تھا، ہندوستانی گجرات و احمد آباد تھا، بوسنیا تھا، شیشان تھا، کشمیر تھا۔ یہ 'نیو نارمل' ہمارے رہبروں سے لے کر راہ رووں تک سبھی کا ہے۔

وقت کا تقاضا کیا ہے، اس سے ہم سبھی بخوبی واقف ہیں۔ عقل کے تقاضوں سے ہم خوب بلد ہیں۔ شریعت کے احکام بھی ہمیں معلوم ہیں۔ دشمن سے بھی ہم بخوبی آگاہ ہیں کہ 'اسرائیل ہے اور اس کے مقاصدِ دجالی میں اسرائیل کا پشت پناہ امریکہ ہے جو خود تو گر سکتا ہے لیکن اسرائیل کو گرنے نہیں دے گا، تو بس یہ یہودی و امریکی جہاں پائے جائیں تو ان کو وہیں واصلِ جہنم کر دیا جائے'۔ بس کمی ہے تو اس حمیت کی اور اس جذبۂ جہاد کی کہ جو بے سروسامانی میں بھی فضائے بدر پیدا کرتے ہیں۔ شوقِ شہادت کی جگہ ہمارے دلوں میں مرضِ وہن داخل ہو گیا ہے، کہ جس کے متعلق محبوبِ مالکِ کون و مکاں، صاحبِ شمشیر و سناں (علیہ اَلف صلاۃ وسلام) نے فرمایا تھا کہ یہ دنیا کی محبت اور موت سے کراہت، اور، دنیا کی محبت اور جہاد و قتال سے نفرت ہے[1]۔ پھر اس وہن کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم پر اقوامِ عالَم یوں ٹوٹ پڑیں گی جیسے بھوکا دستر خوان پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ ہمارے ایسے ہی امراض کے متعلق اقبالؒ نے کہا تھا:

طبیبِ عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
تِرا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

جب کسی کے دل میں موت کی نفرت اس قدر گھر کر جائے کہ وہ پکارتی امت کی خاطر ہر قدم اٹھانے سے قبل یہ سوچے کہ 'کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے'، تو دراصل اسی کیفیت کو موت کہا جاتا ہے اور اسی کیفیت پر حق ہے کہ ماتم کیا جائے۔ مسلمانوں کی تو شان ہی یہ ہے کہ وہ موت سے

---

[1] ''...... قُلْنَا وَمَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الْحَيَاةِ وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.'' وفي رواية الآخر ''حُبُّكُمُ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَتُكُمُ الْقِتَالَ.'' (مسند أحمد)

الفت رکھتے ہیں کہ موت ہی لقاء اللہ، لقاء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حصولِ جنت کا پُل ہے، البتہ طبعی ناپسندیدگی ایک مختلف چیز ہے۔ دنیا کے دیگر سُورماؤں، بہادروں اور تاریخ کا دھارا بدلنے والوں کو دیکھیں تو ان کے یہاں بھی موت کوئی ایسی چیز نہیں رہی جو ان کے راستۂ عزم میں حائل ہو۔

اہلِ غزہ کی نصرت اور مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی۔ ان مقاصدِ جلیلہ کی خاطر راستے میں کئی پڑاؤ ہیں، کئی اقدامات ہیں کہ جو ان مقاصدِ جلیلہ کے حصول کی خاطر اٹھائے جاسکتے ہیں۔ اصل تو یہی ہے کہ یہ مقاصدِ جلیلہ تو جہاد بمعنیٰ دعوت و قتال سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن مظاہرے، دھرنے، معاشی مقاطعہ، حتیٰ کہ سوشل میڈیا پر آواز اٹھائے رکھنا بھی اہم ہے کہ یہ 'ایشو'، جو درحقیقت 'ایشو' ہے، زندہ رہے، بس یاد یہ بات رہے کہ ہمارا اٹھایا جانے والا ہر ہر قدم میدان میں ڈٹے مجاہد کو تقویت پہنچانے کا سبب ہو۔ بے شکِ اسلامی و عربی ممالک میں مظاہرے اور دھرنے وغیرہ اس شعور کو عام کرنے کا ایک ذریعہ رہے ہیں لیکن ہمیں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اگر ہم اپنے ہی ممالک کے وردی و بے وردی حکمرانوں سے اہلِ غزہ کی مدد و نصرت اور اسرائیل کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کرتے رہیں گے تو اسی کے متعلق شاعر نے کہا تھا:

میرؔ کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

ہم کتنی آسانی سے بھول گئے کہ غزہ میں جاری حالیہ جنگ کے سبب جب بحرِ احمر کا تجارتی و لاجیسٹک راستہ بند ہوا تو سعودی حکمرانوں نے بذریعہ برّی راستہ اسرائیل کو سامان کی فراہمی جاری رکھی اور اردن کے نام نہاد 'ہاشمی' خاندان کی ملکہ نے کہا کہ ۷ اکتوبر کو ہونے والے اسرائیلوں کے خاندانوں سے ہمدردی کا اظہار کرتی ہوں۔ ہمارے ممالک کے ان وردی و بے وردی حکمرانوں کی حیثیت اس خادم کی سی ہے جو اپنے آقا کی خوشنودی کی خاطر ہر جتن کرتا ہے (مثلاً قبل از ۱۹۴۷ء) اور پھر آقا خوش ہو کر کچھ جاگیریں اور رقبے اس کو (۱۹۴۷ء میں) دے کر، اسی کے ذریعے اپنی چودھراہٹ قائم رکھتا ہے اور جاگیر کے باسیوں سے باج بھی اسی خادم کے ذریعے وصول کرتا ہے۔ ایسے خادموں کے سامنے مطالبات رکھنا یا انہی خدام سے جنگ کو اصل جنگ سمجھنا اور ان کے آقا سے تغافل برتنا سادگی کے سوا کیا ہے؟ اگر کچھ مظاہرات اور دھرنوں کی ضرورت ہے تو ہمیں جاننا چاہیے کہ ان کا مقام دنیا بھر میں امریکی سفارت خانے ہونا چاہیے، فلسطین کی آزادی کا راستہ تل ابیب سے نہیں واشنگٹن سے ہو کر گزرتا ہے۔

اگر آج واشنگٹن تا ورجنیا امریکی غیر مسلم ہو کر قربانی دیتے ہوئے اپنی ہی حکومت، اسٹیبلشمنٹ اور ڈیپ سٹیٹ کے خلاف دھرنے دے سکتے ہیں اور مظاہرے کر سکتے ہیں تو ہم کیوں لاٹھی اور آنسو گیس کے شیلوں سے ڈرتے ہیں۔ حقیقتاً مظاہرات تبھی کچھ اثر کرتے ہیں جب ان کو ان کی صحیح جگہ پر اور قربانی کے ساتھ تحریک کے انداز میں برپا کیا جائے، قربانی کے بنا بھی کبھی کوئی مرحلہ طے ہوا ہے؟[۲] عالَمِ اسلام کی دینی تحریکات کو چاہیے کہ وہ اپنے کارکنان میں یہ شعور عام کریں کہ بازیابیٔ قدس کا اصلی طریقہ عالمی طاغوتی نظام کے سرغنہ یعنی امریکہ کو گرانا ہے اور عالَمِ اسلام کی دینی تحریکات کے قائدین کو چاہیے کہ وہ اپنی ایک عالمی کونسل تشکیل دیں اور پھر اپنے کارکنان کو عالمی سطح پر منظم و فعال کریں اور ایک ہی نعرے، ایک ہی شعار، ایک ہی انداز اور دنیا بھر میں ایک ہی مقام انقرہ تا جکارتہ، ڈھاکہ تا اسلام آباد، قاہرہ تا خرطوم، لندن تا پیرس 'امریکی سفارت خانوں' کا گھیراؤ اور وہاں دھرنا دیں یہاں تک کہ امریکہ امتِ مسلمہ کا جذبہ اور امت کی جانب سے مجاہدین کی پشت پناہی دیکھ کر مجبور ہو جائے، اور غزہ میں جاری حالیہ

---

[۲] حال ہی میں آزاد جموں و کشمیر کے مختلف شہروں میں شہری حقوق کی خاطر ہونے والے تحریکی شکل میں مظاہرے اور ان کے نتیجے میں عوامی مطالبات کا حصول خود ایک بڑی مثال ہے کہ جان دینے، قربانی دینے اور اپنے مواقف کی خاطر لاٹھی، آنسو گیس اور گولیوں کے سامنے ڈٹ جانے سے بعض مقاصد کا حصول ممکن ہے، غور کیجیے کلیدی الفاظ ہیں: ڈٹ جانا، قربانی دینا اور جان تک دے دینا!

اسرائیلی جارحیت کو 'کچھ' لگام ڈالی جاسکے ('کچھ' اس لیے کہ فراعنہ حالات دیکھ کر تھوڑا بہت رویہ بدل لیا کرتے ہیں، حقیقت میں یہ اپنے ظلم وعدوان سے تبھی باز آتے ہیں جب ان کی گردنوں کے سریے کو لوہے کی تلواروں سے توڑا جائے اور ان کو سمندر برد کر دیا جائے)۔

پس بازیابیٔ قدس کا حقیقی راستہ جہاد فی سبیل اللہ ہو یا اس کی استطاعت نہ رکھنے کی صورت میں اسی جہاد کو تقویت دینے والے مظاہرے، معاشی بائیکاٹ اور سوشل میڈیا ایکٹیو ازم (جس میں اصل دشمن کی نشاندہی، دشمن کے خلاف دعوتِ مزاحمت و مقاومت اور اصل راستے کی طرف رہنمائی ہو)، یہ سبھی قربانی کے متقاضی ہیں اور اسی کے متعلق شاعر نے کہا تھا:

زندہ رہنا ہے تو میرِ کارواں بن کر رہو
اس زمیں کی پستیوں میں آسماں بن کر رہو

دورِ حق ہو تو نسیمِ بوستاں بن کر رہو
عہدِ باطل ہو تو تیغِ بے اماں بن کر رہو

دوستوں کے پاس آؤ نور برساتے ہوئے
دُشمنوں کی صف سے گزرو آگ برساتے ہوئے

دورِ محکومی میں راحت کفر، عشرت، ہے حرام
مَہ وَشوں کی چاہ، ساقی کی محبت ہے حرام

علم نا جائز ہے، دستارِ فضیلت ہے حرام[3]
انتہا یہ ہے غلاموں کی عبادت ہے حرام

کُوئے ذلّت میں ٹھہرنا کیا، گزرنا بھی ہے حرام
صرف جینا ہی نہیں، اس طرح مرنا بھی ہے حرام

اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضي ولا يقضى عليك وإنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت!

اللهم وفقنا لما تحب وترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

◆◆◆◆◆

---

[3] یہ خطیبانہ، شاعرانہ جوش و جذبے اور ناز کا انداز ہے۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ اگر وقت کا تقاضا حملہ ور تاتاریوں کے خلاف لڑنا ہو تو ایسے میں دقیق علمی نکات پر بحث مباحثہ عبث بلکہ باعثِ ہلاکت ہے۔ جیسے اقبالؒ نے کہا 'نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؓ'۔ یہاں کہیں بھی ہر گز ہر گز علم، دستارِ فضیلت اور خانقاہوں کی خاکم بدہن تنقیص مقصود نہیں، بلکہ اہلِ علم و تزکیہ ہی تو ہیں جو مجاہدینِ صف شکن کی تلوار کو صحیح رخ عطا کرتے ہیں۔ اہلِ علم و تزکیہ کے بنا یہ امت مثلِ یتیم ہے!

صبر اور مقامِ صدّیقین

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ○[1]

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلٌّ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُسَمًّی فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ[2]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اور اس کے مخاطب صحابہ بھی ہیں اور قیامت تک آنے والی امتِ مسلمہ بھی۔ تفسیر روح المعانی میں علامہ عالوسیؒ فرماتے ہیں کہ اوّل خطاب تو صحابہ سے ہے، وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ میں ضمیر كُمْ حاضر کی ہے، مگر صحابہ کے واسطے سے قیامت تک کے ایمان والوں کو خطاب ہے کہ ہم ضرور ضرور تمہارا امتحان لیں گے۔وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ کے معنیٰ امتحان لینے کے ہیں، جیسا کہ سورۂ ملک میں فرمایا کہ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا[3] اے انسانو! تم کو زندگی ہم نے اس لیے دی ہے تاکہ ہم تمہیں آزمائیں کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے اور زندگی کے بعد موت دیتاہوں تاکہ تم واپس آکر مجھے اپنا حساب کتاب پیش کرو۔

ابتلاء وامتحان کا مفہوم

علامہ آلوسیؒ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ حقیقتِ امتحان، حقیقتِ ابتلا، حقیقتِ اختبار کا عام مفہوم تحصیلِ علم ہے کہ جس کا امتحان لیا جائے اس کے بارے میں علم حاصل کیا جائے کہ اس کے اندر کیا قابلیت ہے۔ جیسے مدرسوں کے ممتحن اور مہتمم اسی لیے امتحان لیتے ہیں کیونکہ ان کو خبر نہیں ہوتی کہ طالب علم میں کتنی قابلیت ہے، اس کو سبق یاد ہے یا نہیں اور یہ پاس ہو گا بھی یا نہیں۔ تو یہاں قابلیت کا علم حاصل کرنے کے لیے امتحان لیا جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف اس مفہوم کی نسبت کرنا محال ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ یہ علم حاصل کرنے کے لیے امتحان لیتے ہیں کہ کون کس درجے کا صابر اور کس درجے کا وفادار ہے اور اللہ کے لیے محال ہے کہ وہ اپنے بندوں کی قابلیت سے بے خبر ہو کیونکہ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ[4]۔ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ[5]، وہ لطیف ہے، خبیر ہے، علیم ہے، ہمارے سینوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ لہٰذا یہاں امتحان کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ اللہ ایمان والوں کی قابلیتِ صبر جاننے کے لیے امتحان لیتا ہے کیونکہ اللہ کو ہمارے امتحان کی کوئی ضرورت نہیں، وہ بغیر امتحان جانتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے، ہماری طاقتِ دست و بازو سے وہ باخبر ہے، لہٰذا یہاں اللہ تعالیٰ کا لفظ امتحان اور ابتلا استعمال فرمانا تحصیلِ علم کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کو استعارۂ تمثیلیہ کہتے ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ ہم تو اپنے عاشقوں کے مقامات کو جانتے ہی ہیں کہ وہ ہر حال میں صابر اور میرے وفادار رہیں گے۔

عاشقانِ خدا کے امتحان کا مقصد

لیکن اس امتحان سے سارے عالَم کو دکھانا چاہتے ہیں، سارے عالَم میں اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی تاریخ سازی کرتے ہیں کہ میرے عاشق ایسے باوفا ہوتے ہیں کہ مصائب میں بھی مجھ کو نہیں بھولتے اور نعمتوں میں بھی مجھے فراموش نہیں کرتے لہٰذا یہاں امتحان سے تحصیلِ علم کا مفہوم محال ہے، یہ تو بندوں کے لیے ہے کیونکہ ہم تو محتاج ہیں، ہم امتحان کے ذریعے دوسروں کی قابلیت کا علم حاصل کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ امتحان سے بے نیاز ہے، وہ بغیر امتحان ہمیں خوب جانتا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ضرور ضرور ہم تمہارا امتحان لیں گے یعنی ان آزمائشوں سے، ان مجاہدات سے تمہیں گزاریں گے تاکہ سارے عالَم میں اے ایمان والو! تمہاری وفاداری کی تاریخ روشن ہو جائے اور تمہاری وفاداری بھی ہمارے فضل سے ہو گی، ہماری امداد سے ہو گی۔ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ[6] جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر اللہ کی مدد کا محتاج ہے تو امت کہاں سے صبر لائے گی؟ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ سے صبر مانگنا چاہیے۔

شرح حدیث اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ صَبُوْرًا...الخ

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِيْ شَكُوْرًا وَاجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا
وَفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا[7]

اے اللہ! مجھے بہت زیادہ صبر کرنے والا اور بہت زیادہ شکر کرنے والا بنا دیجیے اور میری نظر میں آپ مجھ کو چھوٹا دکھائیے اور مخلوق کی نظر میں آپ مجھ کو بڑا دکھائیے۔ میری نظر میں مجھ کو

---

[1] البقرۃ: ۱۵۵-۱۵۷

[2] صحیح البخاری: ۱۲۵/۱ (۱۲۸۵)، باب یعذب المیت ببکاء اہلہ علیہ، المکتبۃ المظہریۃ

[3] الملک: ۲

[4] الملک: ۱۴

[5] الحدید: ۶

[6] النحل: ۱۲۷

[7] مسند البزار: ۳۱۵/۱۰ (۴۴۳۹)، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینۃ المنورۃ

صغیر رکھیے لیکن بندوں کی نظر میں کبیر کر دیجیے تاکہ ہم جب کوئی دین بات پیش کریں تو وہ سر آنکھوں پر قبول کر لیں۔ اس لیے دین کے خادموں کو یہ دعا ضرور مانگنی چاہیے کیونکہ امت میں اگر ان کی عزت و منزلت نہیں ہو گی تو پھر ان کی بات کی اہمیت نہیں ہو گی لہٰذا جب مخلوق تعریف کرے تو شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمالی کہ مخلوق میں ہمیں بڑا دکھا رہا ہے لیکن اپنے آپ کو بڑا سمجھنا حرام ہے، اس لیے روزانہ اللہ تعالیٰ سے کہو کہ اے اللہ! میں ساری دنیا کے مسلمانوں سے کمتر ہوں فی الحال اور کافروں اور جانوروں سے کمتر ہوں فی المآل کیونکہ ابھی معلوم نہیں کہ خاتمہ کس حال پر ہونا مقدر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے امتحان کے منصوص پرچے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ ہم ضرور ضرور تمہارا امتحان لیں گے مگر امتحان جو ہو گا بہت ہلکا ہو گا۔ شَيْءٍ میں جو تنوین ہے وہ تقلیل کے لیے ہے، شَيْءٍ کے معنیٰ ہیں تھوڑا اور ب داخل کر دیا جس کے معنیٰ ہوئے کہ شَيْءٍ کا بھی کچھ جزو یعنی قلیل ترین بہت تھوڑا، بہت ہلکا پرچہ ہو گا لہٰذا زیادہ گھبراؤ مت، اور کس چیز میں امتحان ہو گا؟ آگے پرچۂ مضمون بھی بتا دیا۔ علامہ عالوسیؒ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ اگر امتحان لینے والا سوالات کو پہلے ہی سے بتا دے تو بتائیے کہ کتنا آسان پرچہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے امتحان کے پرچوں کو بتا رہے ہیں کہ فلاں فلاں مضامین میں تمہارا امتحان ہو گا، اس لیے امتحان کے پرچوں سے آگاہ فرما دیا اور تفسیر روح المعانی میں ایک وجہ اور بیان فرمائی کہ مصیبت فجائیہ یعنی جو مصیبت اچانک آجاتی ہے وہ زیادہ محسوس ہوتی ہے اور اگر معلوم ہو جائے کہ یہ مصیبت آنے والی ہے تو اس کے لیے فیلڈ تیار ہو جاتی ہے، صبر آسان ہو جاتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے آگاہ فرما دیا کہ فلاں فلاں مصیبت تم لوگوں پر آئے گی اور ان ان مصائب میں تمہارا امتحان ہو گا۔ تو پہلے سے علم ہو جانے سے پرچہ اور آسان ہو گیا اور اسی لیے اکثر مریض کافی دن تک بیمار رکھے جاتے ہیں تاکہ اس کے متعلقین دھیرے دھیرے اس مصیبت کے لیے تیار ہو جائیں، جب دیکھتے ہیں کہ میرے ماں باپ یا قریبی عزیز چارپائی پر پیشاب پاخانہ کر رہے ہیں تو جن کی موت سے ڈر رہا تھا وہ خود ہی دعا مانگنے لگتا ہے کہ یا اللہ! میرے اماں ابا کو یا بیوی کو یا شوہر کو یہ تکلیف نہ دیجیے، اب تحمل نہیں کہ اگر اب زیادہ دن تک فالج رہے گا تو میرے ماں باپ کی کھالیں سڑ جائیں گی، زخمی ہو جائیں گی اور تمام بدن سڑ جائے گا۔ کروٹ نہ لینے سے بدن سڑ جاتا ہے، یہ حرکت جو ہے ہماری حفاظت ہے، جو ہم چلتے پھرتے رہتے ہیں، اگر ایک طرح لیٹے رہیں تو کھال زخمی ہونے لگتی ہے۔

تاثیر صحبتِ اہل اللہ

جیسے اصحابِ کہف کو اللہ نے سلا دیا اور تقریباً تین سو برس تک وہ سوتے رہے اور زندہ بھی رہے، اللہ نے ان پر صرف نیند طاری کر دی تھی، جب ظالم بادشاہ کے ظلم سے بچنے کے لیے وہ غار میں گئے، ایک کتا ان کے ساتھ جانے لگا، یہ اصحابِ کہف اس کو پتھر مار رہے تھے کہ تُو کہاں آرہا ہے منحوس! تجھ کو پالنا بھی جائز نہیں۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زبان دے دی۔ اس نے کہا میں کتا تو ہوں لیکن مجھے عام کتوں کی طرح نہ سمجھیے، میں آپ کی حفاظت کروں گا۔ علامہ عالوسیؒ لکھتے ہیں کہ اس کا نام قِطْمِيْرْ ہے اور ان اولیاء اللہ کی برکت سے وہ بھی جنت میں جائے گا۔ علامہ عالوسیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی صحبت کی تاثیر تو دیکھو کہ کتے جیسا نجس جانور جس کا لعاب دہن پیشاب کے برابر ناپاک، اس ناپاک کو بھی اللہ تعالیٰ پاک کر کے جنت میں بھیج دیں گے۔ یہ ہے صحبتِ اہل اللہ، جس کی بعض نادان اپنے تکبر کی وجہ سے حقارت بیان کرتے ہیں کہ اللہ والوں کی صحبت سے کچھ نہیں ہوتا۔ دیکھ لو اصحابِ کہف کو۔ قرآنِ پاک ناطق ہے اور اس منطوق کا، اس مفہوم کا جو میں نے پیش کیا کہ اصحابِ کہف کی برکت سے وہ کتا جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصحابِ کہف میرے اولیاء تھے اور ان کو چونکہ کئی سو برس تک سلانا تھا تو ان کو کروٹ کون دیتا تھا؟ فرماتے ہیں وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ[8] ہم خود اپنی رحمت سے ان کو دائیں بائیں کروٹ دیا کرتے تھے۔ جیسے ماں اپنے بچے پر رحم کرتی ہے تاکہ زمین پر لگنے سے ان کی کھالیں زخمی نہ ہو جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم دیکھو۔ جو لوگ ڈرتے ہیں کہ اگر ہم اللہ والے ہو جائیں گے، اگر ہم داڑھی رکھ لیں گے، اگر ہم خاندان کی رسومات شادی بیاہ میں اور ناچ گانے میں شرکت نہیں کریں گے تو ہمیں کون پوچھے گا، ہم معاشرے سے کٹ جائیں گے، سوسائٹی ہمیں نہیں پوچھے گی تو ہمارا کیا ہو گا؟ میں کہتا ہوں کہ وہی ہو گا جو اصحابِ کہف کے ساتھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں گے۔ وہ اپنے اولیاء کو دوسروں کے حوالے نہیں کر دیتے کہ جاؤ! تم ہمارے دوست تو ہو لیکن ہمیں تمہاری پروا نہیں ہے۔ آہ! اللہ تعالیٰ بہت پروا کرتے ہیں اور واہ واہ بھی دلاتے ہیں، ہر طرف عزت دیتے ہیں دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔

اللہ تعالیٰ کے امتحان کا پہلا پرچہ

تو اللہ تعالیٰ امتحان سے آگاہ فرما رہے ہیں وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ تمہیں ضرور ضرور آزمائیں گے اور اس آزمائش اور امتحان کا پہلا پرچہ خوف ہے یعنی خوف میں ہم تمہارا امتحان لیں گے لیکن گھبرانا نہیں، یہ پرچہ بھی بہت آسان اور ہلکا ہو گا۔ بِشَيْءٍ کا استعمال میں تقلیل کے لیے ہے اور تنوین بھی تقلیل کے لیے اور مِنْ بھی تبعیضیہ ہے یعنی بہت ہی قلیل خوف سے

[8] الکھف: ۱۸

تمہاری آزمائش ہوگی جو دشمنوں سے یا نزولِ حوادث یا مصائب کی وجہ سے پیش آئے گا۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں اَلْمُرَادُ بِالْخَوْفِ خَوْفُ الْعَدُوِّ[9] خوف سے مراد دشمن کا خوف ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر مصائب کی وجہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ[10] ہر نبی کے لیے ہم نے دشمن بنایا، یہ جَعَلْ تکوینی ہے، انبیاء کی ترقیٔ درجات وتربیت کے لیے۔ پس جس کا کوئی دشمن نہ ہو سمجھ لو یہ شخص عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ نہیں ہے ورنہ اس کے بھی دشمن ہوتے، اگرچہ امتی کا پرچہ نبیوں سے آسان ہوتا ہے کیونکہ بڑے لوگوں کا امتحان بھی بڑا ہوتا ہے۔ اس لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے مصائب مجھے دیے گئے کسی نبی کو ان مصائب سے نہیں گزارا گیا کیونکہ آپ سیّد الانبیاء تھے، لہٰذا

ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

اسی طرح صحابہ کو دشمن کا خوف رہتا تھا۔ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ یہاں تک کہ بعض وقت کلیجے منہ کو آگئے۔ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا[11] اور سخت زلزلے میں ڈالے گئے، ان کو ہلا دیا گیا، لیکن پھر بھی وہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ[12] کہتے تھے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ غرض وہ خوف میں مبتلا کیے گئے۔

اولیاء اللہ پر مصائب کی وجہ

بات یہ ہے کہ اللہ جس کو اپنا مقبول بناتا ہے، بڑے درجے کی عزت دیتا ہے تو اس کو ذرا خوف سے بھی گزارا جاتا ہے تاکہ اس کا دل مضبوط ہو جائے اور اتنا غم پہنچایا جائے کہ جب اس کو ساری دنیا میں عزت اور خوشی ملے تو اس کے سابقہ غم تکبر سے اس کی حفاظت کریں، اس کی عبدیت کا زاویہ قائمہ ۹۰ ڈگری قائم رہے، ایسا نہ ہو کہ چاروں طرف سے واہ واہ ہو تو اس کی آہ ختم ہو جائے۔ جس متبع سنت بندے کو اللہ تعالیٰ بڑا رتبہ دینا چاہتے ہیں اس کو اتنا غم دیتے ہیں کہ اس کی آہ نہ باہ سے ضائع ہوتی ہے نہ جاہ سے ضائع ہوتی ہے اور نہ واہ واہ سے ضائع ہوتی ہے۔ سارا عالَم اس کی تعریف کرے لیکن اس کی بندگی اور اس کی عاجزی، اس کی آہ وزاری، اس کی اشکباری ہمیشہ قائم اور تابندہ درخشندہ اور پائندہ رہتی ہے، اس لیے غم سے گھبرانا نہیں چاہیے، ایسے حالات سے اللہ تعالیٰ گزار دیتا ہے۔ دیکھ لو! صحابہ کو خطاب ہو رہا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ اور جنگِ بدر وغیرہ میں کیسے کیسے مصائب سے گزرے لیکن انبیاء کو جو مصائب دیے جاتے ہیں وہ ان کی بلندیٔ درجات کے لیے ہوتے ہیں۔ انبیاء کو عجب و کبر سے حفاظت کے لیے نہیں دیے جاتے کیونکہ نبی معصوم ہوتا ہے، اخلاقِ رذیلہ اس کے اندر پیدا ہی نہیں ہو سکتے، اس لیے انبیاء کے مصائب ان کی رفعتِ شان اور بلندیٔ درجات کے لیے ہوتے ہیں لیکن اولیاء اللہ کو خوف اور مصیبت جو پیش آتی ہے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ عجب و کبر سے ان کی حفاظت رہے۔

امتحان کا دوسرا پرچہ

اور خوف کے بعد دوسرے امتحان سے آگاہ فرما رہے ہیں وَالْجُوْعِ تمہارے امتحان کا دوسرا پرچہ بھوک ہے۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں بھوک سے مراد قحط ہے، اصل میں بھوک مسبب ہے، اس کا سبب قحط ہے لہٰذا اس کی تفسیر قحط سے کی کہ بارش نہیں ہوگی تو غلّہ کم ہو جائے گا اور روٹی نہیں ملے گی تو بھوک لگے گی تو یہ تسمیۃ السبب باسم المسبب ہے۔ اس کو بلاغت کے علم میں مجاز مرسل کہتے ہیں۔ اس نبی اُمّی کی زبان سے مجاز مرسل کا استعمال جس نے کبھی مکتب کا منہ نہ دیکھا ہو، نہ مختصر المعانی پڑھی ہو، نہ مجاز مرسل کا نام سنا ہو، یہ دلیل ہے کہ یہ نبی اپنی طرف سے کلام نہیں بناتا۔ بکریاں چرانے والا پیغمبر اپنی بلاغت سے تمام عالَم کو عاجز کر رہا ہے۔ اس اُمّی کی زبان سے ایسا فصیح و بلیغ کلام جاری ہونا خود دلیل ہے کہ یہ نبی کا کلام نہیں بلکہ سینۂ نبوت پر کلام اللہ نازل ہو رہا ہے اور کلام اللہ کو آپ کے قلب مبارک میں جمع کرنے اور آپ کی زبان مبارک سے پڑھوانے اور بیان کرانے کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے لی۔ جب قرآنِ مجید نازل ہوتا تھا تو آپ ڈر کی وجہ سے جلدی جلدی دہراتے تھے کہ کہیں بھول نہ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں آیت نازل فرمائی کہ اے نبی! نزولِ وحی کے وقت آپ جلدی جلدی دہرایا نہ کیجیے کیونکہ آپ کے قلب مبارک میں اس کا جمع کرا دینا اور آپ کی زبان مبارک سے پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ[13] پھر لوگوں کے سامنے اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے، لہٰذا آپ کیوں گھبراتے ہیں۔

امتحان کا تیسرا پرچہ

تو امتحان کے دو پرچے ہو گئے۔ پہلا پرچہ خوف ہے اور دوسرا پرچہ بھوک اور تیسرا پرچہ ہے وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ اور کبھی کبھی تمہارے مال میں بھی نقصان ہوگا اور کس طرح سے ہوگا؟ کبھی تجارت میں گھاٹا ہوگا اور صاحبِ تفسیر روح المعانی لکھتے ہیں کہ کبھی باغات میں پھل نہیں آئیں گے۔ تو پھلوں کی کمی سے مال کی کمی ہو جائے گی۔

امتحان کا چوتھا پرچہ

اور چوتھا پرچہ ہے وَالْاَنْفُسِ اور کبھی کبھی تمہارے پیاروں کی ہم جان لے لیں گے یعنی ذَهَابُ الْاَحِبَّةِ لِسَبَبِ الْقَتْلِ وَالْمَوْتِ[14] کسی کا قتل ہوگا، کسی کو موت آئے گی، اس طرح

[9] روح المعانی: ۱۲۲/۲ البقرۃ(۱۵۵)، مکتبۃ دار احیاء التراث، بیروت

[10] الفرقان: ۳۱

[11] الاحزاب: ۱۰-۱۱

[12] آل عمران: ۱۷۳

[13] القیامۃ: ۱۹

[14] روح المعانی: ۱۲۲/۲ البقرۃ(۱۵۵)، مکتبۃ دار احیاء التراث، بیروت

اللہ کی طرف جانا ہو گا۔ موت چاہے قتل سے ہو یا طبعی ہو کبھی تمہارے پیارے اٹھائے جائیں گے تو اس میں بھی تمہارا امتحان ہو گا۔ علامہ عالوسیؒ فرماتے ہیں کہ پرچہ آؤٹ کر کے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتا دیا کہ یہ مصیبت اچانک نہیں ہو گی کیونکہ ہم تو پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ ان مضامین میں تمہارا امتحان ہو گا۔ اچانک مصیبت آنے والی ہو تو آدمی اس کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور پھر بتانے والا اللہ جہاں تخلّف نہیں ہو سکتا، جہاں جھوٹ کا امکان نہیں ہے۔

امتحان کا پانچواں پرچہ

اور پانچواں امتحان ہے وَالثَّمَرٰتِ اور کبھی اللہ تعالیٰ پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے۔ اس کی تفسیر بعضوں نے یہ بھی کی ہے کہ اس سے مراد اولاد کا انتقال ہے کہ اولاد ماں باپ کے لیے پھل ہوتے ہیں۔ بہر حال ظاہر تفسیر یہی ہے کہ باغات میں پھل نہیں آئیں گے۔

مصیبت اور لفظ بشارت کا ربط

کیوں صاحب! اگر مصیبتیں، بلائیں اور تکالیف بری چیز ہیں تو بری چیز پر بھی بشارت دی جاتی ہے؟ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ اے محمد ﷺ! آپ صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیجیے، خوشخبری سنا دیجیے۔ کسی کو تکلیف ہو اور آپ کہیں مبارک تو اس کو کس قدر غم ہو گا، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ! اس امتحان میں جب کوئی مبتلا ہو تو آپ بشارت دے دیجیے۔ کس کو بشارت دیجیے؟ صبر کرنے والوں کو۔ معلوم ہوا کہ مومن کے لیے مصیبت اگر بری چیز ہوتی تو یہاں اللہ تعالیٰ لفظ بشارت نازل نہ فرماتے اور بشارت دینے والا اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ہے اور جس کے ذریعے سے بشارت دلا رہے ہیں وہ رحمۃ للعالمین ہے یعنی سب سے بڑے پیارے نے مخلوق میں سب سے بڑے پیارے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بشارت دلوائی ہے لہٰذا یہ بشارت بھی کتنی پیاری ہے۔ یہ بشارت دلیل ہے کہ یہ مصیبت زحمت نہیں رحمت ہے، نعمت ہے اور کوئی عظیم الشان چیز ملنے والی ہے جیسے کوئی کسی سے موٹر سائیکل چھین لے اور مرسڈیز دے دے تو بتائیے کیا یہ مصیبت ہے؟ پس مصیبت مومن کے لیے بری چیز نہیں ہے کیونکہ صبر کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو مل جاتے ہیں اور

؎ متاعِ جانِ جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

پس صبر اتنی بڑی نعمت ہے جس پر معیتِ الٰہیہ کا انعامِ عظیم ملتا ہے۔

صبر کی تین قسمیں

اور صبر کے تین معنیٰ ہیں، سن لو:

مصیبت میں صبر کرنا

اَلصَّبْرُ فِی الْمُصِيْبَةِ مصیبت میں صبر کرنا یعنی اللہ کی مرضی پر راضی رہے، دل سے شکایت اور اعتراض نہ کرے۔ حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، حج فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے، جہاد فرض ہے اتنا ہی اللہ کی مرضی پر راضی رہنا بھی فرض ہے جس کا نام رضا بالقضاء ہے۔ اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا یہ صرف سنت اور مستحب اور واجب نہیں بلکہ فرض ہے کہ دل میں اعتراض نہ پیدا ہو اور دل سے شکایت نہ کرے گو آنکھیں اشکبار ہو جائیں۔ اشکبار ہونا اور غم کا اظہار کرنا یہ صبر اور رضا بالقضاء کے خلاف نہیں۔ میرا ایک شعر ہے ؎

حسرت سے میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں
دل ہے کہ اُن کی خاطر تسلیم سر کیے ہے

بعض نادان کہتے ہیں کہ دیکھو! اتنے بڑے عالم ہو کر رو رہے ہیں۔ وہ نادانی سے سمجھتے ہیں کہ رونا خلافِ سنت ہے حالانکہ خلافِ سنت تو کیا ہو تا عین اتباعِ سنت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جب انتقال ہوا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ صحابہ کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ یہ دلیلِ رحمت ہے، یہ بے صبری نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ اپنے پیاروں کے انتقال پر رونا خلافِ صبر نہیں لہٰذا جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ گئے اس نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ادا کی۔ بعض لوگوں نے ضبط کیا اور نہیں روئے، آہ بھی نہیں کی تو کیا ہوا کہ برداشت نہ کر سکے اور حرکتِ قلب بند ہو گئی لہٰذا اتباعِ سنت میں ہماری حیات ہے، ہماری زندگی کی ضمانت ہے۔ اس لیے غم میں کچھ آہ کر لو، کچھ رو لو، کچھ مرنے والے کا تذکرہ بھی کر لو، یہ دلیلِ رحمت ہے، دلیلِ تعلق ہے اور اس سے دل ہلکا ہو جاتا ہے، یہ خلافِ صبر نہیں۔ بے صبری یہ ہے کہ اعتراض کرنے لگے یا زبان سے شکوہ کرے کہ میرے عزیز کو ابھی سے کیوں اٹھا لیا وغیرہ۔

طاعت پر صبر کرنا

اور صبر کی دوسری قسم کا نام ہے اَلصَّبْرُ عَلَى الطَّاعَةِ یعنی جو نیک اعمال کرتا ہے، دین کا جو کام کرتا ہے جیسے نماز، روزہ، ذکر و تلاوت سب پر قائم رہے۔ فرماں برداری و طاعت پر قائم رہنا بھی صبر ہے۔

گناہوں سے صبر کرنا

اور تیسری قسم ہے اَلصَّبْرُ عَنِ الْمَعْصِيَةِ جب گناہ کا تقاضا ہو تو نفس کو گناہ سے روکنا اور نفس پر کنٹرول رکھنا اور اس گناہ سے رکنے میں دل پر جو غم اور دکھ آئے اس کو برداشت کرنا یہ صبر سب سے اعلیٰ ہے، یہ وہ صبر ہے جس سے انسان ولی اللہ بن جاتا ہے۔ جس کا دل گناہ کے لیے بے چین ہو رہا ہو، جو شخص گناہوں کے شدید تقاضے دل میں رکھتا ہو، اگر کوئی حسین شکل سامنے آجائے تو اسے دیکھنے کا شدید تقاضا ہوتا ہے مگر یہ تقاضے پر عمل نہیں کرتا اور چونکہ تقاضا شدید ہے، اس کی وجہ سے اس کے بچنے میں اس کو مجاہدہ شدید ہو گا اور جب مجاہدہ شدید ہو گا تو اس کو مشاہدہ بھی شدید ہو گا یعنی اللہ کی تجلی اس کے قلب پر قوی تر ہو گی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

سیرتِ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سائے میں

معاصر جہاد کے لیے سیرتِ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مستفاد فوائد و حِکَم!

شیخ منصور شامی رحمۃ اللہ علیہ (ترجمہ و استفادہ: مفتی محمد متین مغل)

زیر نظر تحریر شیخ منصور شامی (محمد آل زیدان) شہید رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ عربی مقالات کا اردو ترجمہ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ محرم ۱۴۳۱ھ میں وزیرستان میں شہید ہوئے۔ یہ مقالات مجلہ 'طلائع خراسان' میں قسط وار چھپے اور بعد ازاں مجلے کی جانب سے محرم ۱۴۳۲ھ میں کتابی شکل میں نشر ہوئے۔ ترجمے میں استفادہ اور ترجمانی کا ملا جلا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ مترجم کی طرف سے اضافہ کردہ باتوں کو چوکور قوسین [] میں بند کیا گیا ہے۔ (مترجم)

غزوۂ بدر کبریٰ: دروس و فوائد

[وجہ تسمیہ: جمادی الثانی ۲ ہجری کو کُرز بن جابر فہری (رضی اللہ عنہ، جو رؤسائے قریش میں سے تھے، اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعداً مسلمان ہوئے اور فتح مکہ کے موقع پر شہید ہوئے) مدینہ کی چراگاہ پر شب خون مار کر لوگوں کے اونٹ بکریاں لے بھاگا، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خبر ملی تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بنفسِ نفیس اس کے تعاقب میں نکلے، مقامِ سفوان (جو بدر کے قریب ایک جگہ ہے) تک پیچھا کیا، لیکن وہ ہاتھ سے نکل گیا، اس غزوہ کو غزوۂ سفوان بھی کہتے ہیں اور غزوۂ بدر صغریٰ بھی کہتے ہیں، اسلام اور کفر کی پہلی فیصلہ کن جنگ بھی چونکہ بدر کے مقام پر لڑی گئی اس لیے بطورِ فرق و امتیاز اسے غزوۂ بدر کبریٰ کہتے ہیں]

یہ غزوہ ہجرت کے دوسرے سال سترہ رمضان المبارک بروزِ جمعہ پیش آیا۔ اس غزوے کے واقعات اور نتائج زبانِ زدِ عام ہیں۔ یہ حق و باطل کے مابین فیصلہ کن معرکہ تھا، اسی لیے قرآنِ کریم میں اسے یوم الفرقان [حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا دن] کہا گیا ہے، آئندہ سطور میں ہم ان شاء اللہ اس غزوے کے مختلف واقعات و مناظر پر ٹھہر کر فوائد و عبَر اخذ کرنے کی کوشش کریں گے۔

غزوے کا سبب

مسلمانوں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زیرِ قیادت وقت کی اسلام دشمن قوتوں کے سرخیل 'قریش' کے تجارتی قافلے کو نشانہ بنانا چاہا، یہ قافلہ اندازاً پچاس ہزار سونے کے سکّوں کی مالیت کے سامانِ تجارت سے لدا پھندا تھا، جبکہ حفاظت کے لیے محض چالیس کے لگ بھگ مسلح محافظین تھے۔

[کافر دشمن کی معیشت: ایک اہم ہدف]

اس قافلے کو نشانہ بنانے کا مطلب معاشی طور پر قریش کی کمر توڑ دینا تھا اور اسلام اور کفر کے مابین جاری جنگ پر اس کا براہِ راست اثر پڑتا۔ ماضی اور حال کی جنگوں کے قواعد میں سے اہم ترین بنیادی قاعدہ جسے حکمتِ عملی کے ماہرین (پالیسی ساز) اور مؤرخین ہمیشہ ذکر کرتے آئے ہیں، یہ ہے کہ 'دشمن کو عسکری اور معاشی طور پر نچوڑ دیا جائے'، یہ بات بدیہی ہے کہ معاشی طور پر نچوڑنے کے لیے دوسرے حربوں کے ساتھ ساتھ عسکری کارروائیاں بنیادی سبب ہیں۔ جہادی جماعتیں اگر دشمن کی معیشت کو نشانہ بنانے پر توجہ مرکوز رکھیں تو ان شاء اللہ سارے ہی دشمن جلد ڈھیر ہو جائیں گے۔ [اسی حکمتِ عملی کا نتیجہ تھا کہ] امریکی وزیر دفاع رمز فیلڈ صحافیوں کے سامنے اپنی ناکامیوں کا جواز بیان کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ:

> "آپ ہم سے اِس سے زیادہ کس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں؟ آپ یہ نہ بھولیں کہ ہم لاکھوں خرچ کرنے والے دشمن کے مقابلے کے لیے اربوں خرچ کر رہے ہیں۔"

[لیکن اربوں خرچ کر کے بھی شکست ہی اس کا مقدر بنی۔

> ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ○ (محمد: ۱۱)
>
> "یہ (کافروں کی بربادی) اس لیے (ہے) کہ اللہ ان لوگوں کا رکھوالا ہے جو ایمان لائیں اور کافروں کا کوئی رکھوالا نہیں ہے۔"

> اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ○ (الانفال: ۳۶)
>
> "جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ اپنے مال اس کام کے لیے خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ لوگ **خرچ تو کریں گے، مگر پھر یہ سب کچھ ان کے لیے حسرت کا سبب بن جائے گا، اور آخر کار یہ مغلوب ہو جائیں گے۔** اور (آخرت میں) ان کافر لوگوں کو جہنم کی طرف اکٹھا کر کے لایا جائے گا۔"

اللہ کا شکر ہے کہ غزوۂ بدر کا یہ منظر نامہ اللہ رب العزت نے ہمیں بچشم سر افغانستان میں دِکھایا۔ فالحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات]

رمز فیلڈ جتنا بڑا جھوٹا ہے اس کی یہ بات اتنی ہی سچی ہے۔ ایک مغربی محقق لکھتا ہے:

”سوویت یونین کے سقوط کا سبب وہ چھوٹی چھوٹی جنگیں تھیں بالخصوص افغان جنگ اور اس سے تشکیل پانے والا منظر نامہ، جس نے اس کی ساری عسکری و معاشی قوت نچوڑ کر رکھ دی۔ امریکہ کا بھی اپنی حالیہ جنگوں (افغانستان و عراق) میں بعینہٖ یہی حال ہو گا۔“

اپنی تحقیق کے اختتام پر محقق مزاحیہ انداز میں لکھتا ہے:

”امریکہ کے جلد زوال کے لیے نچوڑنے کی حکمتِ عملی کو رواج دینے کی امریکہ کے دشمنوں کو کوئی خاص ضرورت نہیں، کیونکہ خود بش یہ کام بڑے اچھے طریقے سے کر رہا ہے۔“[1]

[مقاطعہ (بائیکاٹ): معاشی جنگ کا اہم محاذ]

نیز معاشی جنگ میں دشمن کی مصنوعات کا مقاطعہ (بائیکاٹ) بھی شامل ہے، کیونکہ دشمن کی معیشت کو کمزور کرنے میں اس کی تاثیر بھی کچھ کم نہیں، معاشی جنگ کے اس پہلو (بائیکاٹ) کا شعور و آگہی عام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ دشمن کی مصنوعات کا بائیکاٹ کر کے اس مبارک جہاد میں اپنا حصہ ڈالے۔ [طوفان الاقصیٰ کا مبارک معرکہ برپا ہونے کے بعد اس جنگ کا شعور غیر معمولی طور پر عام ہوا، اللہ جل شانہٗ سے دعا ہے کہ اس شعور میں دن دگنی رات چوگنی ترقی ہو اور یہ ابنائے صہیون کا بائیکاٹ اور ان سے بیزاری تا دمِ ظہورِ مہدی علیہ الرضوان بر قرار رہے۔ طوفان الاقصیٰ کا صرف یہ ایک نقد فائدہ بھی کچھ کم نہیں کہ دوست اور دشمن کی پہچان آسان سے آسان تر ہو گئی ہے اور 'فرنگ کی رگِ جاں' کا 'پنجہ یہود' میں ہونا اب سازشی نظریہ نہیں رہا، بلکہ آشکار و مسلم حقیقت بن چکا ہے۔]

یہ غزوہ غنیمت کی اہمیت اور اس کے حلال ہونے پر بھی دلالت کرتا ہے، اس امت کے لیے غنیمت کی حِلت کو بیان کرنے والی آیات و احادیث بے شمار ہیں، ان حضرات کی [شکست خوردہ] عقلوں پر تعجب ہے جو یہ بحث کھولے بیٹھے ہیں کہ آج کے دور میں غنیمت لینا جائز ہے یا نہیں؟!!

[غنیمت کی اہمیت اور اس کا دروازہ بند کرنے کے نقصانات]

مال جہاد کے لیے عضلات اور پٹھوں کی مانند ہے، جہاد کی بقا اور اس کو سہارا دینے کے لیے مال از حد ضروری ہے، [جہاد کی ضروریات کی تکمیل کے لیے] حصولِ مال کے متعدد ذرائع ہیں۔ یہ انتہائی سنگین غلطی ہے کہ مجاہدین کسی ایک ہی ایسے سرچشمے پر اکتفا کریں جو کسی دن خشک ہو جائے یا اپنا رخ بدل دے [یعنی عوامی چندہ، تبرعات]، ہمارا دشمن پوری کوشش کرتا ہے کہ جہاد کو تقویت دینے والے معاشی سرچشموں کو خشک کر دے، تاکہ جہاد کو کمزور و بے جان کر دے۔ [کفار کی ان چالوں کا توڑ رسول اللہ ﷺ ہمیں پہلے ہی سکھا گئے ہیں،

وجعل رزقي تحت ظل رمحي۔
مسند امام احمد، مسند حضرت عبد الله بن عمر رضی الله عنہما، حدیث نمبر ۵۱۱۴

”اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں رکھ دیا گیا ہے۔“ (یعنی جہاد سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت میرا رزق ہے۔)

ولا يزال طائفة من امتي امة يقاتلون على الحق ويزيغ الله لهم قلوب اقوام ويرزقهم منهم حتى تقوم الساعة۔
سنن نسائی، کتاب الخیل، حدیث نمبر: ۳۵۶۱

”اور میری امت میں سے ایک امت (مجاہد گروہ کو امت کہنے کی حکمت شاید یہ ہو کہ امتِ دعوت کا فریضہ وہی ادا کر رہے ہوں گے، واللہ اعلم۔ از مترجم) ہمیشہ حق کی خاطر لڑتی رہے گی، اور اللہ کچھ قوموں کے دل ان مجاہدین کے لیے ٹیڑھے کر دے گا (یعنی ان میں مجاہدین سے عداوت و دشمنی ڈال دے گا) اور ان مجاہدین کو ان دشمنوں سے (بصورتِ غنیمت) روزی دے گا (یہ مبارک سلسلہ جاری رہے گا) یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔]

مزید برآں حصولِ مال کے ایک ہی ذریعے پر اکتفا مجاہدین کو چندہ دینے والوں کے تابع کر دیتا ہے، کفار کی ایک چال یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ خود کو مخیر ظاہر کرنے والے اشخاص و اداروں کے ذریعے ایک عرصے تک مجاہدین کو خوب مال دیتے ہیں، اس مال کے ذریعے جہادی جماعتیں اپنا ڈھانچہ کھڑا کرتی ہیں اور خوب پھلتی پھولتی ہیں، پھر جب کفار یہ اطمینان کر لیتے ہیں کہ مجاہدین کا گزارہ اب ان چندوں کے بغیر نہیں ہو سکتا تو تب وہ اپنے خبیث مقاصد سمیت سامنے آتے ہیں اور مجاہدین کے لیے ناگزیر بن جانے والے ان اموال کے بدلے ان سے ذلت آمیز شرائط منواتے ہیں، اب دو ہی راستے بچتے ہیں، یا تو ان رسوا کن شرائط کو مان لیں یا پھر انکار کر کے اپنا سارا جہادی ڈھانچہ قربان کر دیں۔

لہٰذا اس خبیث سازش کا شکار بننے سے بچنے کے لیے بھی جہادی جماعتوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کے مصادرِ تمویل متعدد اور متنوع ہوں۔

[1] ادارۃ التوحش، صفحہ ۳۱

ان میں سب سے اعلیٰ ذریعہ جسے دشمن روک بھی نہیں سکتا، غنیمت ہے، جس میں دشمن کو معاشی نقصان پہنچانے کے ساتھ عزتِ نفس کی بقا اور کسی کا احسان لینے سے اجتناب بھی ہے۔ **احکامِ شرع کی حدود، قیود اور شروط کی رعایت کے ساتھ غنیمت کے دروازے کھولنے کی شدید ضرورت ہے**، کیونکہ فتح کے سفر کو آگے بڑھانے اور دشمن کو مہلک ضربیں لگانے میں اس کی عجیب تاثیر ہے۔

مسلمانوں کی تعداد اور سازوسامان

اصحابِ بدر کی تعداد مہاجرین وانصار سب کو ملا کر کل تین سو سے کچھ اوپر تھی [مشہور قول ۳۱۳ کا ہے اور چونکہ جنگ کا ارادہ نہیں تھا، بلکہ تجارتی قافلہ ہدف تھا، جس کے ساتھ صرف چالیس کے لگ بھگ مسلح لوگ تھے، اس لیے] مسلمانوں نے کوئی خاص اہتمام اور تیاری بھی نہیں کی تھی، صرف ایک یا دو گھوڑے تھے، ستر اونٹ تھے جن میں سے ہر ایک پر دو یا تین افراد باری باری سوار ہوتے تھے۔

دوسری طرف لشکرِ کفار میں ہزار کے قریب جنگجو تھے، سو گھوڑے اور چھ سو زِرہیں تھیں، اونٹ بے شمار تھے، راشن وغیرہ کا بھی عمدہ انتظام تھا، ایک دن نو (۹) اور ایک دن دس (۱۰) اونٹ ذبح کرتے تھے۔

دونوں لشکروں کے درمیان خالص مادی پیمانوں کے تحت موازنے کا تقاضا یہی تھا کہ کفار کا پلہ بھاری ہے تو وہ غالب آئیں گے، لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا کہ اللہ کے فضل سے مسلمانوں کو واضح فتح حاصل ہوئی۔ اس فتح میں اپنے سے تعداد میں کئی گنا زیادہ اور بہترین اسلحے اور وسائل سے لیس کفر کے سرکش لشکروں سے نبرد آزما مجاہد 'اقلیت' کے لیے بیش بہا درسِ عبرت ہے۔ [اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے سبق سیکھنے والا بنائے، آمین!]

دشمن کی تعداد اور سازوسامان کی بدرجہا برتری کے باوجود اس مجاہد 'اقلیت' کو جو چیز فتح سے ہمکنار کرتی ہے وہ اس کا مخلوق کو چھوڑ کر صرف اور صرف خالق پر توکل اور بھروسہ ہے، جہاد اور صبر کرنے والا گروہ اللہ جل شانہٗ کے اس ارشاد کا مطلب بخوبی جانتا ہے:

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ (آل عمران: ۱۲۶)

"فتح تو کسی اور کی طرف سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے جو مکمل اقتدار کا بھی مالک ہے، تمام تر حکمت کا بھی مالک۔"

لشکرِ طالوت کی یہ مجاہد 'اقلیت' جب جالوت کے ٹڈی دَل لشکر کے مقابل میں آئی تو بھی اس کی زبان سے یہی 'آسمانی حقیقت' ظاہر ہوئی۔

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (البقرۃ: ۲۴۹)

"جن لوگوں کا ایمان تھا کہ وہ اللہ سے جاملنے والے ہیں انہوں نے کہا کہ: نہ جانے کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں، اور اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں۔"

گو شیطان بہت سے مسلمانوں کو امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے ڈرانے میں کامیاب بھی ہوا، یہاں تک کہ علم اور دعوتِ دین سے منسوب بہت سے لوگوں کا اس ابلیسی پروپیگنڈے سے پِتّہ پانی ہو گیا، اور انہوں نے اپنے خوف کو حکمت و مصلحت کا لبادہ اوڑھا دیا، لیکن شیطان جہادی طائفے کو ڈرانے میں ناکام رہا، کیونکہ وہ اس ارشادِ باری پر کامل ایمان رکھتا ہے:

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۷۵)

"درحقیقت یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہٰذا اگر تم مومن ہو تو ان سے خوف نہ کھاؤ، اور بس میرا خوف رکھو۔"

پھر جب امریکہ کہتا ہے کہ (ہم سے بڑھ کر طاقتور کون ہے؟) تو مخلوق کی طرف دیکھنے والے اس سے خوف کھا جاتے ہیں اور خالق کی عزت نہیں کرتے، جبکہ اہلِ ایمان و صبر مخلوق کی قوت سے استدلال کرتے ہیں کہ یقیناً خالق کی قوت اس سے کہیں زیادہ ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ (فصلت: ۱۵)

"بھلا کیا ان کو یہ نہیں سوجھا کہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ طاقت میں ان سے کہیں زیادہ ہے۔"

عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم

[عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو]

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (الانفال: ۷)

"اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے کوئی ایک تمہارا ہوگا، اور تمہاری خواہش تھی کہ جس گروہ میں (خطرے کا) کوئی کانٹا نہیں تھا، وہ تمہیں ملے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے احکام سے حق کو حق کر دکھائے، اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے۔"

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے ساتھ پہلے سے وعدہ کر رکھا تھا کہ تجارتی قافلے یا جنگی لشکر میں سے کسی ایک پر انہیں فتح دے گا، مسلمان تجارتی قافلے کے خواہاں تھے کہ وہ بآسانی ہاتھ آنے والی

غنیمت تھا اور جنگی لشکر سے گریزاں تھے کہ اِس فتح کی قیمت خون بہنے اور اعضا کٹنے کی صورت میں ادا کرنی تھی۔

یہ عین انسانی فطرت ہے کہ وہ ہلاکت تو درکنار تنگی اور مشقت سے بھاگتا ہے، آسانی، راحت اور سلامتی چاہتا ہے، لیکن یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس دنیا میں بلندیاں پانے کے لیے جان کو مشقت اور خطرے میں ڈالنا بلکہ بسا اوقات قربان کر دینا ضروری ہو جاتا ہے۔

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

عقلِ سلیم کاموں کے انجام اور مقاصد کو مدِ نظر رکھتی ہے، ابتدا اور مشقتوں کی پرواہ نہیں کرتی، مریض صحت یاب ہونے کے لیے کڑوی دوا بھی پی لیتا ہے اور باقی جسم کی تندرستی اور زندگی کی بقا کے لیے کینسر زدہ حصے کو کٹوانے پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔

جہاد میں گو خوف، بھوک، جانوں، مالوں اور پھلوں کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے، لیکن انجام کار اس کا فائدہ اسلام اور مسلمانوں میں حق میں عظیم تر ہے۔ بعد کے زمانوں میں چونکہ یہ مفہوم مسلمانوں کے دلوں سے نکل گیا اور اس کی جگہ دنیا کی محبت نے لے لی، موت سے ڈرنے لگے تو ان پر ایسی مصیبت، ذلت اور قتلِ عام مسلط ہوا کہ اگر وہ جہاد کرتے تو اس سے سو گنا کم جانی و مالی نقصان کے ساتھ عزت و سربلندی پا لیتے۔ [افغانستان و فلسطین کی لڑ کر مردانہ وار شہادتوں کے اعداد و شمار کا ہند کے مسلمانوں کی مظلومانہ شہادتوں کی تعداد کے ساتھ تقابل کر لیں، ساری بات سمجھ آ جائے گی اور لما یحییکم (الانفال: ۲۴) میں جو جہاد کو حیات آفریں کہا گیا ہے اس کی عملی تفسیر بھی سامنے آ جائے گی۔]

لاکھوں مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا، روس میں دو کروڑ سے زیادہ مسلمان قتل کیے گئے، چین میں ایک کروڑ بیس لاکھ کے قریب مسلمان قتل کیے گئے، ہند میں لاکھوں مسلمانوں کو ذبح کر دیا گیا، باقی دنیا [بنگلہ دیش، برما، فلپائن، تھائی لینڈ میں فتانی کا علاقہ، جمہوریہ وسطی افریقہ، جنوبی سوڈان، اریٹریا] میں یہ تعداد کچھ کم نہیں اور قتلِ عام کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

[خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد]

ہمیں ان لوگوں پر کوئی حیرت نہیں جو دنیا کو ترجیح دیتے ہیں، اس لیے موت کے خوف سے جہاد چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے گناہ کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ تعجب تو ان پر ہے جو اپنے اس خوفِ مرگ اور گناہ کو جائز قرار دیتے ہیں، اس کے لیے باقاعدہ شرعی دلائل گھڑتے ہیں، اور ستم بالائے ستم یہ کہ اپنے ترکِ جہاد کو جہاد قرار دیتے ہیں اور ان کا ستم یہاں پر بھی بس نہیں کرتا، بلکہ دوسروں کو بھی جہاد سے روکتے ہیں اور اپنی تیز زبانوں سے مجاہدین کو نشانۂ مشق بناتے ہیں۔

[غلبۂ دین کے خانہ زاد مناہج]

اور اس سے بھی زیادہ تعجب خیز وہ طرزِ عمل جسے علم و دعوتِ دین سے منسوب بعض گروہ اختیار کرتے ہیں! بڑی دینی جماعتوں میں شمار ہونے والی ایک جماعت یہ رائے رکھتی ہے کہ اسلامی ریاست کے قیام اور ظلم و جبر کو ختم کرنے کا طریقہ صرف اور صرف سیاست میں حصہ لینا [اور کامیاب ہونا] ہے اور علی الاعلان فخر یہ یہ کہتی ہے کہ 'وہ ہمیشہ آئین و قانون کی پابند رہی ہے اور اس بات کی کوشش کرتی رہی ہے کہ روایتی ہتھیاروں کو چھوڑ کر صرف آزادانہ سچی بات ہی ان کا اسلحہ ہو جس سے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے اور کسی کی ملامت کو خاطر میں نہ لائے'۔

ایک دینی گروہ 'تصفیہ و تربیہ' [یعنی محض عقائد کی اصلاح اور شرعی علوم کی ترویج] کو اصلاحِ نظام کا طریقہ باور کرتا ہے۔

ایک صاحبِ علم و فضل لوگوں کو یہ یقین دلانے میں لگے ہیں کہ قتل و قتال سے بچ کر محض ووٹ کی پرچی سے بھی آپ اسلامی حکومت قائم کر سکتے ہیں۔

ایک شیخ یہ تجویز دیتے ہیں کہ لوگ بادشاہ کے محل کے سامنے جمع ہو کر زار و قطار روئیں، تاکہ اس کی رحم دلی جوش میں آئے اور وہ شریعت نافذ کر دے۔ سچ کہتے ہیں کہ دیوانگی کی اقسام بے شمار ہیں۔

یہ سب دراصل موت اور مشقت و آزمائش کا خوف ہے، جسے یہ حضرات حکمت و مصلحت کا لبادہ اڑھا رہے ہیں اور حق کو باطل کے ساتھ خلط کرنے جیسے جرمِ عظیم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

لیکن مومنینِ صادقین نے اِن سب لغویات اور فرض کی ادائیگی سے جان چھڑانے کے بہانوں سے اپنی جانوں کو راحت میں رکھا، انہوں نے جان لیا کہ غیب جاننے والے اللہ کا حکم سراپا خیر ہے، پس وہ اس پر عمل پیرا ہو گئے اور جہاد کیا،

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (البقرۃ: ۲۱۳)

"پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ نے انہیں اپنے حکم سے حق کی ان باتوں میں راہ راست تک پہنچایا جن میں انہوں نے اختلاف کیا تھا، اور اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست تک پہنچا دیتا ہے۔"

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

موت ومابعد الموت

قیامت کے دن کفار کو پیش آنے والے حالات

یوم آخرت کی اہمیت

انسان اگر دنیا کے مقابلے میں آخرت کی اہمیت جاننا چاہے تو ریاضی کی سادہ سی مساوات (equation) کے ذریعے حساب لگا کر دنیا و آخرت کے مابین تناسب جان سکتا ہے۔ اگر کوئی انسان دنیا میں ساٹھ، ستّر یا چلیں سو برس جیے، جبکہ اخروی زندگی دائمی ہے، لامنتہا، لامحدود ہے...... تو دنیا اور آخرت کے مابین کیا تناسب بنے گا؟ آپ سو کو لامنتہا سے تقسیم کریں تو آپ کو کیا حاصل ہو گا؟...... صفر......! یعنی دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں صفر ہے؛ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ریاضی جانے بغیر بھی یہ بات جانتے تھے...... ان کے خطبے آخرت کے گرد گھومتے تھے، ان کے دروس و نصائح آخرت کی یاد دلاتے تھے اور وہ ایک دوسرے کو آخرت ہی کی تذکیر کرتے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کے حوالے سے خطبات ارشاد فرمایا کرتے۔ قرآن بھی آخرت کا ذکر نہایت تفصیل کے ساتھ کرتا ہے۔ ہم قیامت کے دن کے حوالے سے گفتگو کر رہے ہیں...... اس سے پہلے ہم نے موت اور برزخ کی زندگی کا ذکر کیا اور اب ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔

قیامت کا دن محض ایک ہی دن ہے مگر اس کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیے کافی وقت چاہیے کیونکہ یہ ایک دن نہایت اہم اور نہایت طویل ہے...... یوم قیامت پچاس ہزار برس کے برابر طویل ہے۔

ایک بدو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دعا کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پُر حکمت دعا کو بہت پسند فرمایا۔ دعا تو طویل ہے مگر اس کا آخری حصہ ہم یہاں ذکر کریں گے؛ اس نے کہا: اسئلک أن تجعل خير عملي آخرها، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے آخری اعمال کو بہترین بنادے، وخير عمري آخره؛ اور میری زندگی کا بہترین حصہ اس کا آخری حصہ ہو؛ اور پھر اس نے بہترین دن کے طور پر ایک دن کا انتخاب کیا......! وہ کون سا دن تھا جسے اس نے منتخب کیا؟ کیا اس نے گریجویشن کی سند پانے کا دن منتخب کیا یا اس نے اپنی شادی کے دن کو بہترین دن کے طور پر منتخب کیا؟؟؟ اس نے کہا: واجعل خير ايامي يوم القاك، میرے اس دن کو بہترین ثابت فرمادے کہ جس دن میں تجھ سے ملاقات کا شرف حاصل کروں...... یعنی یوم قیامت۔

اس دعا میں بہت حکمت ہے کیونکہ یوم قیامت پچاس ہزار برس طویل دن ہے جس کے مقابل انسان کی دنیا کی زندگی محض ایک ذرہ ہے؛ گر وہ ایک دن بہترین گزر گیا تو سب دنوں پر بھاری ہے؛ خواہ انسان کی دنیا کی زندگی کیسی ہی مشکل کیوں نہ گزری ہو۔ جبکہ دوسری طرف اگر دنیا کی زندگی تو بہت راحت میں گزری مگر یہ ایک دن برا گزرا تو پوری زندگی کی راحت و آرام کچھ فائدہ نہ دے گا۔ لہٰذا اس بدو کی دعا حکمت سے بھرپور ہے جس نے کہا کہ اجعل خير ايامي يوم القاك؛ ہم اللہ سبحانہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم اس حال میں اپنے رب سے ملیں کہ وہ ہم سے راضی ہو...... اور یہی اصل کامیابی ہے۔

قیامت کے طویل دن میں بہت سے واقعات رونما ہوں گے اور لوگ اس دن بہت سے مختلف حالات سے گزریں گے...... ہم درجہ بدرجہ ان کا ذکر کریں گے۔

سلسلۂ دروس آخرت کے خاکے و ترتیب کا منبع

یہاں میں یہ بتاتا چلوں کہ ان دروس کا بنیادی خاکہ اور ترتیب میں نے شیخ عمر الاشقر کی 'عقیدہ' کے موضوع پر لکھی گئی شاندار سلسلہ کتب سے لی ہے۔ یہ کتابیں مختلف ابواب پر مشتمل ہیں اور شیخ نے ایک پورا باب 'آخرت' کے موضوع کے لیے مختص کیا ہے۔ آخرت کا یہ باب 'قیامت صغری'، 'قیامت کبری'، 'جنت' اور جہنم' کے عنوانات پر تقسیم کیا گیا ہے۔ شیخ عمر الاشقر نے سیکڑوں 'امہات الکتب'[1] کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد ان کتب کی صورت میں علم کے خزانے ہم تک پہنچائے ہیں۔ شیخ عمر الاشقر کے اس سلسلہ کتب کا انگریزی ترجمہ موجود نہیں ہے البتہ ہم ان دروس میں ان کتابوں سے استفادہ کریں گے۔

[1] امہات الکتب یعنی تمام کتابوں کی مائیں...... ان کا منبع ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جو قدیم علمائے اسلام نے تحریر فرمائیں۔

شیخ عمر الاشقر لوگوں کو قیامت کے دن پیش آنے والے حالات کے اعتبار سے تین درجوں میں تقسیم کرتے ہیں: الکفار، والعصی، والمتقون؛ یعنی کفار پر گزرنے والے حالات، گناہ گار مسلمانوں کے حالات اور پھر متقین صالحین کے حالات؛

قیامت کے دن کفار کے حالات

اس درس میں ہم پہلے درجے والوں کا ذکر کریں گے یعنی کفار کی حالت کا؛ اس کو بھی وہ تین درجوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱. الذُل والھَوان

بے توقیر اور ذلیل و رسوا ہونے والے؛ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے حق کو جھٹلایا؛

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝﴾ (سورۃ المعارج: ۴۳، ۴۴)

”ان کی نگاہیں زمین میں گڑی ہوئی ہوں گی ٗ ذلت ان پر چھائی ہوئی ہو گی؛ یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ جس دن وہ نکلیں گے اپنی قبروں سے دوڑتے ہوئے ٗ جیسے کہ وہ مقرر نشانوں کی طرف بھاگے جا رہے ہوں۔“

اللہ سبحانہ تعالیٰ وہ کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو وہ اس طرح بھاگ رہے ہوں گے گویا وہ کسی مقرر نشان تک پہنچنے کی جلدی میں ہوں۔ ہر ایک بھاگ رہا ہو گا مگر درحقیقت وہ کسی خاص مقام اور نشان کی جانب نہیں بھاگ رہے ہوں گے؛ بلکہ اس دن واقع ہونے والے حالات و واقعات کا خوف انہیں دوڑا رہا ہو گا۔ اللہ رب العزت نے ایک اور آیت میں ان کی کیفیت اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ (سورۃ الحج: ۲)

”اور لوگ تمہیں یوں نظر آئیں گے کہ وہ نشے میں بدحواس ہیں؛ حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہو گا۔“

ہم میں سے بہت سے لوگ ہیں جو جب ظلم ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ یہ ہو کیسے سکتا ہے اور یہ کیسے جاری رہ سکتا ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کیسے اس سب کی مہلت دے رہے ہیں! اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَاۗءٌ ۝﴾ (سورۃ ابراھیم: ۴۲)

”اور یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں، اللہ اس سے غافل ہے۔ وہ تو ان لوگوں کو اس دن تک کے لیے مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ وہ سروں کو اوپر اٹھائے دوڑ رہے ہوں گے، ان کی نگاہیں جھپکنے کو واپس نہیں آئیں گی اور ان کے دل (بدحواسی میں) اڑے جا رہے ہوں گے۔“

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ نہ سمجھو کہ اللہ رب العزت واقف نہیں ہیں، جانتے نہیں ہیں کہ کیا ہو رہا ہے...... اللہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں، سب جانتے ہیں؛ مگر اللہ انہیں مہلت دے رہے ہیں؛ تصور کریں یوم قیامت کے منظر کا کہ جب لوگوں کی گردنیں تنی ہوئی ہوں گی، ان کے سر ایک طرف کو اٹھے ہوں گے اور ان کی آنکھیں اوپر کو دیکھ رہی ہوں گی مگر وہ پلکیں نہ جھپکتے ہوں گے...... وہ پلکیں اس لیے نہ جھپک پائیں گے کہ اس روز انسان ایک لمحے کی غفلت کی گنجائش بھی نہ پائے گا...... اس روز یہ آنکھیں پھٹی ہوں گی اور پلک بھی نہ جھپکتی ہوں گی جبکہ دنیا کی پوری زندگی میں یہ آنکھیں غفلت کی نیند سوئی رہیں۔

دل کی مضبوطی بہادری اور شجاعت کی علامت ہوتی ہے جبکہ اللہ رب العزت ان لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کے دل خالی ہوں گے؛ ہوا کی طرح ہلکے ہوں گے اور اردگرد جو کچھ بھی ہو گا ان کے دل فوراً اس سے متاثر ہو کر خوف سے لرزنے لگیں گے۔ ایک اور آیت میں اللہ رب العزت ان کی کیفیت کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ وہ اس قدر تکلیف میں ہوں گے کہ گویا پھٹے جاتے ہوں اور ان کے دل ان کے حلق میں پھنس گئے ہوں گے جیسے کہ انہیں پھندا لگا ہو۔

﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ﴾ (سورۃ الغافر: ۱۸)

”(اے پیغمبر!) ان لوگوں کو ایک ایسی مصیبت کے دن سے ڈراؤ جو قریب آنے والی ہے، جب لوگوں کے کلیجے (غم سے) گھٹ گھٹ کر منہ کو آ جائیں گے، ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی ایسا سفارشی جس کی بات مانی جائے۔“

يَوْمَ الْاٰزِفَةِ

جب ہم یوم قیامت کا ذکر کرتے ہیں تو ایسے بات کرتے ہیں جیسے کہ وہ بہت دور ہے، بعید ہے، ناقابل حصول ہے؛ اللہ رب العزت اسے يَوْمَ الْاٰزِفَةِ کہہ کر یاد فرماتے ہیں۔ الْاٰزِفَةِ اسے کہتے ہیں جو بالکل نزدیک ہو، قریب ہو، دور نہ ہو...... اور یوم قیامت قریب ہی ہے۔ ایک اور آیت میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿أَتَىٰ أَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (سورۃ النحل: ۱)

”اللہ کا حکم آن پہنچا ہے، لہٰذا اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔“

اس آیت مبارکہ میں اللہ کے حکم سے مراد یوم قیامت ہے، وہ آ ہی گیا ہے لہٰذا تم جلدی نہ مچاؤ؛ آج ہم یہاں بیٹھے یوم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں اور بہت جلد وہ وقت ہو گا کہ ہم میدان حشر میں کھڑے ہوں گے؛ اور یہ سب کچھ جو ہم کتابوں سے دیکھ کر بیان کر رہے ہیں...... اس سب کو ہم اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے...... اور وہ دن دور نہیں ہے۔ آپ اگر اپنی پوری گزشتہ زندگی پر ایک نگاہ ڈالیں اور اسے ایک نشست میں بیان کرنا چاہیں تو آپ برسوں کی کہانی محض آدھے گھنٹے میں سنا کر فارغ ہو جائیں گے...... اور پھر بہت جلد ہماری زندگی کا وہ وقت آ جائے گا جب ہم اپنے بستروں پر لیٹے اپنی موت کے منتظر ہوں گے...... اور بس پھر بہت جلد میدان حشر میں اکٹھے ہوں گے...... وہ دن دور نہیں ہے...... اللہ رب العزت نے اسے الْاٰزِفَةِ فرمایا ہے؛ وہ دن جو قریب ہی ہے، آیا ہی چاہتا ہے، جو بس آ ہی گیا ہے۔

اس دن...... جسے یوم القیامۃ کہا گیا ہے...... اس روز لوگ کھڑے ہوں گے...... القیامۃ کا معنی کھڑے ہونا ہی ہے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تُدْنَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ الْخَلْقِ حَتَّى تَكُونَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيلٍ ...... قَالَ فَيَكُونُ النَّاسُ عَلَى قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَكُونُ إِلَى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُونُ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُونُ إِلَى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُلْجِمُهُ الْعَرَقُ إِلْجَامًا۔ (صحيح مسلم)

”قیامت کے دن سورج مخلوق سے اس قدر قریب ہو جائے گا یہاں تک کہ ان سے ایک میل کے فاصلے پر ہو جائے گا [عربی زبان میں میل مسافت کے ماپ کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور سرمہ لگانے کی سلائی کے لیے بھی...... یعنی بہت کم فاصلہ؛ مقصد یہ ہے کہ سورج اس دن بہت قریب ہو گا]...... آپ نے فرمایا لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینہ میں غرق ہوں گے اور ان میں سے کچھ لوگوں کے گھٹنوں تک پسینہ ہو گا اور ان میں سے کسی کی کمر تک اور ان میں سے کسی کے منہ میں پسینہ کی لگام ہو گی۔“

سورج اس قدر قریب ہو گا اور لوگ اپنے اعمال کی مناسبت سے پسینے میں ڈوبے ہوں گے؛ بعض کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک پہنچتا ہو گا اور بعض کا گھٹنوں تک اور بعض ایسے بھی ہوں گے جو کندھوں تک پسینے میں ڈوبے ہوں گے اور وہ بھی ہوں گے جنہیں ان کا پسینہ اپنے اندر غرق کر لے گا۔ جس قدر کوئی انسان گناہ گار ہو گا اسی قدر اس کا پسینہ زیادہ ہو گا کیونکہ وہ اپنے اعمال کے بقدر سورج کی حرارت سے متاثر ہو گا۔ لیکن صالحین کہاں ہوں گے؟ وہ اللہ رب العزت کے عرش تلے سائے میں ہوں گے۔

ایک اور کیفیت جس سے ظالمین گزریں گے اور اللہ اسے بیان فرماتے ہیں؛ ضمنی طور پہ یہاں یہ بتاتے چلیں کہ قرآن پاک کی بہت سی آیات ایسی ہیں جو انسان سے اس کیفیت کو تصور کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں، اور انسان جب تک تصور نہ کرے تب تک اس آیت کا درست فہم اور صحیح ادراک نہیں پا سکتا؛ قرآن تصویر کشی کرتا ہے؛ اللہ رب العزت انسان کے سامنے تصور پیش کرتے ہیں؛ بالخصوص جب ہم آخرت کے احوال کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ رب العزت قرآن پاک میں آخرت کے حوالے سے بہت سے خاکے یا تصور پیش کرتے ہیں تاکہ انسان اس کیفیت کا ادراک درست طریقے سے کر سکے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا۝﴾ (سورۃ الفرقان: ۲۷)

”اور جس دن ظالم انسان (حسرت سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا، اور کہے گا: کاش میں نے پیغمبر کی ہمراہی اختیار کر لی ہوتی۔“

جب انسان ندامت کی انتہا پر ہوتا ہے تو وہ اپنی انگلیاں چباتا ہے؛ اسے اپنی ندامت کی شدت کی وجہ سے اس درد کا احساس نہیں ہوتا؛ مگر اللہ رب العزت یہ نہیں فرمار ہے کہ اس روز ظالم اپنی انگلیاں چبائے گا یا اپنے ہاتھ کاٹے گا...... بلکہ اللہ رب العزت فرما رہے ہیں کہ اس روز ظالم اپنے 'دونوں ہاتھ' چبائے گا؛ ذرا تصور کریں اس دن کا کہ جب ظالم اپنے دونوں ہاتھ اپنے منہ کے اندر ٹھونس ٹھونس کر گھسائے گا اور اپنے دانتوں سے انہیں نوچ نوچ کھائے گا اور چبا چبا کر ان کی ہڈیاں توڑے گا اور گوشت اور ماس کو نوچ نوچ کر ہڈیوں سے جدا کرے گا...... اور اسے کوئی درد محسوس نہیں ہو گا...... کیونکہ ندامت کی اذیت اور تکلیف اس تکلیف سے کئی گنا زیادہ ہو گی۔ ندامت کا اذیت نفسیاتی طور انسان کو محسوس ہوتی ہے مگر وہ نفسیاتی تکلیف اس قدر شدید ہو گی کہ انسان کو اپنے ہاتھ چبانے کی جسمانی تکلیف اس کے مقابلے میں محسوس نہ ہو گی۔ یہ ندامت کس بات کی ہو گی؟ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا کاش میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا...... کاش میں نے رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا!!

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ۝﴾ (سورۃ الروم: ۱۲)

”اور جس دن قیامت برپا ہو گی اس روز مجرم لوگ ناامید ہو جائیں گے۔“

يُبْلِسُ کا معنی ہے مایوس ہو جانا، دست بردار ہو جانا؛ وہ کس سے جدال کریں گے اور کس بات پر کریں گے؟ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا۝﴾ (سورۃ النساء: ۴۲)

"اس دن تمنا کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا اور رسول کی نافرمانی کی تھی کہ کاش (انہیں زمین میں دھنسا کے) ان کے سمیت زمین برابر کر دی جائے اور وہ اللہ سے کوئی بات بھی چھپا نہیں سکیں گے۔"

یہ وہ شخص ہو گا جس کے دل میں دنیا کی بھرپور محبت ہو گی؛ یہ وہ ہو گا جو دنیا کے ذرا سے فائدے کے حصول کے لیے اپنا دین تک بیچ ڈالے گا...... ایسا شخص جو دنیا سے اس قدر محبت کرتا ہو گا اور زندگی کا اس قدر حریص ہو گا، وہ اس دن چاہے گا کہ اسے زمین میں دھنسا کر اس پر زمین برابر کر دی جائے...... اس کا کوئی نام و نشان تک باقی نہ رہے؛ اور ایک اور آیت میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ (سورۃ النبأ: ۴۰)

"اور کافر کہے گا: کاش میں مٹی ہوتا!"

وہ لوگ کہ جن کی خواہشات، ارمانوں اور آرزوؤں کی کوئی حد نہیں ہو گی...... وہ قیامت کے دن جب حقیقت کو اپنے سامنے مجسم دیکھ لیں تو مٹی میں مل کر مٹی ہو جانا چاہیں گے؛ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ خواب کی حالت میں رہ رہے ہیں۔

۲. احباط الاعمال

قیامت کے دن کفار کی حالت اور درجے کے اعتبار سے دوسری قسم وہ ہے جن کے تمام اعمال باطل ہو جائیں گے؛ نامنظور ہو جائیں گے؛ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً﴾ (سورۃ النور: ۳۹)

"اور (دوسری طرف) جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دشتِ بے آب میں ایک سراب ہو جسے پیاسا آدمی پانی سمجھ بیٹھتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا اور اس کے پاس اللہ کو پاتا ہے، چنانچہ اللہ اس کا پورا پورا حساب چکا دیتا ہے۔ اور اللہ بہت جلدی حساب لے لیتا ہے۔"

سراب

سراب صحراؤں میں یا بہت گرم علاقوں میں ظاہر ہوتا ہے بالخصوص جب آپ کسی شاہ راہ پر گاڑی چلا رہے ہوں تو عموماً اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ بہت گرم صحرا میں سفر کرتے ہوئے افق پر پانی دکھائی دیتا محسوس ہوتا ہے، بخارات، ہوا اور نمی کی وجہ سے نظر کو یہ دھوکہ ہوتا ہے...... انسان اسے پانی سمجھ کر جس قدر اس سے نزدیک ہوتا جاتا ہے اسی قدر وہ دور ہٹتا جاتا ہے... حقیقت میں وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا...... نظر کا یہ دھوکہ ہی سراب کہلاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے کفار کے اعمال کو سراب سے تشبیہ دی ہے کہ ان کے اعمال صحرا میں سراب کی مانند ہیں؛ وہ اپنے اعمال پر یہ سوچتے ہوئے کاربند رہتے ہیں کہ یہ ان کے لیے مفید ثابت ہوں گے مگر وہ سراب کی مانند ہیں...... وہ جسے پانی سمجھ کر اس کی جانب بھاگ رہے ہیں اس کی حقیقت تو کچھ بھی نہیں ہے...... وہاں انہیں اپنے اعمال نہیں ملتے بلکہ کیا ملتا ہے؟ وہ وہاں اللہ کو پاتے ہیں۔ اور تب اللہ رب العزت ان کا حساب چکا دے گا؛ اور ان کا حساب سوائے سزا کے اور کیا ہے!

اعمال کی تاریکی

اللہ رب العزت ایک اور طریقے سے بھی اس کیفیت کو بیان فرماتے ہیں:

﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ (سورۃ النور: ۴۰)

"یا پھر ان (اعمال) کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں پھیلے ہوئے اندھیرے، کہ سمندر کو ایک موج نے ڈھانپ رکھا ہو، جس کے اوپر ایک اور موج ہو، اور اس کے اوپر بادل، غرض اوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے۔ اگر کوئی اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ پائے۔ اور جس شخص کو اللہ ہی نور عطا نہ کرے، اس کے نصیب میں کوئی نور نہیں۔"

ان کے یہ اعمال ہی اندھیرے ہیں، ظلمات ہیں...... جس قدر وہ اپنے اعمال بد میں اضافہ کرتے ہیں اسی قدر اندھیرے گھنے ہوتے جاتے ہیں...... اس قدر گھنا اندھیرا کہ کوئی اس میں اپنا ہاتھ بڑھائے تو اپنے ہی ہاتھ کو دیکھ نہ پائے اور یہ حقیقت میں ہو گا قیامت کے دن ان کے ساتھ جب وہ الصراط پر نور کھو دیں گے۔

ہمیں معلوم ہے قیامت کے دن الصراط پر بہت اندھیرا ہو گا، اہل ایمان کو روشنی عطا کی جائے گی لیکن جنہوں نے اللہ رب العزت پر ایمان لانے سے انکار کیا، ان کے لیے گھپ اندھیرا ہو گا؛ یہ ایک مثال ہے جو اللہ رب العزت ان کے اعمال کے لیے بیان فرماتے ہیں۔ اللہ رب العزت ایک اور جگہ بیان فرماتے ہیں:

﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۱۷)

"دنیا کی اس زندگی میں یہ لوگ جو بھی خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک زوردار آندھی جس میں پالا (سخت سردی، منجمد اوس) ہو وہ کسی ایسی قوم کی کھیتی کو آپڑے جس نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو، پھر وہ اس (کھیتی) کو تباہ و برباد اور تہس نہس کر کے رکھ دے اور ان پر اللہ نے کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم ڈھا رہے ہیں۔"

اللہ رب العزت یہاں اس مال کی تمثیل بیان فرما رہے ہیں جو کافر خرچ کرتے ہیں؛ اسلام کے خلاف یہ بہت سا مال خرچ کر چکے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں؛ اربوں ڈالرز صرف اسلام کے خلاف لڑنے کے لیے اور اس دین کو پھیلنے سے روکنے کے لیے یہ کفار استعمال کر رہے ہیں؛ اللہ تمثیل بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے اعمال کی فصل بوتے ہیں اور جب وہ فصل لہلہانے لگتی ہے اور انہیں اس سے فائدے کی امید بندھ جاتی ہے تو یخ ٹھنڈی ہوا اس پوری فصل کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے اور جب وہ اس وقت اپنی تیار کھیتی کاٹنے کے لیے جاتے ہیں کہ جب انہیں اس کی اشد ضرورت ہو تو وہاں وہ کچھ بھی نہیں پاتے۔ یہ مال جو آج چند مقاصد کے حصول کی خاطر خرچ کیا جا رہا ہے، قیامت کے دن یہ سب کا سب ضائع ہو جائے گا اور انہیں اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

ہم جب ایسی آیات پڑھتے ہیں کہ جس میں اعمال کے ضائع ہو جانے کا ذکر ہو تو دل میں خیال آسکتا ہے کہ کیا اللہ رب العزت عادل نہیں ہیں؟ کیا اللہ رب العزت لوگوں کو ان کی جزا و سزا ان کے اعمال کے بدلے عطا نہیں فرمائیں گے؟ اس شبہے کو ذہنوں سے رفع کرنے کے لیے اللہ پاک فرماتے ہیں، ''اور ان پر اللہ نے کوئی ظلم نہیں کیا' بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم ڈھا رہے ہیں۔''

لوگوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا، اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا؛ اللہ تعالیٰ نے تو محض ان سے ان کے اعمال کا حساب لیا۔

راکھ کا ڈھیر

ایک تیسری مثال بھی اللہ ان کے اعمال کی بیان فرماتے ہیں:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ﴾ (سورة ابراهیم: ۱۸)

''جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کی روش اختیار کی ہے، ان کی حالت یہ ہے کہ ان کے اعمال اس راکھ کی طرح ہیں جسے آندھی طوفان والے دن میں ہوا تیزی سے اڑا لے جائے، انہوں نے جو کچھ کمائی کی ہو گی، اس میں سے کچھ ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔''

اللہ رب العزت ان کے اعمال کو راکھ کی مانند بیان فرماتے ہیں؛ تصور کریں کہ ایک پہاڑ ہو...... راکھ کا پہاڑ اور وہ راکھ...... اعمال ہوں۔ اعمال کا ڈھیر ہو جو اپنے حساب سے وہ کافر جمع کر کے لایا ہو اور جب وہ اپنی جزا پانے کے لیے اپنے ڈھیروں ڈھیر اعمال کے قریب جائے تو اس کی آنکھوں کے سامنے تیز ہوا راکھ کے اس ڈھیر کو اڑا لے جائے اور اس کے ہاتھ کچھ بھی نہ آئے۔

وہ اعمال اس لیے راکھ ہوں گے کہ ان میں ایک عمل بھی ایسا نہیں ہو گا جو اس نے محض اللہ رب العزت کی خاطر کیا ہو۔

اعمال کے رد ہونے کی وجہ

قرآن کے بیان کی فصاحت و بلاغت ملاحظہ کریں؛ راکھ دیکھنے میں بہت زیادہ بھی ہو تو وہ بے کار، بے مصرف چیز ہے؛ کیوں؟ اس کی دو وجوہات ہیں: پہلی یہ ہے کہ ان اعمال میں اخلاص کی مطلوب صفت نہیں ہے اور دوسرا یہ ہے کہ ان اعمال کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں ہے، جو فی نفسہ مطلوب ہے۔

کسی بھی عمل کے مقبول ہونے کے لیے اس کا دو شرائط پر پورا اترنا ضروری ہے: اخلاص؛ یعنی وہ عمل خالص محض اور محض اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ جب انسان کوئی اچھا کام کرے مگر وہ اللہ کے لیے نہ ہو بلکہ اس سے مقصود کسی اور کی رضا ہو تو اس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ پھر اس انسان کو اللہ رب العزت سے بدلے کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہیے؛ جو عمل اللہ کے لیے کیا ہی نہیں گیا اس کے اجر کی توقع اللہ سے رکھی کیسے جا سکتی ہے۔ اور یہی قیامت کے دن ہو گا۔ اللہ رب العزت فرمائیں گے کہ جو کوئی بھی غیر اللہ کے لیے عمل کرتا تھا وہ اپنے اپنے الہ کے پاس جائے اور اس سے اپنا اجر وصول کرے؛ جو بتوں کو پوجتا تھا وہ ان کے پاس جائے، جو انسانوں اور جنوں کو پوجتا تھا وہ ان کے پاس جائے اور جو فرشتوں کی پرستش کرتا تھا وہ ان کے پاس جائے اور جو محض میری عبادت کرتا تھا وہ میرے پاس آئے اور اس کا اجر میرے ذمہ ہے۔ ان کے اعمال اخلاص کے بنیادی جزو سے خالی ہوں گے لہٰذا وہ ناقابل قبول ٹھہریں گے۔

اعمال کی قبولیت کی دوسری بنیادی شرط 'الاتباع' ہے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی۔ جو عمل بھی کیا جائے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے کیا جائے۔ انسان اللہ رب العزت کی عبادت کے نئے طریقے ایجاد نہیں کر سکتا؛ اللہ کی عبادت کے مقبول ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی طریقے سے کی جائے جو اللہ رب العزت کو پسند ہے کیونکہ اللہ بہتر جانتے ہیں؛ لہٰذا یہ اللہ کے اوپر چھوڑنا چاہیے کہ وہ بتائے کہ اس کی عبادت کیسے کی جائے؛ وہی تو ہے جو عبادت کا مطالبہ کرتا ہے تو عبادت ہونی بھی اسی کے طریقے سے چاہیے؛

پھر اللہ رب العزت ایک اور تمثیل بیان فرماتے ہیں:

﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ (سورة الفرقان: ۲۳)

''اور انہوں نے (دنیا میں) جو عمل کیے ہیں، ہم ان کا فیصلہ کرنے پر آئیں گے تو انہیں فضا میں بکھرے ہوئے گرد و غبار (کی طرح بے قیمت) بنا دیں گے۔''

هَبَآءً مَّنثُورًا کیا ہے ؟

ھباء کیا ہے؟ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے ھباء کی تعریف بیان فرمائی کہ اگر آپ کسی تاریک یا نیم تاریک کمرے میں ہوں اور اس کمرے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی ہو جس سے روشنی اندر داخل ہوتی ہو تو آپ اس روشنی کی لکیر میں ہوا میں تیرتے ہوئے ننھے ننھے ذرات کو دیکھ سکتے ہیں؛ یہ ننھے ننھے ذرات ھباء کہلاتے ہیں؛ تو ان کے تمام اعمال اس ھباء کی مانند ہو جائیں گے اور منثور کا معنی ہے بکھرے ہوئے۔ وہ اپنے اعمال کو اکٹھا کرنا چاہیں گے مگر وہ فضا میں بکھرتے چلے جائیں گے؛ ہاتھ میں کچھ نہ آئے گا۔

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا○الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا○أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا○ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا○﴾ (سورة الکھف: ۱۰۳-۱۰۶)

”آپ کہیے: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی، اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے مالک کی آیتوں کا اور اس کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا، اس لیے ان کا سارا کیا دھرا غارت ہو گیا۔ چنانچہ قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے۔ یہ ہے جہنم کی شکل میں ان کی سزا! کیونکہ انہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی اور میری آیتوں اور میرے پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔“

کون ہیں یہ لوگ جو خسارے میں ہیں؟ اسلام ہمارے سامنے محض تصورات ہی نہیں پیش کرتا بلکہ ان کی تعریف بھی ہمیں دیتا ہے۔ مثلاً خوشی کے تصور کی ایک اسلامی تشریح ہے، اسی طرح نقصان اور تکلیف کے لیے بھی اسلام ایک طرزِ فکر دیتا ہے، نیز اچھے اور برے کی تمیز و تعریف بھی اسلام بیان کرتا ہے؛ البتہ ہمیں اپنے ذہن میں بنے تصورات کی خود ساختہ یا معاشرے میں رائج تعریف کو اسلام کی بیان کردہ تعریف سے ہم آہنگ کرنا ہوتا ہے کہ بسا اوقات یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں نقصان ہوا، خسارہ ہوا تو ممکن ہے کہ ہم کسی کھیل میں ہارنے یا تجارت میں لگا پیسہ ضائع ہو جانے کو نقصان تصور کر رہے ہوں...... جب کہ اسلام اسے خسارہ نہیں کہتا اور اللہ ہمیں بتاتے ہیں کہ اصل اور سب سے بڑا خسارہ کیا ہے۔ سب سے بڑا خسارہ یہ ہے کہ انسان جن اعمال کو اچھا سمجھ کر ساری زندگی اس پر کاربند رہے وہ باطل ثابت ہوں؛ انسان اپنے اعمال کا وزن کروا کر اس کی جزا وصول کرنے آئے مگر اس کے تمام اعمال بے وزن نکلیں۔

۳. التخاصم: قیامت کے دن ہونے والی بحث و تکرار

قیامت کے دن کیفیت کے اعتبار سے کفار کی تیسری قسم

مصنف نے چار قسم کے تنازعات بیان کیے ہیں:

۱. العباد والمعبودین: بندوں اور ان کے معبودوں کے درمیان نزاع
۲. الاتباع و المتبوعین: پیروکاروں اور جن کی وہ پیروی کرتے تھے کے مابین تکرار
۳. الانسان و قرینه: انسان اور اس کے قرین کے مابین نزاع۔ قرین وہ شیطان ہے جو ہر انسان کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔
۴. الانسان و اعضائه: انسان اور اس کے اپنے اعضائے جسم کے مابین جھگڑا۔

ان نزاعات کی تفصیل آئندہ ان شاء اللہ!

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی صحبه وسلم

بقیہ: امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخندزادہ حفظہ اللہ کا پیغام

غریبوں کی مدد

افغانستان کے صاحب ثروت اور امیر لوگوں سے کہتا ہوں کہ ان مبارک ایام میں نادار اور غریب افغان شہریوں کو یاد رکھیں۔ یہ ہماری بھائی ہیں۔ ان سے تعاون ہمارا فریضہ ہے۔ سب اپنے وسائل اور بساط کے مطابق غریبوں کی مدد کریں۔

آخر میں ایک بار پھر آپ سب کو عید الفطر کی مبارک باد دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہر طرح کی آفات سے محفوظ فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کامیاب و کامران رکھے۔ والسلام

امیر المومنین شیخ القرآن والحدیث مولوی ہبۃ اللہ

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ

بقیہ: إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ

یا اللہ! جو مجاہدین صہیونی فساد کے خلاف بر سرِ پیکار ہیں، فلسطین کے اندر یا اس سے باہر، ان کی مدد فرما، ان کے نشانے ٹھیک ٹھیک بٹھا، اور انہیں امت مظلومہ کے سینوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ بنا۔ اللہ سے دعا ہے کہ صہیونی غلام فوج کے خلاف لڑنے والے مجاہدین کی مدد و نصرت فرمائے، انہیں توفیق دے کہ اس غلام فوج کا شر اہل ایمان سے دور کر دیں تاکہ زمین پر اللہ کا دین غالب ہونے کا راستہ ہموار ہو سکے...... یا اللہ! ہماری مدد فرما، رہنمائی فرما، دشمنانِ امت کے خلاف قتال میں ہمیں استعمال فرما اور اپنی رضا اور امت مسلمہ کی نصرت و بیداری میں ہمارا خون قبول فرما، آمین یا رب العالمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين!

مُجاهد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

تالیف: أبو البــراء الإبّـي

وجہ نمبر: ستائیــس (27)

یہ تحریر تنظیم قاعدۃ الجہاد فی جزیرۃ العرب سے وابستہ یمن کے ایک مجاہد لکھاری ابو البراء الإبی کی تالیف 'تبصرة الساجد في أسباب انتكاسة المجاهد' کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

ستائیسویں وجہ: اوروں پر تنقید میں منہمک رہنا

ایسے فرد کو تم دیکھو گے کہ وہ ہمیشہ تلملا رہا ہوتا ہے، کہ فلاں ڈرائیونگ صحیح نہیں کرتا، فلاں کو جماعت نہیں چلانی آتی، فلاں میں فلاں کام کے لیے امیر بننے کی قابلیت نہیں، فلاں کھانا صحیح نہیں پکا سکتا، فلاں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ فلاں جگہ پر ہو...... وغیرہ وغیرہ۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے لوگوں کو بیان کرتے ہوئے کہا، جب ان میں سے ایک گروہ مسجد میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا:

> ”یہ لوگ عبادت سے اکتا گئے ہیں اور انہیں نظر آیا کہ باتیں کرنا آسان ہے۔ یہ پرہیز گار بھی نہ تھے اس لیے بیٹھے باتیں کرنے۔“

ولید بن مزید فرماتے ہیں کہ میں نے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا:

> ”مومن بولتا کم ہے، کام زیادہ کرتا ہے۔ جبکہ منافق بولتا بہت ہے اور کام کم کرتا ہے۔“

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”کوئی ایسا شریف انسان، عالم اور فاضل نہیں ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو۔ لیکن ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا عیب نہیں ذکر کرنا چاہیے۔ جس کی فضیلت اس کی کمی سے زیادہ ہو تو ایسے شخص کی کمی کو اس کی فضیلت میں گم کر دیا جاتا ہے۔“

امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”تم اپنے بھائی پر ظلم کرو گے اگر تم اس کے بارے میں وہ بات کرو جو تم اس میں سب سے بری جانتے ہو جبکہ اس کی نیکیوں پر خاموش رہو۔“

نسابہ بکری نے رؤبہ بن عجاج سے کہا: مروت کے دشمن کون ہیں؟ کہا: ”برائی کے چچازاد، اگر اچھا دیکھیں تو چھپا لیں، اور جب برا دیکھیں تو پھیلا دیں۔“

ابن زنجی بغدادی نے [شعر] کہا:

> ”لوگوں میں پھرتے ہیں اور ایسے شخص میں عیب ڈھونڈتے ہیں جس میں عیب نہیں تاکہ بدنما ظاہر ہو۔
>
> اگر نیکی معلوم ہوئی تو اسے چھپا لیتے ہیں اور اگر برائی معلوم ہوئی تو پھیلا دیتے ہیں اور اگر کچھ نہ جانیں تو جھوٹ باندھتے ہیں۔“

اس مرض کی علامات میں سے ایک مبالغہ آرائی اور بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا ہے۔ دوسروں کی چھوٹی غلطیوں کو ڈھونڈنے کے لیے خوردبین استعمال کرتے ہیں۔

متقی خاموش طبع بندہ اپنے آپ کو چھوڑ کر لوگوں کے گناہوں کے پیچھے نہیں پڑا رہتا۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> يبصر أحدكم القذاة في عين أخيه وينسى الجذع أو الجدل في عينه معترضا (صحيح الالبانى)
>
> ”تم میں سے ایسے افراد بھی ہیں جسے اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا تو نظر آتا ہے لیکن اپنی آنکھ کے سامنے آڑے پڑا تنایارسی بھول جاتا ہے۔“

[اسی مطلب میں شعر ہے]:

> اگر تم سے غلطی ہو جائے تو عذر تلاش کر لیتے ہو۔ جبکہ دوسرے کا اگر عذر ہو بھی تو اسے عذر نہیں دیتے۔ اس کی آنکھ میں تنکا تو تمہیں نظر آتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔

جیسا کہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس قول میں ان کا بیان کر رہے ہیں:

"ایک عجیب یہ ہے کہ انسان کے لیے حرام کھانے، ظلم، زنا، چوری، شراب خوری، حرام نظر وغیرہ سے بچنا آسان ہوتا ہے۔ لیکن اپنی زبان کو حرکت دینے سے باز رہنا مشکل ہوتا ہے۔ یہاں تک ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص اپنے دین، زہد اور عبادت سے مشہور ہوتا ہے اس سے بھی ایسے الفاظ نکلتے ہیں جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے لیکن اسے احساس تک نہیں ہوتا۔ جس کے ایک لفظ کے بعد وہ مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ سے زیادہ دور گر جاتا ہے۔

کتنے ایسے مرد ہوتے ہیں جو فحش اور ظلم سے پرہیز کرتے ہیں لیکن وہ زندوں اور مردوں کی عزت کو اپنی زبان سے پامال کرتے ہیں اور انہیں پروا بھی نہیں ہوتی۔"

منافقوں نے ویسے ہی کہا جیسا کہ قرآن میں ذکر ہوا:

لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا (آل عمران: ۱۶۸)
"اگر ہمارا کہا مانتے تو قتل نہ ہوتے۔"

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا (آل عمران: ۱۵۴)
"ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کیے جاتے۔"

ظاہر ہے جو کام ہی نہ کرے اس سے کام میں غلطی بھی نہ ہو گی۔ اور اگر کر لے تو کہہ سکتا ہے کہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو ایسا نہ ہوتا۔ لیکن جو کام کرتا ہے ممکن ہے کہ کبھی کبھار اپنی سوچ لڑائے اور غلطی ہو جائے۔ لیکن کام کرنے والے کی غلطی اس سے بہتر ہے جو بیٹھا کچھ نہیں کر رہا۔ جو انسان ہمت کر کے کوئی کام کرے جس میں کچھ غلطی کا امکان ہو وہ اس سے بہتر ہے جو سرے سے کوئی کام ہی نہیں کرتا۔ نہ اچھا نہ برا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں نے مدینے میں ایسے لوگ دیکھے تھے جن میں عیب نہ تھے۔ تو انہوں نے دیگر لوگوں کے عیب ڈھونڈنا شروع کیے تو لوگوں نے ان کے عیب ذکر کرنا شروع کیے۔ اور ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جن میں عیب تھے لیکن وہ دوسروں کے عیب کے بارے میں چپ رہے تو لوگ بھی ان کے عیب کے بارے میں چپ رہے۔"

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے مفتاح دار السعادہ میں لکھا ہے:

"شریعت کا اور حکمت کا بھی قاعدہ ہے کہ جس کی نیکیاں زیادہ اور بڑی ہوں، اور اس کا دین میں واضح وزن بھی ہو اس کے بارے میں وہ برداشت کیا جاتا ہے جو اوروں کے بارے میں نہیں برداشت کیا جاتا۔ کیونکہ گناہ ناپاکی کی طرح ہے جب زیادہ پانی میں ناپاکی گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ برعکس تھوڑے پانی کے کہ جس میں معمولی سی ناپاکی گر جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔

اس حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا فرمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تھا:

'تمہیں کیا علم، ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو اپنی خصوصی نظر و کرم و مغفرت سے نواز رکھا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: تم جو چاہو کرو، میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے'۔

یہی وجہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے آپ پر اور مسلمانوں پر جاسوسی کرنے والے اور اتنا عظیم جرم کا ارتکاب کرنے والے کو قتل نہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اہل بدر میں سے ہیں۔ سمجھ یہ آئی کہ سزا کا سبب موجود ہے لیکن اس لیے واقع نہ ہوئی کہ اتنا عظیم واقعہ کے سبب جو ان کی منزلت ٹھہری۔ اس لیے یہ عظیم غلطی ان کی نیکیوں کے سامنے معاف کر دی گئی۔

جب نبی اکرم ﷺ نے صدقہ پر ابھارا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عظیم صدقہ عطا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عثمان کو اس کے بعد کوئی عمل نقصان نہ پہنچائے گا۔ اسی طرح جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی کمر نیچے کی تاکہ آپ ﷺ اس کے سہارے پر پتھر تک چڑھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: طلحہ کے لیے جنت واجب ہوئی۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جو رب رحمان سے ہم کلام ہوئے۔ انہوں نے ان تختیوں کو زمین پر پھینکا جس پر اللہ نے اپنا کلام لکھا تھا کہ وہ ٹوٹ گئیں۔ موت کے فرشتے کی آنکھ کو مارا کہ اسے پھوڑ دیا۔ اسراء کی رات کو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اپنے رب سے گلہ کیا کہ میرے بعد ایک جوان کو بھیجا اور اس کی امت میں سے جنت میں داخل ہونے والے میری امت میں سے داخل ہونے والوں سے زیادہ ہوں گے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی کو پکڑ کر کھینچا حالانکہ وہ اللہ کے نبی تھے۔ اور اس سب کے باوجود ان کے رب کے یہاں ان کی منزلت کچھ کم نہ ہوئی۔ اور رب تعالیٰ انہیں عزت بخشتے ہیں اور انہیں پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کام کیا،

وہ دشمن جس کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے، وہ صبر جو انہوں نے کیا، وہ اذیت جو انہیں اللہ کے راہ میں ملی، اس کے سامنے یہ باتیں بے اثر تھیں۔ ان سے ان کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ یہ بات لوگ جانتے بھی ہیں اور ان کی فطرتوں میں پیوست ہے، کہ جس کی ہزاروں نیکیاں ہوں اسے ایک دو برائیوں پر معاف کیا جاتا ہے۔ برائی پر سزا دینے کا داعیہ اور اس کے احسان پر شکریہ ادا کرنے کا داعیہ آپس میں گھٹتے بڑھتے ہیں اور آخر کار شکر ادا کرنے کا داعیہ سزا کے داعیہ پر غالب آجاتا ہے۔“

ایسے افراد کی تنقید اللہ کی خاطر نہیں ہوتی بلکہ ان کے نفس کے خواہشات کے سبب ہوتی ہے۔ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’الکامل‘ میں خلیفۂ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعات ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”عمر بن الحمق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سینے پر چڑھا جب کہ حضرت عثمان میں ابھی روح باقی تھی اور انہیں نو دفعہ خنجر گھونپا۔ اور کہا: ان میں سے تین میں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر گھونپے، جبکہ چھ میرے دل میں ان کے لیے بغض کے سبب تھے۔ اس نے چاہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سر قلم کر دے تو حضرت نائلہ اور ام البنین رضی اللہ عنہما ان کے جسد پر گر پڑیں اور صدائیں دیں۔ تب جا کر ابن عدیس نے کہا: انہیں چھوڑ دو! تب بھی عمیر بن ضابئ آیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چھلانگ ماری جس سے ان کی ایک پسلی ٹوٹ گئی۔“

شیخ محمد احمد الراشد حفظہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اسلام کے دشمن ہمیشہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جماعت کا سر کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تنظیموں کی پسلیاں توڑنا چاہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں (اللہ تعالیٰ کی خاطر) جیسے کہ ابن الحمق نے کہا۔ اس (اللہ تعالیٰ کی خاطر کے) نعرہ کے سبب ابھی قریب ہی میں ہزاروں نوجوان ضائع ہو گئے، اور بے شمار لوگوں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ راز افشا ہوئے اور جیلیں بھر گئیں۔ جبکہ اگر وہ سچ کہیں تو ابن الحمق کی طرح بعد میں کہیں گے: چھ سینے میں بغض کے سبب۔“

[اے اللہ! راقم و مترجم و مرتّب اور قاری سبھی کو ایسے گناؤنے عیوب سے پاک فرما دے اور ان کی مغفرت کر دے اور جہاد و استشہاد کی راہ پر تادم آخریں اپنے فضل سے قائم فرما! (مدیر)]

☆☆☆☆☆

ماہِ شوال و ذوالقعدہ میں پیش آنے والے تاریخی واقعات

- شوال ۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا۔
- شوال ۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی۔
- شوال ۸ھ میں غزوۂ حنین ہوا۔
- ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی۔
- شوال میں حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ شہید ہوئے۔
- ذوالقعدہ ۵ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا۔
- ۸ ذوالقعدہ کو مسلمانوں پر حج فرض ہوا۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں پانچ عمرے ادا کیے، جن میں سے چار ماہِ ذوالقعدہ میں تھے۔
- ۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ میں معرکہ بالاکوٹ پیش آیا۔ جس میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے رفقاء سمیت شہید ہو گئے۔
- ذوالقعدہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دینے کے لیے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا۔
- ذوالقعدہ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے بیت اللہ کی بنیاد رکھی۔

سورۃ الانفال

خواطر، نصائح اور تفسیر

شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام علىٰ سيد الانبياء والمرسلين محمد و علىٰ آله و صحبه و ذريته اجمعين اما بعد

فقد قال الله سبحانه وتعالىٰ فى كتابه المجيد بعد أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمان الرحيم

﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝﴾ (سورۃ الانفال:۱۹)

صدق الله مولانا العظيم

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ، وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ، وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ، يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ

کل کی آیات مبارکہ کے ذیل میں ہم نے یہ بات پڑھی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو مومن سے عاجزی اور تواضع مطلوب ہے اور بالخصوص رب کے راستے میں جہاد کرنے والوں سے کہ وہ ہر حال میں اللہ کے سامنے جھکتے رہیں اور اپنا چھوٹا پن، اپنی کمزوریاں اور اپنے گناہ جو ہیں وہ اپنی نگاہ میں رکھیں۔

یہاں مومنین کی صفت کے برعکس ان آیات میں اللہ تعالیٰ کافروں کا حال بیان فرماتے ہیں اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا اگر تم اللہ سے فیصلہ مانگتے ہو یا اللہ سے فیصلہ مانگ رہے تھے فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ تو فیصلہ آ گیا۔ اللہ سے فیصلہ مانگنے سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد، سورۃ انفال ہی میں جس کی طرف اشارہ آتا ہے یا بدر کے پس منظر میں بات کریں تو اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ جنگ پہ نکلنے سے قبل ابو جہل جاتا ہے اور جا کے کعبہ کے پردے پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ جو گروہ حق پہ ہے تو اس کی مدد فرما۔ تو اس حد تک تکبر اور اکڑ میں آگے ہونا کہ صریح شرک اور کفر پہ کھڑا ہے اور پہچانتا ہے کہ کفر پر کھڑا ہے، اس طرح نہیں ہے کہ حسن نیت سے بات کی جا رہی ہے، جانتا ہے کہ کفر پہ کھڑا ہے لیکن یہ اعتماد یا over confidence ہے کفر کے معاملے میں اور بات تکبر میں اس حد تک آگے گئی ہوئی ہے کہ سورہ انفال ہی میں اللہ آگے فرماتے ہیں کہ کافروں نے کہا:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ اگر تیری طرف سے حق بات یہی ہے یعنی یہ جو کتاب اتری ہے، یہ جو رسول اکرم ﷺ ہیں، یہ اگر حق پہ ہیں تو آگے دعا کیا ہونی چاہیے؟ دعا تو یہ ہونی چاہیے کہ ہمیں اسے سمجھنے کی توفیق دیں، ہمارا سینہ اس کے لیے کھول دیں، ہم پہ اسے واضح کر دیں.....؛ مگر ان کی دعا کیا تھی؟ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ آسمان سے ہمارے اوپر پتھر برسا دیں اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ یا دردناک عذاب ہمارے اوپر نازل فرما۔ تو یہ وہ تکبر اور غرور کا درجہ ہے۔ وہ اس بات کو یوں پیش کرتے تھے۔ اس دعا کا بھی کیا مطلب تھا کہ نہیں ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ وہ حق پہ نہیں ہیں اور ہم حق پہ کھڑے ہیں اور اسی لیے ہم یہ دعا کر رہے ہیں۔ تو یہ کیفیتوں کا فرق ہے۔ مومن کا حال قرآن یہ بتاتا ہے کہ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا کہ مومن کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ جو بھی نیک اعمال کرے یا اللہ کے راستے میں جو کچھ بھی دے، دینے کے بعد اس کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ان کے دل اس کے بعد بھی کانپ رہے ہوتے ہیں کہ انہوں نے لوٹ کے اللہ کے پاس جانا ہے۔ کانپ اس لیے رہے ہوتے ہیں کہ پتا نہیں اللہ کے ہاں قبول ہوا بھی کہ نہیں، پتا نہیں اس میں ریا کتنی شامل تھی، پتا نہیں منافقت کا کتنا دخل تھا، پتا نہیں نیت کے اندر کیا کچھ درمیان میں شامل ہوا، پتا نہیں یہ سنت کے مطابق کما حقہ فعل ہو سکا کہ نہیں ہو سکا۔ مومن بڑے بڑے پہاڑ جیسے اعمال کرتا ہے پھر بھی اللہ کے سامنے جھکا رہتا ہے، پھر بھی دل کانپتا رہتا ہے اور پھر بھی زبان سے بڑا بول بولنے سے ڈرتا ہے۔ کافر کا حال اس کے بالکل برعکس ہے کہ کفر پہ کھڑا ہے، اللہ کے نبی ﷺ سے لڑنے کے لیے نکل رہا ہے، صحابہؓ کے خلاف قتال کرنے جا رہا ہے اور اللہ سے دعا کر رہا ہے کہ ہم اگر حق پہ ہیں تو ہماری مدد فرما!

یہاں سے ایک پوری نفسیات کا فرق ہے کہ جو واضح ہوتا ہے اور اسی کی روشنی میں قرآن کے تبصرے عمومی تبصرے ہوتے ہیں جو کسی واقعے کے ساتھ خاص نہیں ہوتے ہیں بالعموم۔ بیشتر اس کے تبصرے ایسے ہیں کہ جو تا قیامت رہنمائی فراہم کرتے ہیں؛ وہی سورتیں ہیں اور گہرے تبصرے ہیں، سطحی تبصرے نہیں ہوتے ہیں۔ اس رب کے تبصرے ہوتے ہیں کہ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ، کہ کیا وہی نہ جانے گا کہ جس نے تمہیں پیدا کیا! جس نے تمہاری تخلیق کی! اور وہ باریک بین باخبر ہے۔ وہ گہرائیوں میں ہمارے دلوں کی اٹھنے والے وسوسوں تک کو جانتا ہے۔ وہ ہماری نفسیات کو جانتا ہے۔ وہ انسان کی طبیعت کو جانتا ہے کیونکہ انسان اس کی مخلوق ہے۔ وہ اپنی کائنات کو جانتا ہے۔ تو اس کے تبصرے ایسے ہیں کہ جو تا قیامت، دلوں کے اندر جو کچھ آنا ہے، گہرائیوں کے اندر کفار کی نفسیات میں جو کچھ پیوست ہے یا اہل ایمان کے سینوں میں جو کچھ آ رہا ہے وہ سب کے اوپر ایک تبصرہ ہوتا ہے۔ تو اس لیے ان تبصروں کی روشنی میں پیارے بھائیو! یہ صرف ماضی کے ابو جہل پہ تبصرہ نہیں ہے، یہ آج کے بھی ابو جہل پہ یا آج کے بھی فراعنہ پہ تبصرہ ہے۔

قرآن مثال دیتا ہے کہ فرعون اپنی قوم کو مخاطب کرتا ہے تو عجیب انداز ہے کہ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى ،(اپنی قوم سے کہہ رہا ہے کہ) میں تمہیں وہی راستہ دکھا رہا ہوں، میں تم سے وہی بات کر رہا ہوں جو میں حقیقتاً سمجھتا ہوں۔ یعنی اپنی دل کی صفائی پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ اسی میں میں تمہارا بھلا سمجھتا ہوں، اسی لیے یہ بات کر رہا ہوں وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ اور میں تمہیں سیدھے راستے کی طرف، جو میرے نزدیک سب سے بہترین راستہ ہے اس کی طرف ہی، جو بہترین اقدار ہو سکتی ہیں اور بہترین لائحہ عمل ہو سکتا ہے اسی طرف تمہاری رہنمائی کر رہا ہوں۔

تو آپ کو بو آتی ہے ان کے اندر سے ۔ آج کے فرعونوں کے جملے وہی ہیں۔ یعنی حتیٰ کہ اسی طرح فرعون کا جملہ قرآن کہتا ہے کہ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ کہ یہ چھوٹا سا ایک شرذمہ ہے، ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔ چند لوگ ہیں مٹھی بھر جو کھڑے ہوگئے۔ یہ جملہ اسی طرح ملک عبداللہ دہراتا ہے، پاکستان آکر کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہ چھوٹا سا شرذمة من الارهابيين چھوٹا سا گروہ ہے دہشت گردوں کا کہ جو تھوڑا سا تنگ کر رہا ہے۔ اور اسی طرح کہ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ہم سب کے سب alert ہیں۔ ہم سب کے سب، وہ جو امریکہ ہر چوتھے دن کہتا ہے کہ ہر وقت خطرے کی حالت میں ہیں، alert کر دیا گیا ہے؛ تو یہ چند لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہمیں غصہ دلایا ہوا ہے؛ یہ ہماری اقدار کے دشمن ہیں؛ یہ ہمارے طریق زندگی کے دشمن ہیں؛ یہ بھی قرآن، فرعون کے جملے بتاتا ہے کہ وہ دو اللہ کے بندے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ آتے ہیں اور آ کے دربار میں چند باتیں کرتے ہیں۔ کچھ بھی قوت نہیں ہے، کچھ بھی طاقت نہیں ہے ان کے پاس۔ مگر فرعون کہتا ہے کہ یہ ہمارا طریق زندگی بدلنا چاہتے ہیں! فرعون کہتا ہے کہ یہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال باہر کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی عجیب بات ہے کہ تمہارے پاس لشکر ہیں، تمہارے پاس پوری قوت اور طاقت ہے اور دو بندے آئے اور تم کہہ رہے ہو قوم کو کہ یہ تمہیں تمہاری زمین سے باہر نکال دینا چاہتے ہیں! تو جملے آج تک فراعنہ کے وہی ہوتے ہیں، طواغیت کے جملے وہی ہیں اور آج اہل ایمان کو بھی قرآن کی روشنی میں دیکھیں تو وہی سارا قصہ ہے، وہی سارا اسلوب ہے وہی ساری سیرتیں ہیں کہ جو دہرائی جا رہی ہیں۔

تو یہاں بھی دیکھنے کی بات ہے کہ امریکہ آپ کو اسی تکبر اور اکڑ کے ساتھ دعوے کرتا نظر آتا ہے۔ وہ اپنی عوام کے سامنے اور دنیا کے سامنے یوں بات کرتے ہیں کہ نا صرف امریکہ حقیقت ہے بلکہ امریکہ کی اقدار کا حق ہونا بھی دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے اور مسلمانوں کا جرم ہی یہی ہے یا مجاہدین کا جرم ہی یہی ہے کہ انہوں نے ان کی اس حق اقدار کو غلط سمجھا اور ان کے خلاف قتال کرنے کو نکل آئے۔

تو عجیب بات ہے وہ اس اعتماد کے ساتھ بات کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ تو ہیں ہی ہیں، وہ تو مسلّم بات ہے کہ وہ حق کے اوپر ہیں یہ پتا نہیں درمیان میں کہاں سے آ گئے اور کوئی اور بات انہوں نے شروع کر دی اور ہمارے اس نظام کے لیے خطرہ برپا کر دیا۔ یہی اکڑ یہی تکبر، یہ اوباما کی پہلی تقریر جس نے سنی ہو اس کے لفظ لفظ اور جملے جملے قرآن کے تبصروں والے نظر آئیں گے کہ محسوس ہوتا ہے کہ بالکل یہی پیغام ہے جو وہ convey کرتا ہے اپنی عوام کو۔

اسی طرح پاکستان کو دیکھیے۔ پاکستان کی فوج دس سال سے امریکہ کی گود میں بیٹھی ہے؛ کم از کم دس سال سے! پیچھے کی تاریخ میں جائیں تو سن اکاون باون میں یہ شامل ہو گئے تھے سیٹو، سنٹو میں اور امریکہ کی گود میں اس وقت سے بیٹھے ہوئے ہیں؛ لیکن کم از کم پچھلے دس سال سے تو بالکل صریح اور عیاں ہے کہ کافروں کا ساتھ دے رہے ہیں مسلمانوں کے خلاف۔ اس کے بعد جب بھی آپ ان کے اطہر عباس (آئی ایس آئی چیف) کا بیان سنیں، ان کے کور کمانڈر پشاور کا بیان سنیں، کیانی (آرمی چیف) کا بیان سنیں، تو (وہ یہ کہتے سنائی دیں گے کہ) انشاءاللہ ہم نے فلاں جگہ سے دہشت گردوں کا صفایا کر دیا اور الحمدللہ ہم نے ان کی کمر توڑ دی اور اللہ کے فضل واحسان سے ہم اگلا......، یعنی گویا وہ کوئی بڑا نیک کام کرنے چلے ہیں۔ علماء کہتے ہیں کہ کوئی شخص شراب پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھے تو کافر ہو جاتا ہے، اس لیے کہ وہ اللہ کے ساتھ گستاخی کر رہا ہے کہ وہ ایک حرام کام کے آغاز سے پہلے اللہ کا نام (لیتا ہے)، گویا اللہ سے استہزاء کر رہا ہے۔ ایک فوج جو ہے اس کی قیادت اللہ سے لڑنے نکلی ہے، اسلامی امارت کو گرانے نکلی ہے، اس کے پاس دنیا بھر سے سمٹ کر آئے ہوئے مہاجرین مجاہدین سے لڑنے نکلی ہے اور پھر وہ کہے کہ انشاءاللہ ہم یہ کریں گے، انشاءاللہ ہم ان کو ماریں گے، انشاءاللہ ہم ان کی کمر توڑیں گے اور الحمدللہ ہم نے یہ کر دیا...... یہ اللہ کے ساتھ مذاق کر رہے ہیں؟ یہ کیا کھیل کھیل رہے ہیں؟

تو یہ اعتماد جو آپ کو نظر آتا ہے آپ کو لگتا ہے اس کا بیان سن کر کہ وہ اپنے آپ کو بالکل حق پہ سمجھتا ہے۔ حالانکہ اس کو پتا ہے، اس مجرم کو پتا ہے، ان جرنیلوں کو پتہ ہے کہ وہ کس کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان کو تنخواہ وہاں سے ملتی ہے، ان کی postings (تبادلے) وہاں سے ہوتی ہیں، ان کی ترقی ان کے فیصلوں پہ کھڑی ہے۔ یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی بات ہے کہ وہ جانتے نہیں کہ وہ کس کے لیے کام کر رہے ہیں ۔ ان کو بخوبی پتہ ہے لیکن دوسروں کے سامنے......! یہ تکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ جب دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں تو پھر اندر سے یہ کفر سامنے آتا ہے۔ دوسروں کے سامنے وہ اپنے آپ کو اتنا معصوم ہی پیش کرتے ہیں۔ چھ ستمبر کے show اٹھا کے دیکھ لیں تو وہ اپنے شہداء کا تذکرہ کرتے ہیں، کون سے شہداء؟ جو ادھر مردار ہوئے وزیرستان میں، جو مردار ہوئے سوات میں شریعت کا نام لینے والوں کے خلاف؛ ان کو ایسے شہید کے طور پہ پیش کر رہے ہوتے ہیں! اب تو عرصہ ہو گیا پاکستان کی فوج نے ہندوستان سے، کسی کافر سے لڑائی نہیں لڑی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ جو کافر سے لڑائی ہے وہ دینی نیت سے ہوتی ہے یا وطنی جذبے سے ہوتی ہے لیکن چلیں اس میں کسی عام فوجی کے لیے گنجائش نکلتی ہو، راستہ نکلتا ہو کہ پاکیزہ نیت سے لڑا ہو۔ آخری جنگ کارگل کی جنگ تھی۔ باقی جو پینسٹھ، اکہتر والی

نسل ہے وہ تقریباً ختم ہو چکی ہے باقی نہیں بچی۔ تو اب وہ چھ ستمبر کو کس چیز کا رونا روئیں گے یا وہ کس چیز کی بات کریں گے کہ ہم نے کیا کیا تھا! کارگل کی جنگ میں تو مار پڑی تھی اس میں تو دکھانے کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ وہ جو واحد کامیابی جو دکھا سکتے ہیں وہ سوات آپریشن، وزیرستان آپریشن، باجوڑ آپریشن اور مہمند آپریشن ہیں۔ تو یہی وہ آپریشن ہیں کہ جن کا وہ ذکر کر سکتے ہیں اسی لیے ایک آرہا ہو گا اس کی ٹانگیں کٹی ہوں گی، کہاں؟ جنوبی وزیرستان میں مائن پھٹنے سے۔ دوسرا ہو گا اس کے ہاتھ ضائع ہوئے ہوں گے سوات میں کچھ کرتے ہوئے۔ ایک آرہا ہو گا اس کا کوئی بھائی مارا گیا ہو گا یہاں کچھ کرتے کرتے۔ تو یہ وہ شہداء اور زخمی ہیں جن کے لیے وہ سٹیج سجا ہوا ہے اور پیچھے بیٹھ کے آنسو بہائے جا رہے ہیں، ہلکی ہلکی موسیقی کی دھنوں کے ساتھ اور ہلکی سی تاریکی کر کے ایک رونے والا ماحول بنایا جاتا ہے اور اس میں بیٹھ کے وہ شیعوں کی طرح ماتم ہوتا ہے اور وہ آنکھوں سے آنسوں بہا کے، اپنے شہداء کو خراجِ عقیدت پیش کر کے وہاں سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ تمہیں کیا پتہ کہ شہید کیا ہوتا ہے! تم کیا جانو! تمہیں تو شہید کی تعریف ہی نہیں معلوم؟ اور ترس آتا ہے وہاں بیٹھنے والوں پر۔ یہ بات صرف غصّے اور غیض کی نہیں ہے۔ ترس آتا ہے ان والدین پر جن کے بچے اس جنگ کے اندر مارے گئے اور وہ وہاں کھڑے ہو کے آنسو بہاتے بہاتے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ہمارا بچہ شہید ہو گیا۔ کیسے شہید ہو گیا؟ یعنی اس ماں کو دیکھ کے دکھ ہوتا ہے، اس باپ کو دیکھ کے دکھ ہوتا ہے کہ جو اس کو جہاد سمجھ رہی ہے۔ جس کو یہ باور کرایا ہے اس فوج کی قیادت نے کہ کوئی ڈھنگ کا کام ہے جس میں یہ بچے مارے گئے۔ حالانکہ وہ جہنم کا ایندھن بننے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ تو دیکھ کے دکھ ہوتا ہے کہ کاش کسی طرح اس کو سمجھا سکیں کہ یہ جہاد نہیں ہے، یہ فساد ہے اور اللہ کے دین سے دشمنی ہے اور اس کا انجام جہنم ہے لیکن یہی والا اعتماد وہاں نظر آرہا ہوتا ہے کہ اللہ سے وہاں کھڑے ہو کر فیصلے بھی مانگے جا رہے ہوتے ہیں اور انشاء اللہ اللہ ہماری مدد کرے گا اور ہمارے شہداء اور ہمارے شہداء...... حالانکہ خالص کفر کی راہ ہے جس کے اندر کوئی شک وشبہے کی بات نہیں۔

تو پیارے بھائیو! یہ وہ نفسیات کا فرق ہے۔ الحمدللہ آپ کو مجاہدین کی صفوں سے ایسے دعوے کبھی نہیں ملیں گے اور مجاہدین میں جو بندہ واقعتاً اللہ کے راستے میں جہاد کر رہا ہوتا ہے تو وہ ڈرتے ڈرتے اور جھکتے جھکتے اللہ سے یہی مانگتا ہے کہ اللہ حسنِ خاتمہ دے دیں، اللہ ایمان پہ موت دے دیں، اللہ اس جہاد کی ٹوٹی پھوٹی کوشش قبول کر لیں۔ حالانکہ ان شاء اللہ اس میں کوئی ادنیٰ سا بھی شک شبہ نہیں ہے کہ وہ جس رستے پہ چل رہا ہے، اس سے کوئی کمزوری ہو سکتی ہے اس رستے کا حق ادا کرنے میں لیکن وہ راستہ حق راستہ ہے۔ وہ راستہ دین کا راستہ ہے۔ وہ راستہ جہاد کا راستہ ہے اور وہ فی سبیل اللہ راستہ ہے۔ اس کے باوجود اس کا رویہ یہ نظر آتا ہے اور دوسری طرف کفر کے راستے میں، داڑھیاں منڈھی ہوئی ہیں، نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہے، جرنیلوں کی postings کے لیے وہ جب باہر جاتے ہیں تو شراب ہیں پیے بغیر وہ اپنے وہاں بیٹھے امریکی اور برطانوی آقاؤں کو راضی نہیں کر سکتے۔ مخلوط محفلوں کے اندر جب تک شریک نا ہوں ان کی ترقی نہیں ہوتی ہے۔ بریگیڈیئر سے اوپر بالخصوص جتنے درجات ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ سب کچھ کر کے دکھائیں۔ ان کو مطمئن کریں کہ ہمارا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ تو اس کے بارے میں یہ توقع رکھنا کہ اس کو نہیں پتہ کہ یہ کیا ہے اور واقعتاً یہ بھی اسلام کے کوئی علم بردار ہیں اور یہ بھی ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ کھیل رہے ہیں، تماشے کر رہے ہیں اپنی قوم کے ساتھ جیسے اپنے اپنے وقت کے فرعونوں نے کیا ہے۔

تو اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تم نے اللہ سے فیصلہ مانگا تھا بدر میں آنے سے پہلے فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ تو تمہیں آگیا اللہ کی طرف سے فیصلہ۔ یہ جو تمہارے ستر مارے گئے۔ یہ جو تمہاری لاشیں گریں یہ اللہ کی طرف سے فیصلہ ہے۔ یہ اللہ کا عذاب ہے جو تمہارے اوپر مسلط ہوا۔ تو آنکھیں کھولنے والوں کے لیے آج بھی یہ سارے واقعات موجود ہیں۔ امریکہ کے لیے بھی پیغام موجود ہے، نیٹو کی فوجوں کے لیے بھی پیغام موجود ہے۔ اس ذلت میں جو عراق میں انہیں اٹھانی پڑی، اس ذلت میں جو اس سے پہلے صومالیہ میں انہیں اٹھانی پڑی تھی، اس ذلت میں جو آج افغانستان میں وہ اٹھا رہے ہیں...... عقل ہو، ادنیٰ عقل موجود ہو، ذرا سی بھی آنکھیں کھلی ہوئی ہوں تو سمجھنے کے لیے یہ واقعات کافی ہیں کہ یہ اللہ کا عذاب ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ تم نے اگر اللہ سے فیصلہ مانگا تھا اور اگر تم یہ سمجھتے تھے، جیسے کہ بش نے اعلان کیا تھا، وہ ہمیشہ اپنی تقریروں میں کہتا تھا کہ ہم نیکی کی قوت ہیں جو بدی کی قوت سے لڑنے جا رہے ہیں۔ evil کے خلاف ہماری جنگ ہے۔ اس excess of evil کے خلاف ہماری جنگ ہے۔ تو وہ اس طرح پیش کرتا تھا۔ ان کے جرنیل کہتے ہیں کہ ہم روحانی جنگ لڑ رہے ہیں۔ تو اس روحانی جنگ، اس نیکی کی جنگ پر واقعتاً تمہیں اللہ سے اجر کی امید تھی، اللہ سے فیصلہ چاہیے تھا تو اللہ نے تو فیصلہ فرما دیا۔

اسی طرح ہماری اپنی فوج کے لیے بھی یہی پیغام ہے؛ پیغام، ان واقعات میں! ایک ہے آمنے سامنے کی لڑائی میں، اس میں کبھی کسی کا پلڑا بھاری رہ سکتا ہے کبھی کسی کا۔ لیکن جو کچھ سیاچن گلیشئر میں ابھی ہوا، تو وہ واقعہ کھلی آنکھوں کے ساتھ، جس کو ادنیٰ سی بھی بصیرت ہو اس کو سمجھنا چاہیے کہ اللہ کی طرف سے پکڑ ہے۔ اسی طرح اس سے پہلے جب زلزلہ آیا تو پہاڑ کا ٹوٹ کر ان کے ڈویژنل ہیڈ کوارٹر پر گرنا، کیا اس کے اندر بھی کوئی سبق نہیں تھا۔ جب سیلاب آیا تو مجاہدین کو الحمدللہ نہ زلزلے نے چھوا نہ سیلاب نے ان کو چھوا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجاہدین بہت کوئی اونچی چیز ہیں یا خطاؤں سے پاک ہیں۔ ہم بہت کمزور ہیں۔ اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ سے آئندہ کے لیے بھی عافیت مانگتے ہیں۔ لیکن انشاء اللہ اللہ سے امید ہے کہ اللہ کے راستے میں ہیں، اللہ کی محبت میں نکلے ہیں، اللہ کی رضا کے لیے نکلے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان آفتوں سے بچا کے رکھا ہے۔ جب سیلاب ان پر آیا تو ان کا پورا نوشہرہ کینٹ اس کے اندر ڈوبا۔

ان کا یہاں پر جنوبی وزیرستان کے قریب جو ٹانک کا علاقہ ہے وہاں پر، سیلاب کے اندر ان کی مائنیں اور بہت سا اسلحہ بہتا بہتا چشمہ کے علاقے تک گیا جہاں پاور پلانٹ ہے۔ تو یہ ساری ضربیں ان کو لگیں۔ سوات میں جو انہوں نے عسکری مقاصد سے پُل بنائے تھے وہ سارے بہہ گئے۔ سوات میں ان کو اچھی بھاری ضربیں لگیں۔ ان کے بہت سارے مراکز ڈوب گئے۔ کیا اس میں سے کسی بھی واقعے میں فیصلے نہیں ہیں؟ آنکھیں کھلی ہوں تو! آپ اس کے بعد آئی ایس پی آر کے بیان اٹھاکے دیکھیں تو اس طرح باتیں کر رہے ہوتے ہیں جیسے کہ اس کائنات میں اللہ کا یا کسی خالق کا، کسی مالک، تدبیر چلانے والے کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یوں بات کر رہے ہوتے ہیں کہ یوں ہوا۔ خود بول رہے ہوتے ہیں کہ پہلی مرتبہ ہے پچھلے تیس سال کی تاریخ میں، جب سے سیاچن کھلا ہے کہ اس علاقے میں آکے، اتنا پیچھے آکے کوئی برف کا تودہ گرا ہو۔ کبھی چھوٹا تودہ بھی کہتے تھے کہ وہاں نہیں گرتا تھا۔ وہ ہمیشہ اگلی پوسٹوں پہ ہوتا تھا۔ تو پیچھے جو main ہیڈ کوارٹر ہے اس کے اوپر آکر گرنا اور اس کے بعد مہینے تک تم اس کو ڈھونڈتے رہو اور ایک لاش اس میں سے نہ نکال سکو۔ تو یہ کوئی نشانی ہے اور ایسے موقع پر آکر اس کا گرنا۔ وہ کہتے ہیں کہ صبح کے بعد کہ جب سارے کے سارے اس کے اندر موجود تھے کوئی ایک بھی اس سے باہر نہیں تھا۔ تو نشانیاں اللہ کی طرف سے ہیں اگر آنکھیں کھلی ہوں۔

تو اللہ فرماتے ہیں کہ اگر فیصلہ چاہیے تھا تو فیصلہ تو آگیا وَاِنْ تَنْتَهُوْا اور اگر اب باز آجاؤ، ابھی اس اکڑ سے باز جاؤ، ان بڑے بڑے دعووں سے اب باز آجاؤ تو فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ تو اس میں تمہاری بہتری ہے، وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ اور اگر تم پھر لوٹو گے، پھر اللہ سے ایسا فیصلہ مانگو گے، اللہ پھر ایسا عذاب مسلط کریں گے۔ پھر اللہ کے راستے میں لڑنے والوں کے خلاف لڑنے نکلو گے تو اللہ تعالیٰ پھر تمہارے ساتھ جو بدر میں تمہارے ساتھ ہوا دہرائیں گے اور تمہیں اسی طرح کی ضرب لگے گی۔ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا اور تمہارا گروہ جب تھا، مددگار نصرت کرنے والے یہ تمہیں شَيْـًٔا تھوڑا سا بھی نفع نہیں پہنچا سکیں گے وَّلَوْ كَثُرَتْ چاہے یہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ تو اگر کثرت سے ہی فیصلہ ہونا ہوتا تو امریکہ تنہا نہیں گھسا افغانستان کے اندر۔ امریکہ کی کوشش پر جنگ شروع ہوئی۔ نائن الیون تو امریکہ پر ہوا۔ برطانیہ وہاں کیا کر رہا ہے؟ پولینڈ وہاں کیا کر رہا ہے؟ جرمنی وہاں کیا کر رہا ہے؟ فرانس وہاں کیا کر رہا ہے؟ ان سب کو امریکہ وہاں کھینچ کر لایا۔ ترکی وہاں کیا کر رہا ہے؟ عرب امارات وہاں کیا کر رہا ہے؟ تو یہ سارے جو وہاں گھسے ہیں یہ امریکہ نے جا کر ایک ایک کی منت کی ہے کہ اکیلے نہیں لڑنی ہم نے۔ تو اپنے ساتھ ایک بڑا افئة لے کر، ایک بڑا گروہ لے کر میدان میں اترا۔ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ گروہ تمہارے کسی کام نہیں آسکے گا۔ وَّلَوْ كَثُرَتْ، چوالیس، پینتالیس مزید ملک ساتھ لے کر آگئے، کیا بچا لیا اس نے تمہارا؟ کتنا تمہیں نفع پہنچا لیا؟ ان کو بھی ضرب پڑی تمہیں بھی ضرب پڑی۔

وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہیں۔ تو یہ پیغامات ہیں۔ ہم نے کہا، پہلے بھی بات ہوئی کہ جنگ کے اندر اللہ کی عجیب حکمتیں ہیں۔ جو جہاد کے پورے سچے اس میدان کو دیکھے، اللہ پر ایمان اس کو لے آنا چاہیے ان پورے واقعات پر غور کرنے کے بعد۔ اللہ کی توحید کے سب سے واضح دلائل میں جو دلیل ہے وہ روس کے خلاف اور امریکہ کے خلاف جہاد ہے؛ پچھلے بیس تیس سال پر اگر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹِک سکتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان والے حق پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی نصرت فرما رہے ہیں چاہے وقتی طور پر ان پہ آزمائشیں ہی کیوں نہ آئیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے دروازے کھول رہے ہیں وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور اللہ مومنین کے ساتھ ہیں۔ اس آیت میں ایک پیغام یہ بھی ہے کہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے یعنی ان کی اس صفت کا اللہ نے ذکر کیا جس کی وجہ سے اللہ ان کی نصرت کرتے ہیں اور وہ ان کا ایمان ہے۔ جو جتنا ایمان میں قوی ہوگا اتنا اللہ کی نصرت اس کے ساتھ ہوگی۔ جو جتنا اپنے ایمان سے غافل ہوگا، اپنے ایمان کو بڑھانے کی فکر چھوڑ دے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی نصرت سے دور ہوتا جائے گا۔ تو یہ ایمان کے ساتھ جڑی ہوئی چیز ہے اور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ تمہارے سینوں میں ایمان اسی طرح بوسیدہ ہو جاتا ہے کہ جس طرح کپڑا بوسیدہ ہو جاتا ہے، تو تم میں سے ہر شخص اس کا اہتمام کرے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتا رہے۔ اپنے ایمان کی حفاظت بھی کرے اور اپنے ایمان کو تازہ بھی کرتا رہے۔ اور جیسا کہ صحابہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ حضرات بیٹھ جاتے اکثر اور کہتے کہ هيا بنا نؤمن ساعة، اجلس بنا نؤمن ساعة کہ آؤ تھوڑی دیر کے لیے ایمان لائیں یعنی ایمان کو تازہ کریں، ایمان کو بڑھانے کے اسباب اختیار کریں، قرآن کو اکٹھے بیٹھ کر پڑھیں اور اللہ کی نعمتوں کا ذکر کریں، اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس راستے کی طرف ہدایت دی اس کا تذکرہ کریں اور حدیث کا مطالعہ کریں۔ تو ان چیزوں سے، سیرت کو پڑھیں، ان سے ایمان میں ہمارے اضافہ ہو۔ تو جب ایمان کی حفاظت کریں گے، جتنی حفاظت کریں گے، اتنا اللہ تعالیٰ کی نصرت، اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوگی۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان آیات کو سمجھنے اور ان کے اوپر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سبحانک اللھم و بحمدک نشھد ان لا الہ الا انت نستغفرک و نتوب الیک و
صلی اللہ علی النبی

☆☆☆☆☆

عید الفطر کی مناسبت سے امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخندزادہ حفظہ اللہ کا پیغام

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوب إليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله.

أما بعد:فقد قال الله تعالى:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ۝وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ۝(سورۃ الأعلى: ۱۵،۱۴)

”بے شک فلاح پا گئے وہ لوگ جو پاک ہو گئے (ایمان کے ذریعے گناہوں سے)۔ اپنے رب کا نام لیا (تکبیر کے ساتھ) پھر نماز ادا کی (جو کہ اسلام کی نشانی ہے)۔“

تفسیر کابلی کے حوالے سے کچھ اسلاف نے کہا ہے کہ یہاں تزکیہ سے مراد صدقہ فطر ہے اور ذکر سے مراد تکبیرات عید ہیں۔ نماز سے عید کی نماز مراد ہے۔ یعنی عید کے دن صدقہ فطر ادا کرو، پھر تکبیر کہو اور عید کی نماز ادا کرو۔

عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه قال: في آخر رمضان أخرجوا صدقة صومكم فرض رسول الله ﷺ هذه الصدقة صاعاً من تمر او شعير او نصف صاع من قمح على كل حرٍ او مملوكٍ ذكرٍ او أنثى، صغيرٍ او كبيرٍ. [رواه ابو داود]

”روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رمضان کے آخری دنوں میں لوگوں سے کہا: تم لوگ اپنے روزوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔ یعنی صدقہ فطر ادا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صدقہ ہر مسلمان آزاد، غلام، باندی، مرد، عورت اور بچوں پر کھجور اور جو کے ایک صاع اور گندم میں آدھے صاع کے ساتھ فرض (واجب) قرار دیا ہے۔“

و عنه قال: فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكاة الفطر طُهرةً للصائم من اللغو والرفث، وطعمةً للمساكين. [رواه ابوداؤد]

”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ بے ہودہ گفتگو اور لغو کلام سے پاک کرنے کے لیے جبکہ صدقہ فطر غریبوں کو کھلانے کے لیے لازم قرار دے دیا ہے۔“

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ . [متفق عليه]

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایمان کے ساتھ (شریعت کو سچ سمجھتے ہوئے اور رمضان کی فرضیت کے اعتقاد کے ساتھ) اور طلب ثواب کے لیے (ریا کے لیے نہیں بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے) روزہ رکھے اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، جو اس نے پہلے کیے ہوتے ہیں۔“

افغانستان کے مومن و مجاہد عوام اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے نام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! وبعد:

میں تمام مسلمانوں کو عید الفطر کی مبارک باد دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے روزے، تراویح، صدقہ فطر، دعائیں اور دیگر جسمانی و مالی عبادات قبول فرمائے۔

محترم بھائیو!

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ جس نے ہمیں اسلامی شرعی نظام نصیب فرمایا ہے اور ہم اس روشن مقدس نظام کے سائے میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے امن کی فضا میں روزہ رکھا اور آج ہم عید الفطر کی نماز ادا کر رہے ہیں اور یہ خوشی امن کی فضا میں منا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۝ (سورۃ ابراھیم: ۷)

”اگر تم گزشتہ نعمتوں اور احسانات پر شکر ادا کرو تو ضرور بالضرور میں تمہاری نعمت میں اضافہ کروں گا۔ اور اگر تم ناشکری کرو گے میری نعمتوں اور احسانات کا، تو بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ۝ (سورۃ یونس: ۵۸)

”کہہ دو (اے محمد) مومنوں سے کہ خوش رہیں اللہ کے فضل (قرآن) سے اور اس کی رحمت (دین) سے۔“

اللہ تعالیٰ سے اسی فضل اور رحمت پر مومن خوش ہوں۔ کیوں کہ یہ فضل اور رحمت بہت بہتر ہے ان مالوں سے جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔ اس لیے مومنوں کو اس پر بہت خوش ہونا چاہیے کیونکہ یہ مذکورہ چیزیں جو کہ قرآن کریم، اسلام اور دیگر مقدسات ہیں بہت بہتر اور اعلیٰ ہیں۔

جس نعمت پر شکر ادا کیا جائے اللہ تعالیٰ اس نعمت میں اضافہ کر دیتے ہیں اور اگر خدا نخواستہ ناشکری ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے عذاب کی تنبیہ کی ہے جو بہت بڑا خطرہ ہے۔ اس لیے میں اپنے مسلمان بھائیوں کو تاکید کرتا ہوں کہ اللہ کا شکر ضرور ادا کریں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا شرعی نظام، امن، اخوت اور اتحاد یہ سب وہ کچھ ہے جس سے ہم عشروں سے محروم رہے ہیں۔ آج جب اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں ہمیں دی ہیں تو پہلے اس پر شکر ادا کریں۔ اس کی حمایت میں مضبوطی سے کھڑے ہوں۔ اس کی حمایت کریں، اس کی اصلاح کریں اور اس سے خیر خواہی رکھیں۔

سب سے زیادہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ سب لوگوں کو اور امارت اسلامیہ کے ذمہ داران کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف متوجہ رکھیں۔ ان کی اصلاح کرتے رہیں، انہیں بہتر مشورے دیں، انہیں نصیحت کریں اور ان کی خیر خواہی کریں، ہمیشہ انہیں عبادت کی طرف دعوت دیں۔

مساجد کے ائمہ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے نمازیوں اور ان کے بچوں کو عقائد اور اعمال و اخلاق سکھانے اور ان کی اصلاح و تربیت کی طرف روزانہ کی بنیاد پر متوجہ ہوں۔ ان پر مسلسل محنت کریں، خصوصاً معاصر فتنوں سے انہیں بچائیں۔

اسلامی شریعت کا نفاذ

اسلام کے ایک مقدس رکن جہاد فی سبیل اللہ کا اہم ہدف اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلامی شریعت کی تنفیذ ہے۔ امارت اسلامیہ بھی مقدس جہاد کے اہداف کے حصول اور مجاہدین کی قربانیوں کے تحفظ کے لیے اسی بنیادی ہدف کو ترجیح دیتی ہے۔ اس کے حصول کے لیے مختلف کوششیں اس وقت جاری ہیں۔ انصاف کا قیام، شرعی حدود و تعزیرات اور شرعی محاکم کا قیام شریعت کے اصولوں کے مطابق بلا تفریق جاری ہے۔ ظلم کا خاتمہ اور مظلوم کا دفاع کیا جا رہا ہے۔

منکرات کی روک تھام اور معروف کے قیام کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر و سمع شکایات کی وزارت شرعی اصولوں کے مطابق مذکوہ مقدس ذمہ داری ادا کر رہی ہے۔ صوبوں میں علماء کونسلز صوبائی حکام کے کاموں میں شرعی احکام پر عمل درآمد اور انہیں اچھے مشورے فراہم کرنے، علماء کے درمیان اتحاد و اتفاق کے قیام اور عوام اور حکومت کے درمیان اعتماد سازی کے لیے ایک طے شدہ طریقہ کار کے مطابق مصروف کار ہیں۔ صوبائی حکام بھی علماء کونسلز کی اطاعت کے پابند کر دیے گئے ہیں۔ صوبوں کے بعد اس طرح کی کونسلز کے قیام کا سلسلہ اب اضلاع کی سطح پر بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ تدریجی طور پر پورے ملک کے تمام اضلاع میں علمائے کرام اور قبائلی عمائدین کی کونسلز قائم کی جائیں گی۔

عدالتوں کا دفاع، اس کے فیصلوں پر اطمینان و اعتماد اور انہیں تسلیم کرنا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی نصائح پر عمل درآمد اور مختلف امور میں ان سے تعاون اور انفرادی اور اجتماعی طور پر شریعت کو تسلیم کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

تعلیم و تربیت

نئی نسل کی دینی اور اس کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کے لیے تمام صوبوں اور اضلاع میں وزارت تعلیم کی تشکیلات فعال ہیں اور سینکڑوں دینی، علمی مراکز فعال کر دیے گئے ہیں۔ تمام یتیموں کی پرورش، تعلیم اور بہتر کفالت کے لیے ہر صوبے اور بہت سے اضلاع میں دارالایتام قائم کیے گئے ہیں۔ جس کا انتظام ایک باقاعدہ محکمہ سنبھال رہا ہے۔

اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرنا، انہیں تعلیم دینا اور انہیں یہ مواقع فراہم کرنا کہ وہ دینی تعلیمات سیکھ سکیں یہ ہر مسلمان بھائی کی ذمہ داری ہے۔

امن و امان

افغانستان کئی عشرے بدامنی، بدحالی اور مشکلات میں گذار چکا ہے۔ بہت سی پریشانیوں، قربانیوں اور تکالیف کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے ایک بڑے انعام سے نوازا ہے کہ یہاں امن و امان کی فضا قائم ہو گئی ہے۔ ظاہری طور پر بھی امن و امان و سکون ہے اور باطنی و روحانی طور پر بھی۔ ظاہری امن یہ ہے کہ لوگوں کے جان، مال اور عزتیں محفوظ ہیں۔ باطنی امن یہ ہے کہ آزادی اور خود مختاری آگئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اب آپ سب لوگ ان دونوں طرح کے امن کا تحفظ کریں۔ سکیورٹی حکام کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کریں۔ اور اسے اپنی ذمہ داری سمجھ کر کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا پابند بنایا ہے کہ اچھے کاموں میں لوگوں سے تعاون کریں اور برے کاموں میں کسی سے تعاون نہیں کریں۔ اس لیے مفسدین کی روک تھام کریں۔ امن کا قیام آپ کی ذمہ داری ہے۔ اگر کسی کا ناحق خون بہتا ہے تو سب اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ کیونکہ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے اس کا پابند کیا ہے کہ برائی کو روکے۔ آپ اپنے شہر اور گلی کوچے کی حفاظت کی طرف متوجہ رہیں اور سکیورٹی اداروں سے بھرپور تعاون کریں۔

معیشت

اسلامی نظام اور اس کی قیادت کی شرعی ذمہ داریوں میں اپنی رعایا کی معاشی حالت پر توجہ دینا اور انہیں محتاجی اور غربت سے نکالنا بھی شامل ہے، تاکہ ہر شہری اپنے ہاتھوں اپنا رزق کمانے کے قابل ہو۔ امارت اسلامیہ ممکنہ حد تک پوری کوشش کر رہی ہے کہ فیکٹریاں شروع کی جائیں اور عوامی منفعت کے کام شروع کیے جائیں۔ تاکہ لوگوں کو نفقہ اور رزق مہیا ہو۔

کسی حد تک یہ کوششیں جاری ہیں اور کچھ منصوبوں پر کام ہو رہا ہے۔ آپ بھی بے دست و پا نہ بیٹھیں! کوشش کریں انفرادی اور اجتماعی طور پر روزگار کے لیے مواقع پیدا کریں۔ آپس میں مل کر چھوٹی بڑی کمپنیاں قائم کریں۔ کھیتی باڑی اور صنعتوں کے لیے راہیں ہموار کریں۔ امارت اسلامیہ کے ساتھ مل کر اپنے ملک کی معیشت کو مضبوط کریں۔ امارت اسلامیہ بھی بھرپور کوشش کر رہی ہے کہ آپ کے کھیت کھلیان کو پانی مہیا کرے اور صنعتوں کے قیام کے لیے بہتر سہولیات فراہم کرے۔ ہمارا توکل اللہ تعالیٰ پر ہو گا۔ آپ وہ تمام جائز راستے جو رزق پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں انہیں اختیار کریں۔ ناجائز معاملات سے پرہیز کریں۔ حلال مال کمائیں۔ غیروں پر بھروسہ نہ کریں اور نہ کسی کی امداد کی امید پر بیٹھے رہیں۔

ہر فریق سے شریعت کے مطابق رویہ

امارت اسلامیہ افغانستان اپنی اسلامی شرعی پالیسی کے مطابق سب کے ساتھ دوطرفہ احترام کی بنیاد پر اچھے تعلقات چاہتی ہے اور سب سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ امارت اسلامیہ کی اس نیک نیت اور ارادے کو شک کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ ہمارا وعدہ، وعدہ ہے۔ ہم ان سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں کہ افغانستان کی سرحدات، مفادات اور عزت کا خیال رکھیں اور ہم سے اچھے تعلقات رکھیں۔

ہم خطے کے ممالک کے ساتھ اسلام کے مقدس دین کی روشنی میں متوازن اور اقتصاد پر مبنی (Economy oriented) سیاسی تعلقات کی پالیسی چاہتے ہیں۔ ہم سب کے ساتھ اچھے سفارتی اور معاشی تعلقات چاہتے ہیں۔ انہیں بھی افغانستان کے امن و امان، استحکام اور ترقی کو بہتر موقع سمجھ کر اچھے تعلقات قائم کرنے چاہییں اور اعتماد کی فضا اور تعاون کی روح پر مبنی پالیسی اختیار کر لینی چاہیے۔ امارت اسلامیہ کی وزارت خارجہ کو ذمہ داری دی گئی ہے کہ پوری دنیا بالخصوص اسلامی ممالک سے اچھے اطمینان اور اعتماد کی فضا میں تعلقات قائم کیے جائیں۔

اسلامی دنیا سے امارت اسلامیہ کے تعلقات اسلامی اخوت کی بنیاد پر قائم ہیں۔ ”سارے مسلمان ہمارے بھائی ہیں“ کے اصول کے پیش نظر ہمارا آپس میں مشترک دین، عقائد اور اعتماد کا رشتہ ہے۔ ہمارے مفادات مشترک ہیں۔ اس لیے ہماری پالیسی اور نقطہ نظر بھی مشترک ہونا چاہیے۔ ایک دوسرے کے درد اور غم میں شریک ہوں اور اپنی بساط کے مطابق ایک دوسرے سے تعاون کریں۔

اس طرح کا متفقہ موقف ہم سب کے مشترک مسائل کم اور حل کر سکتا ہے۔ امارت اسلامیہ ایسی ایک فضا قائم کرنا چاہتی ہے۔

فلسطین

فلسطین کا قضیہ پوری امت مسلمہ کا مسئلہ ہے۔ ہم غزہ پر اسرائیلی جارحیت کی ایک بار پھر مذمت کرتے ہیں۔ پوری اسلامی دنیا بلکہ عالمی دنیا سے مطالبہ کرتا ہوں کہ جلد از جلد اسرائیلی جارحیت پسندوں کے ظلم کا راستہ روکے، تاکہ وہاں ظلم اور جارحیت کا خاتمہ ہو۔ خصوصاً امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ مظلوم فلسطینیوں کے موقف کی حمایت کریں اور بیک آواز اپنے وسائل و امکانات کے مطابق فلسطینیوں کا ساتھ دیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ دنیا بھر کے انسانی حقوق کے دعویدار فلسطین پر ہونے والے مظالم کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ اب تک کسی عالمی فریق نے ان مظالم کے خاتمے کے لیے عملی قدم نہیں اٹھایا اور اس بڑے سانحے کے حوالے سے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔

منشیات کا خاتمہ

امارت اسلامیہ کی جانب سے اپنی شرعی ذمہ داری کے مطابق ملک میں منشیات کی کاشت پر پابندی اور عوام کی جانب سے امارت اسلامیہ کے حکم پر عمل درآمد بڑی کامیابی ہے۔ امارت اسلامیہ کے عزم کے ساتھ کام پایۂ تکمیل تک پہنچ جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ امارت اسلامیہ کو عوام کی حمایت اور اعتماد حاصل ہے۔ یہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ افغانستان منشیات سے پاک ہو رہا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ کابل اور ملک کے دیگر صوبوں میں منشیات کے عادی افراد کو جمع کر کے علاج کے بعد صحت و تندرستی کے ساتھ ان کے خاندانوں کے حوالے کرنا دوسری شرعی ذمہ داری ہے جو امارت اسلامیہ نے ادا کی ہے اور اپنے ملک و ملت کے ایک بڑے حصے کے لوگوں اور ان کے خاندانوں کی تکالیف اور پریشانیوں کا سدباب کیا گیا ہے۔

امارت اسلامیہ کے تمام حکام اور مجاہدین کے نام

آپ سب کو ذیل میں کچھ نصیحتیں کی جا رہی ہیں۔ اس پر عمل کریں اور ہر ذمہ دار اپنے ماتحتوں کے ساتھ اسے شریک کرے، تاکہ ہم اپنے عوام کی اچھی خدمت کر سکیں، ان سے اچھا رویہ اپنا سکیں اور ان کے شرعی حقوق مہیا کریں۔

۱. تمام ذمہ داران اپنے کاموں کی طرف اچھی طرح متوجہ رہیں۔ افغانستان کے شہریوں کے کام ہر وزارت، محکمہ اور صوبائی حکام سے وابستہ ہیں۔ اگر کوئی ذمہ دار اور حاکم اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں غفلت برتتا ہے تو اس سے بہت سے انسانوں کے حقوق ضائع ہوں گے اور ذمہ داران اور حکام کی غفلت کے لیے شریعت میں کوئی عذر قابل قبول نہیں۔

۲. ذمہ داران اور حکام آپس میں بھائی چارے اور اخوت کے ساتھ رہیں۔ اختلاف اور انا پرستی سے بچتے رہیں۔ اسی سے جہاد کا ثمرہ جو کہ اسلامی نظام کی حاکمیت ہے محفوظ ہوگا۔ سوویت یونین کے خلاف افغانستان کا جہاد کامیاب ہوگیا تھا، سوویت یونین شکست کھا گیا تھا، مگر حکام اور ذمہ داران میں اتحاد و اتفاق نہیں تھا، انا پرستی تھی، اس لیے جہاد کے ثمرات حاصل نہ ہوسکے، اسلامی نظام حاکم نہ ہوسکا اور افغانستان کو بہت سے پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

۳. امن و امان اس سے قائم نہیں ہوگا کہ لوگوں پر سختی کی جائے اور لوگوں کو مارا جائے۔ بلکہ امن کا قیام شریعت کے نفاذ اور انصاف میں پوشیدہ ہے۔ اور بدامنی اس وقت ہوتی ہے جب شریعت کی مخالفت کی جائے۔ اس لیے اپنی اصلاح ضروری ہے، ہر ذمہ دار فرد کا گناہ پورے نظام پر برے اثرات مرتب کرتا ہے۔

۴. ظلم سے خود کو بچائیں۔ کسی کے ساتھ ظلم ہو تو ایک مظلوم کی بددعا پورے نظام کو ہلا دیتی ہے۔ اس لیے کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔

۵. دشمنوں کو توقع ہے کہ کمیونزم کے خلاف جہاد کی کامیابی کے بعد جس طرح مجاہدین کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے امارت اسلامیہ کے ذمہ داران کے درمیان بھی پیدا ہوں گے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ تمھاری یہ آرزو کبھی پوری نہیں ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ.

۶. افغانستان کے عوام نے بہت مصائب اٹھائے ہیں۔ ان پر بہت مظالم ڈھائے گئے ہیں۔ ان لوگوں نے بہت قربانیاں دی ہیں۔ یہ کامیابی انہیں قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ اس لیے ان لوگوں کی بہت قدر کریں۔ ان کی خدمت کریں اور ان کی فریاد سنیں۔ جن لوگوں نے ہمیں کل اپنے گھر میں پناہ فراہم کی، اپنا لقمہ آدھا کرکے ہمیں کھلایا آج اگر ہم انہیں بھول جائیں تو یہ بہت بڑی جفا ہے جو مجاہدین کے شایان شان نہیں۔

۷. کسی کو ناحق تکلیف نہ دی جائے۔ اگر کسی کو گرفتار کیا جارہا ہے تو پہلے تحقیق کی جائے کہ کسی نے اس کی ناحق شکایت نہ کردی ہو یا کسی چھوٹے جرم میں بڑی تکلیف نہ پہنچے۔ اس لیے احتیاط کریں کہ کسی کو ناحق آزار نہ پہنچے۔

۸. امارت اسلامیہ میں کوئی تفرقہ اور تبعیض جگہ نہیں پا سکتی۔ جنوب سے تعلق رکھنے والا شخص شمال میں اور شمال سے تعلق رکھنے والا شخص جنوب میں ذمہ دار مقرر ہوگا اور وہ خدمت کرے گا۔

۹. مراعات اور ترقی تقویٰ، اہلیت اور امانت داری کی بنیاد پر دی جائے گی۔ قوم قبیلہ، زبان، علاقہ اور رشتے کی سوچ ذمہ داران میں پیدا نہیں ہونی چاہیے۔ اور اگر کوئی اس مرض میں مبتلا ہے تو سب اس کی طرف متوجہ ہوں اور اس کی روک تھام کریں۔

۱۰. جہاں بھی جو بھی انسان ضرورت مند نظر آئے اس تک پہنچیں۔ یہ فرق کبھی مت روا رکھیں کہ کون ہے اور کہاں ہے۔

۱۱. یہ وقت گذرنے والا ہے۔ ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ آئندہ نسلوں کے لیے اچھی تاریخ، اچھی پالیسیاں اور اچھے اصول چھوڑ کر جائیں۔ زیادہ توجہ آخرت اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر دیں۔

۱۲. ہمارا رازق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس دنیا کی ساری قوتیں نہ آپ کا رزق چھین سکتی ہیں، نہ آپ کا رزق بند کرسکتی ہیں اور نہ ہی یہ ہماری زندگی چھین سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھیں اور اللہ کی رضا کے حصول کی کوشش کریں۔

۱۳. لوگوں کو اسلامی احکام اور اخلاق کی ترغیب دیں۔ بے جا زور زبردستی کی بجائے ترغیب و تحریض سے کام لیں۔ طاقت کے استعمال سے لوگ آپ سے نفرت کریں گے اور ترغیب سے آپ کے دوست اور معاون بنیں گے۔

۱۴. کوشش کریں کہ جہاد کے دور کی وہی شرعی عادات اور دینی معمولات اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہے۔

۱۵. قرآن کریم سے تعلق رکھیں۔ دن میں کم از کم ایک مرتبہ تلاوت کرلیا کریں۔

۱۶. بڑے مناصب سے خوش مت ہوں اور کسی منصب سے ہٹا دیے جائیں تو ناراض بھی مت ہوں۔ مطلب یہ کہ منصب سے دل نہ لگائیں۔

۱۷. سابقہ ادوار کے بدنام لوگوں سے عبرت حاصل کریں۔ اس لیے ایسے اعمال سے گریز کریں جو بدنامی اور بدگمانی کا سبب بنیں۔ بلکہ سلف صالحین کے اخلاق اپنے اندر پیدا کریں۔

(بقیہ صفحہ نمبر 21 پر)

إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ

۱۴۴۵ھ کی غم ناک عید الفطر کے موقع پر

استاد اسامہ محمود

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم أما بعد!

برِّ صغیر اور پوری دنیا میں بسنے والے اہل ایمان بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ!

رب اشرح لي صدري ويسر لي أمري واحلل عقدة من لساني يفقهوا قولي

قال اللہ تعالیٰ:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۝﴾

رمضان المبارک کی آخری گھڑیاں ہیں، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ رمضان المبارک کے تمام فیوض وبرکات سے ہم سب اہل ایمان کو ہمکنار کرے اور آنے والی عید سعید، عید الفطر کو برصغیر اور پوری دنیا میں موجود مسلمانوں کے لیے مبارک کرے، اللہ ماہ رمضان کی عبادات ودعاؤں کو امت کی اصلاح وبیداری اور جہاد ونصرتوں کا سبب ثابت فرمائے، آمین یارب العالمین!

محترم اہل ایمان بھائیو!

اس عید پر ہماری خوشی بلاشبہ دوبالا ہو جاتی اگر اہل ایمان ظلم کی چکی میں نہ پس رہے ہوتے اور اللہ کا دین مغلوب نہیں غالب ہوتا، مگر افسوس! ہماری آزمائش ہے کہ ایسا نہیں ہے، آج امت کی اکثریت مظلومیت یا غفلت کی ایسی تاریک رات میں جی رہی ہے کہ جس کی نظیر شاید ہی کبھی ماضی میں دیکھی گئی ہو۔ مسلمانان غزہ پر اسرائیل وامریکہ کی طرف سے پچھلے چھ ماہ سے زائد سے بدترین مظالم ڈھائے جارہے ہیں، رمضان کے مہینے میں بھی نہ ان کا قتل عام رکا اور نہ ہی انہیں مطلوب خوراکی مواد غزہ کی پٹی میں جانے دیا گیا، یہاں تک کہ ایسا بھی ہوتا رہا کہ پانی پر سحری ہوئی اور پانی ہی پر افطاری کرکے اللہ کا شکر ادا ہوا۔ بدترین یہ کہ نہتے عوام، بچوں و خواتین کو تو پہلے سے شہید کیا جارہا تھا، اس ماہ میں ماؤں بہنوں کی عزتوں پر بھی ہاتھ ڈالا گیا اور یہ سب کچھ، دلوں کو چیرنے والی یہ ساری اندوہناک خبریں دنیا بھر کو پہنچتی رہیں، مگر امت مسلمہ اس قابل نہیں ہوئی کہ اپنے بھائی بہنوں کی پکار پر لبیک کہہ کر ان کی کوئی مدد کرپائے، نتیجتاً یہود کو اہل غزہ کے خلاف کھلی چھوٹ حاصل رہی اور پھر جس طرح انہوں نے چاہا اہل ایمان پر مظالم کے پہاڑ توڑے۔

ظلم کی یہ کہانی صرف غزہ تک محدود نہیں، ہندوستان میں مسلمانوں پر زندگی تنگ کرنے اور انہیں بدترین غلامی یا موت میں سے کسی ایک آپشن کو اپنانے پر عرصہ دراز سے مجبور کیا جارہا ہے، مساجد کو مسمار کرنا اور اہل ایمان کو شہید کرنا روز کا معمول اب بن گیا ہے اور بابری مسجد کی جگہ رام مندر کھڑا کرنے میں جب انہیں کامیابی ہوئی تو آج (خاکم بدہن) ہزاروں مساجد کو مندروں میں تبدیل کرنے اور دارالعلوم دیوبند کو مسمار کرنے کے منصوبے کا بھی اب اعلان ہو چکا ہے......افسوس یہ ہے کہ اہل ایمان کی نسل کشی کا یہ 'صہیونی ہندتوا' منصوبہ عمل میں ڈھل کر آگے سے آگے بڑھ رہا ہے، مگر ہندوستان کے اندر یا اس سے باہر پاکستان وبنگلہ دیش میں کہیں بھی اس کے خلاف کوئی تحریک نہیں اٹھ رہی ہے، کوئی ایسی قوت برِّصغیر کے افق پر نہیں تشکیل پارہی جس کو دیکھ کر ہندو اپنے عزائم سے پیچھے ہٹ جائیں اور مسلمانان ہند کا دین اور دنیا محفوظ رہ جائے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح غزہ کی جنگ میں اسرائیل وامریکہ کو عرب افواج وحکام کا مکمل تعاون حاصل ہے، بعینہ اسی طرح یہی تعاون برِّصغیر میں ہندوستان وامریکہ کو پاکستان وبنگلہ دیش کی افواج کی طرف سے غیر اعلانیہ یا اعلانیہ فراہم ہے۔ جس طرح عالم عرب میں صہیونی عزائم کو کامیاب کرنے کے لیے عرب حکومتیں اپنے ہاں اسلام کے خلاف برسرپیکار ہیں اور معاشرے سے اسلام نکالنا اور کفر وفجور کو رائج کرنا ان کا مقصد بن گیا ہے، بالکل اسی طرح پاکستان اور بنگلہ دیش کی افواج وحکومتیں اپنے اپنے ہاں اسلام کے خلاف برسرجنگ ہیں اور دونوں کی یہ کوشش ہے کہ ان ممالک میں کوئی ایسی قوت نہ اٹھ کھڑی ہو، جو اسلام کے نفاذ واحیاء کا باعث بن جائے اور جو 'صہیونی ہندتوا' منصوبوں کے مقابل اہل اسلام کے دفاع و نصرت کا کام کہیں کرسکے۔ پھر اس صہیونی جنگ میں مؤثر ترین اور بدترین کردار پاکستانی فوج کا ہے کہ یہ پچھلے پچیس سال سے امریکہ کی غلامی میں اسلام اور مجاہدین اسلام کے خلاف جبکہ صہیونی اتحاد کے دفاع میں بھرپور جنگ لڑرہی ہے اور یہ اُن مجاہدین کے خلاف آپریشنوں کی ایک پوری تاریخ رکھتی ہے جو اہل اسلام اور مقدسات کے دفاع کی جنگ لڑرہے ہیں اور جنہوں نے پاکستان کے نظام باطل کے مقابل نفاذِ شریعت کا جھنڈا اٹھایا ہوا ہے۔ یہ پاکستانی جرنیل صہیونی غلامی میں ذلت کی کس آخری حد تک گر گئے، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ امریکہ کو پاکستانی فوج کی اب تک کی 'قربانی' قبول نہیں ہوئی، بلکہ اس نے ان جرنیلوں سے اسرائیل کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا مطالبہ بھی رکھ دیا۔ 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' کے جرنیلوں اور سیاست دانوں نے اس میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کی اور اسرائیل کے ساتھ بھی یہ تعلق استوار کیا گیا جس کے مظاہر صحافی اور سیاسی افراد پر مشتمل ایک وفد اسرائیل بھجوانے، زرعی وطبی ٹیکنالوجی میں اسرائیلی یونیورسٹیوں کے

ساتھ تحقیق و تعاون اور کرکٹ میچ میں فلسطین کے حق میں نعروں اور جھنڈوں پر پابندی لگانے کی صورت میں نظر آئے۔ لہٰذا مقصود یہ ہے کہ ’صہیونیت و ہندتوا‘ کی اس عالمی جنگ میں ’ہماری‘ کہلانے والی افواج اسلام و اہل اسلام کے دفاع میں نہیں، بلکہ ان کے خلاف دشمنان امت کی صف میں کھڑی ہیں، ہندوستان اور غزہ میں اہل اسلام جن مظالم سے گزر رہے ہیں، اس میں ان افواج کا براہ راست حصہ موجود ہے، اس لیے کہ یہی افواج امت مسلمہ کا دفاع کرنے والے مجاہدین کے خلاف ہر اول دستے کا کردار ادا کر رہی ہیں۔

عزیز اہل ایمان بھائیو!

اسلام اور اہل اسلام کے خلاف یہ جنگ وسیع بھی ہے اور مؤثر بھی ہے، اس کے اثرات برصغیر اور عالم عرب دونوں میں واضح نظر آرہے ہیں، اس جنگ کے مقاصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ نورِ اسلام بجھایا جائے اور اس کی جگہ ظلماتِ شرک و کفر کو غالب کیا جائے۔ ہندوستان سے اسلام نکال دینا اور برصغیر بھر کو ہندتوا کی غلامی میں لانا اس کا مقصد ہے، مسجدِ اقصیٰ کو (لا قدر اللہ) مسمار کرنا، اس کی جگہ یہودی ہیکل قائم کرنا اور پھر وسیع تر اسرائیل قائم کرکے دنیا بھر میں شرک و فساد کی دجالی حکومت قائم کرنا پوری دنیا میں پھیلی اس جنگ کی منزل ہے، ایسے میں جب اس جنگ اور اس کے مقاصد کا ذکر کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ نہیں، ایسا کبھی نہیں ہو گا، یہ ناکام ہوں گے، فلسطین نہ یہودیوں کا تھا اور نہ رہے گا، یہ اہل اسلام کا ہے اور ہو گا، اللہ کا دین غالب ہو گا اور اللہ کی نصرت ضرور آکر رہے گی۔ یہ کہنا سب بجا ہے اور اس کے سچے ہونے میں ہمیں بھی رتی برابر شک نہیں۔ مگر اس سیاق و سباق میں دو گزارشات آپ کی خدمت میں رکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

اول یہ کہ یقیناً اللہ کی نصرت قریب ہے مگر یہ نصرت خود چل کر کبھی نہیں آیا کرتی، اس کے لیے اہل ایمان نے اٹھ کر رخت سفر باندھنا ہوتا ہے، مسلمان خود اپنے آپ کو اس کے قابل بناتے ہیں تو یہ ان کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ اللہ کی کتاب بتاتی ہے کہ یہ نصرت مشروط ہے ہمارے اٹھنے، ہمارے کھڑے ہونے اور اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی پیش کرنے کے ساتھ، اللہ کا فرمان ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ اگر تم اللہ کے بنو گے، اللہ کے دین پر عمل پیرا ہو گے، اس کی شریعت کی پابندی کرو گے، اس کی خاطر اس کے دشمنوں کے خلاف لڑو گے، قربانیاں دو گے تو پھر میں بھی تمہیں بے آسرا اور بے یار و مددگار نہیں چھوڑوں گا، بلکہ ایسے مومنین کی نصرت اللہ اپنے ذمہ لے لیتا ہے ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ جب حقیقت یہی ہے تو پھر دیکھیے کہ ہم اپنے قلوب و اعمال کے ذریعہ امت مسلمہ سے نصرت الٰہی کو قریب کرنے والے ہیں یا الٹا اس نصرت کو اس سے دور کرنے والے ہیں؟ ہمارا ہر وہ عمل جس کے کرنے یا چھوڑنے سے اللہ ناراض ہو جاتا ہے، وہ اس نصرت کو امت مرحومہ سے دور کرنے والا ہوتا ہے، ان اعمال میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنا بھی اہم ہے، کہ جب اس عمل کو چھوڑا جاتا ہے اور اس کے باعث منکرات عام ہو جاتے ہیں تو اللہ کی معیت اور اس کی نصرت رخصت ہو جاتی ہے اور دشمنان امت کو آگے بڑھنے کا موقع مل جاتا ہے، اسی طرح اہم ترین عمل جس کے چھوڑنے سے نصرتِ الٰہی چلی جاتی ہے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ یہ وہ فرض ہے کہ جس کو جب نہیں نبھایا جاتا تو اللہ رب العزت ﴿يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا﴾ فرما کر دنیا میں عذاب کی وعید سناتا ہے اور ایسی قوم کو اپنی نصرت سے محروم کرکے اس کی جگہ کسی دوسری قوم کو لا کھڑا کرنے کی تنبیہ کرتا ہے۔ لہٰذا نصرت الٰہی قریب ہے مگر ہمیں اس کا حق دار بننے کے لیے محنت کرنی ہو گی اور اپنے قلوب و جوارح اور اقوال و اعمال سے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ ہم واقعی ایمان رکھتے ہیں اور غیر اللہ کے خلاف اللہ کے انصار بن کر اس کے دین کی نصرت کرتے ہیں۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ، امت مسلمہ کی آزادی و نصرت اور اس کے مقدسات کے دفاع کی تڑپ جب ہمارے دلوں میں ہے اور اس کے لیے میدان جہاد میں قدم رکھنا بھی ہم ناگزیر سمجھتے ہیں تو پھر صہیونی غلام افواج کے سامنے مطالبات پیش کرنا، ان سے امت مسلمہ کی نصرت کی کوئی امید رکھنا یا اپنے جہاد و عمل کو ان کی اجازت کے تابع کرنا اس جہاد کا راستہ نہیں ہے، ایسا کرنا الٹا صہیونیوں سے ہی دین اسلام کی نصرت طلب کرنے کے مترادف ہے۔ مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا، اس کی دوستی اور دشمنی کا فیصلہ شریعت کرتی ہے اور اس کی تائید و حمایت اللہ کی خاطر، اللہ کے لیے محبت و نفرت کے تابع ہوتی ہے، نہ کہ وطن، قوم یا گروہ اس کی بنیاد ہوا کرتے ہیں۔ امت مسلمہ اور اس کے مقدسات کی آزادی اور غلبۂ اسلام کے لیے جہاد فرض عین ہے، اور یہ جہاد ان صہیونی غلام افواج کے ساتھ تائید و ہمدردی کا تعلق رکھ کر کبھی نہیں ہو گا، بلکہ یہ تب ہی ہو پائے گا جب ان کے ساتھ براءت اور عداوت کا رویہ رکھا جائے۔ جو فوج آج بھی مجاہدین اسلام کے خلاف جنگ اپنا فرض سمجھتی ہے اور خونِ مسلم بہا کر صہیونیوں سے اس غلامی کی قیمت وصول کرتی ہے، ایسی فوج کو مسلمانوں کی فوج کہنے اور ان سے امریکہ اور اسرائیل کے خلاف جہاد کی اپیلیں کرنے کی بجائے اس کے خلاف جنگ و جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ رب کریم امت مسلمہ پر رحم فرمائے، مجاہدین اسلام کو ہدایت اور اتفاق و اتحاد نصیب فرمائے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 21 پر)

شہدائے بالاکوٹ کا مقام و پیغام

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اس معرکے میں وہ پاک نفوس شہید ہوئے، جو عالم انسانیت کے لیے رونق و زینت اور مسلمانوں کے لیے شرف و عزت اور خیر و برکت کا باعث تھے۔ مردانگی و جوانمبردی، پاکیزگی و پاکبازی، تقدس و تقویٰ، اتباع سنت و شریعت اور دینی حمیت و شجاعت کا وہ عطر جو خدا جانے کتنے باغوں کے پھولوں سے کھینچا گیا تھا اور انسانیت اور اسلام کے باغ کا جیسا "معطر مجموعہ" صدیوں سے تیار نہیں ہوا تھا اور جو ساری دنیا کو معطر کرنے کے لیے کافی تھا۔ ۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ کو بالاکوٹ کی مٹی میں مل کر رہ گیا۔ مسلمانوں کی نئی تاریخ بنتے بنتے رہ گئی۔ حکومتِ شرعی ایک عرصہ کے لیے خوابِ بے تعبیر ہو گئی۔ بالاکوٹ کی زمین اس پاک خون سے لالہ زار اور اس گنج شہیداں سے گلزار بنی، جس کے اخلاص و للّٰہیت، جس کی بلند ہمتی و استقامت، جس کی جرأت و ہمت اور جس کے جذبۂ جہاد و شوقِ شہادت کی نظیر پچھلی صدیوں میں ملنی مشکل ہے۔ بالاکوٹ کی سنگلاخ و ناہموار زمین پر چلنے والے بے خبر مسافر کو کیا خبر کہ یہ سرزمین کن عشاق کا مدفن اور اسلامیت کی کس متاعِ گرانمایہ کا مخزن ہے۔

یہ بلبلوں کا صبا مشہدِ مقدس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو، یہ تیرا باغ نہیں

اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک مخلص بندے کے ہاتھ پر اپنے مالک سے اس کی رضا، اس کے نام کی بلندی اور اس کے دین کی فتح مندی کے لیے آخری سانس تک کوشش کرنے اور اس راہ میں اپنا سب کچھ مٹا دینے کا عہد کیا تھا۔ جب تک ان کے دم میں دم رہا، اسی راہ مین سرگرم رہے۔ بالآخر اپنے خونِ شہادت سے اس پیمانِ وفا پر آخری مہر لگا دی۔ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ۲۴ ذوالقعدہ کا دن گزر کر جو رات آئی، وہ پہلی رات تھی، جس رات کو وہ سبک دوش و سبک سر ہو کر میٹھی نیند سوئے۔

وہ خلعتِ شہادت پہن کر جس کریم کی بارگاہ میں پہنچے، وہاں نہ مقاصد کی کامیابی کا سوال ہے، نہ کوششوں کے نتائج کا مطالبہ، نہ شکست و ناکامی پر عتاب ہے، نہ کسی سلطنت کے عدمِ قیام پر محاسبہ۔ وہاں صرف دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں، صدق و اخلاص اور اپنی مساعی اور وسائل کا پورا استعمال۔ اس لحاظ سے شہدائے بالاکوٹ اس دنیا میں بھی سرخرو ہیں اور ان شاء اللہ دربارِ الٰہی میں بھی با آبرو کہ انہوں نے اخلاص کے ساتھ اپنے مالک کی رضا کے لیے اپنی مساعی اور وسائل کے استعمال میں ذرّہ برابر کمی نہیں کی۔ ان کا وہ خونِ شہادت، جو ہماری مادی نگاہوں کے سامنے بالاکوٹ کی مٹی میں جذب ہو گیا اور اس کے جو چھینٹے پتھروں پر باقی تھے، ۲۶ ذوالقعدہ کی بارش نے ان کو بھی دھو دیا، وہ خون، جس کے نتیجے میں کوئی سلطنت قائم نہیں ہوئی، کسی قوم کا مادی و سیاسی عروج نہیں ہوا، اور کوئی نخلِ آرزو اس سے سرسبز ہو کر بارآور نہیں ہوا، اس خون کے چند قطرے اللہ کی میزانِ عدل میں پوری پوری سلطنتوں سے زیادہ وزنی ہیں۔ یہ فقیرانِ بے نوا، جنہوں نے عالمِ مسافرت میں بے کسی کے ساتھ جان دی اور جن کی اب دنیا میں کوئی مادی یادگار نہیں، یہ اللہ کے ہاں ان بانیانِ سلطنت اور موسسینِ حکومت سے کہیں زیادہ قیمتی اور معزز ہیں، جن کی تصویر قرآن نے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۚ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۚ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۝ (الرعد: ۳۹)

"جب تم ان کو دیکھو تو ان کے ڈیل ڈول تمہیں بہت اچھے لگیں، اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ۔"

بے شک شہدائے بالاکوٹ کے خون نے دنیا کے سیاسی و جغرافیائی نقشے میں کوئی فوری تغیر نہیں پیدا کیا۔ خونِ شہادت کی ایک مختصر سرخ لکیر ابھری تھی۔ اس کی جگہ نہ جغرافیہ نویس کے طبعی نقشے میں تھی، نہ مورخ کے سیاسی مرقع میں۔ لیکن کسے خبر کہ یہ خونِ شہادت دفترِ قضاء و قدر میں کس اہمیت و اثر کا مستحق سمجھا گیا۔ اس نے مسلمانوں کے نوشتۂ تقدیر کے کتنے دھبے دھوئے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے یہاں، جس کے یہاں محو اثبات کا عمل جاری رہتا ہے، يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ[1] کون سے فیصلے کروائے، اس نے کسی مستحکم سلطنت کے لیے خاتمہ و زوال اور کسی پس ماندہ قوم کے لیے عروج و اقبال کا فیصلہ کروایا، اس سے کسی قوم کا بخت بیدار ہوا اور کس سرزمین کی قسمت جاگی۔ اس نے کتنی بظاہر ناممکن الوقوع باتوں کو ممکن بنا دیا اور کتنی بعید از قیاس چیزوں کو واقعہ اور مشاہدہ بنا کے دکھا دیا۔

یوں تو شہدائے بالاکوٹ میں سے ہر فرد کا پیغام یہ ہے کہ:

يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ (یٰس: ۲۶، ۲۷)

"کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے باعزت بندوں میں شامل فرما دیا۔"

---

[1] اللہ جس (حکم) کو چاہتا ہے، منسوخ کر دیتا ہے، اور (جس کو چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے۔ اور تمام کتابوں کی جو اصل ہے، وہ اسی کے پاس ہے۔ (سورۂ الرعد: ۳۹)

مگر گوشِ شنوا اور دیدۂ بینا کے لیے ان کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ ہم ایک ایسے خطۂ زمین کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے رہے، جہاں ہم اللہ کے منشاء اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکیں، جہاں ہم دنیا کو اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کا نمونہ دکھا کر اسلام کی طرف مائل اور اس کی صداقت و عظمت کا قائل کر سکیں، جہاں نفس و شیطان، حاکم و سلطان اور رسم و رواج کے بجائے خالص اللہ کی حکومت و اطاعت ہو۔

وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال: ۳۹)

"اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔"

جہاں طاعت و عبادت اور صلاح و تقویٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع اور فضا ساز گار ہو اور فسق و فجور و معصیت کے لیے زمین تنگ اور فضا ناساز گار، جہاں ہم کو صدیاں گزر جانے کے بعد پھر اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا [1] کی تفسیر و تصویر پیش کرنے کا موقع مل سکے۔ تقدیرِ الٰہی نے ہمارے لیے اس سعادت و مسرت اور اس آرزو کی تکمیل کے مقابلے میں میدانِ جنگ کی شہادت اور اپنے قرب و رضا کی دولت کو ترجیح دی۔ ہم اپنے رب کے اس فیصلے پر رضامند و خورسند ہیں۔ اب اگر اللہ نے تم کو دنیا کے کسی حصے میں کوئی ایسا خطۂ زمین عطا فرمایا، جہاں تم اللہ کے منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکو اور اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کے قائم کرنے میں کوئی مجبوری غُل اور کوئی بیرونی طاقت حائل نہ ہو، پھر بھی تم اس سے گریز کرو اور ان شرائط و اوصاف کا ثبوت نہ دو، جو مہاجرین و مظلومین کے اقتدار اور سلطنت کا تمغۂ امتیاز ہیں۔ تو تم ایسے کفرانِ نعمت اور ایک ایسی بدعہدی کے مرتکب ہو گے، جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ ہم نے جس زمین کے چپے چپے کے لیے جدوجہد کی اور اس کو اپنے خون سے رنگین کر دیا، اکوڑے اور شیدو کے میدان اور تورو اور ملیار کی رزم گاہ سے لے کر بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک ہمارے خونِ شہادت کی مہریں اور ہمارے شہیدوں کی قبریں ہیں۔ تم کو خدا نے اس زمین کے وسیع رقبے اور سرسبز و شاداب خطے سپرد فرمائے اور بعض اوقات قلم کی ایک جنبش اور برائے نام کوشش نے تم کو عظیم سلطنتوں کا مالک بنا دیا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (حج: ۴۱)

"یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں۔"

اب اگر تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور تم نے آزادی کی اس نعمت اور خداداد سلطنت کی اس دولت کو جاہ و اقتدار کے حصول اور حقیر و فانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا، تم نے اپنے نفوس اور اپنے متعلقین، ملک کے شہریوں اور باشندوں پر خدا کی حکومت اور اسلام کا قانون جاری نہ کیا اور تمہارے ملک اور تمہاری سلطنتیں اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنے قانون و سیاست اور تمہارے حاکم اپنے اخلاق و سیرت اور اپنی تعلیم و تربیت میں غیر اسلامی سلطنتوں اور غیر مسلم حاکموں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے، تو تم آج دنیا کی ان قوموں کے سامنے، جن سے تم نے مسلمانوں کے لیے الگ خطۂ زمین کا مطالبہ کیا اور کل خدا کی عدالت میں جہاں اس امانت کا ذرہ ذرہ حساب دینا پڑے گا، کیا جواب دو گے؟ خدا نے تم کو ایک ایسا نادر و زریں موقع عطا فرمایا ہے، جس کے انتظار میں چرخِ کہن نے سینکڑوں کروٹیں بدلیں اور تاریخ اسلام نے ہزاروں صفحے الٹے، جس کی حسرت و آرزو میں خدا کے لاکھوں پاک نفس اور عالی ہمت بندے دنیا سے چلے گئے۔ اس موقع کو اگر تم نے ضائع کر دیا، تو اس سے بڑا تاریخی سانحہ اور اس سے بڑھ کر حوصلہ شکن اور یاس انگیز واقعہ نہ ہو گا۔ بالاکوٹ کے ان شہیدوں کا، جو ایک دور افتادہ بستی کے ایک گوشے میں آسودۂ خاک ہیں، ان سب لوگوں کے لیے اقتدار و اختیار کی نعمت سے سرفراز اور ایک آزاد اسلامی ملک کے باشندے ہیں پیغام ہے کہ:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُم (محمد: ۲۲)

"پھر اگر تم نے (جہاد سے) منہ موڑا تو تم سے کیا توقع رکھی جائے؟ یہی کہ تم زمین میں فساد مچاؤ، اور اپنے خونی رشتے کاٹ ڈالو۔"

(سیرت سید احمد شہیدؒ کے مقدمہ سے ماخوذ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: اجنبی ___ کل اور آج

"امام احمد بن حنبلؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کے درمیان کسی بات میں اختلافِ رائے پیدا ہو جائے تو دیکھو کہ محاذوں والے کس طرف ہیں کیونکہ بے شک حق ان کے ساتھ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: 'اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم ضرور بالضرور ان کو اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے'۔"

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

زیارتِ مقامِ شوق: بالاکوٹ

(طبعِ ثانی مع جدید اضافہ جات)

معین الدین شامی

اگر اس دنیا میں کچھ مقاماتِ شوق ہیں، جنہیں دیکھا جائے تو وہ کیا ہیں؟ قصر الحمراء، تاج محل، یا کچھ اور؟ بلا شبہ قصر الحمراء ہو یا تاج محل یہ مسلمانوں کے زمانۂ عروج کی ظاہری نشانیاں ہیں۔ لیکن یہ نشانیاں جس عروج کی ہیں اس عروج سے پہلے کے مراحل جہاں طے ہوتے ہیں، فی الحقیقت وہ مقامات ہی مقاماتِ شوق کہلانے کے مستحق ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ غرناطہ و اشبیلیہ اور قرطبہ و وادی الکبیر دیکھنے کا اشتیاق ہمارے قلب و نظر کو نہیں، بلکہ زمانۂ بچپن ہی سے ہمارا قلب، غمِ اندلس میں روتا رہا ہے اور تاج محل کو دیکھنے کی خواہش بھی کم از کم دو دہائیوں سے ہے، جب سے ہم نے اپنے والدِ ماجد سے تاج محل کا چشم دید احوال سنا۔ لیکن اسی کے ساتھ کیفیتِ قلب یہ تھی کہ مجھے بہت سے دیگر نیاز مندوں کی طرح تاج محل سے زیادہ سلطان فتح علی ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کا مزار دیکھنے کا شوق تھا اور ہے۔ اسی طرح جب اپنے نانا ابا مرحوم سے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زیارتِ مزار کا ذکر سنا تو میں اپنے شعورِ شوق میں اس زیارتِ مزار میں بھی ان کے ساتھ تھا۔

بہر کیف، آٹھ سال قبل موسمِ گرما میں، میں اپنے شہرِ وطن سے قلبِ برِّ صغیر، شہرِ زندہ دِلان، لاہور بذریعہ مسافر بس پہنچا۔ لاہور میں پہلی منزل ایک عالمِ دین ساتھی کا گھر تھی۔ مولوی صاحب کے گھر پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ جن مجاہد دوستوں کے ساتھ بالاکوٹ جانے کا ارادہ تھا وہ ابھی تک طے کردہ، مولوی صاحب کی جگہ پر نہیں پہنچے تھے۔ غالباً ساڑھے دس بج چکے تھے، پھر سفر اور گرمی نے تھکا دیا تھا، سو نماز پڑھ کر اور انسدادِ گرمی میں نہا کر سو گیا۔ علی الصباح مولوی صاحب نے نماز کے لیے جگایا۔ نماز پڑھ کر بیٹھا تھا کہ قریشی صاحب آ گئے۔ قریشی صاحب کی آمد کے بعد ہم اپنے چوتھے رفیقِ سفر میاں صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

دن چڑھے میاں صاحب کو لیا اور مقامِ شوق کی طرف چل پڑے۔ لاہور سے بالاکوٹ تک کا ہمارا بیشتر سفر بذریعہ 'نیشنل ہائی وے نمبر ۵' تھا جسے عرف میں ہمارے یہاں جی ٹی روڈ کہتے ہیں۔ لاہور سے ہم موٹر وے (M2) پر چڑھے اور کالا شاہ کاکو سے اتر کر جی ٹی روڈ پر گوجرانوالہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ کالا شاہ کاکو سے بیسیوں بار گزرنا ہوا ہے اور شاذ ہی ایسا ہوا ہو گا کہ وہاں سے گزرتے ہوئے اپنے بعض شہید ساتھی یاد نہ آتے ہوں، جن میں سرِ فہرست فیصل آباد کے بھائی فیصل ہیں، جو مجاہدین میں فرقان کے نام سے معروف تھے۔ فرقان بھائی نے قریباً تین چار سال ارضِ ہجرت میں گزارے جہاں وہ برقیات (الیکٹرانکس) اور توزیع (دعوتی مواد کی تقسیم) کے شعبوں سے وابستہ رہے۔ فیصل آباد میں بھی آپ کی دعوتی سرگرمیاں معروف ہیں اور آج تک ان کی محنتیں اس شہر اور اطراف میں برگ و گل بحمد اللہ کِھلا رہی ہیں۔

سال ۲۰۱۵ء میں فرنٹ لائن اتحادی فوج کی ملٹری انٹیلی جنس کے کالا شاہ کاکو میں ایک چھاپے میں فرقان بھائی دیگر ساتھیوں سمیت مقامِ شہادت پر فائز ہوئے اور دس سے زائد فرنٹ لائن اتحادی بھی اگلے جہان میں اسی خانے میں داخل ہو گئے جس میں ان کے آقا جاتے ہیں۔

قریباً ایک گھنٹہ مزید سفر کرنے کے بعد، ہم بابِ وزیر آباد سے گزر کر وزیر آباد شہر کی طرف جا رہے تھے۔ جی ٹی روڈ سے چند کلومیٹر دور ہی وزیر آباد کا قصبہ سارو کی ہے جو شہید ناموسِ رسالت غازی عامر چیمہ شہیدؒ کا آبائی وطن اور حالیہ مسکن ہے۔ یوں تو کوئی دور نہ ایسا گزرا ہے نہ ایسا آئے گا کہ جس میں عاشقانِ ناموسِ رسالت کی اہمیت کم ہو، لیکن جس دور سے ہم اس وقت گزر رہے ہیں یہ دور اپنی اہمیت میں یکتا ہے۔ شیخ انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ 'ہمیں آج صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی سعادت حاصل کرنے کا موقع میسر ہے، جیسے صحابہ نے دین کی عمارت کی تعمیر بالکل بنیاد سے کی تھی آج اقامتِ دین کی تعمیر کو بالکل بنیاد سے کرنے کا موقع ہمیں حاصل ہے، پس ایسے میں اس خدمت میں اپنے آپ کو لگانا باقی سب زمانوں سے زیادہ افضل ہے اور کم عمل سے زیادہ اجر کمانے کا موقع ہمیں میسر ہے'۔ اسی طرح کا معاملہ آج ناموسِ رسالت کے مسئلے میں بھی ہے۔ کفار کی افضل الخلائق علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق دریدہ دہنی بے شک سورج کی طرف منہ کر کے تھوکنے کے مترادف ہے لیکن جن مونہوں سے یہ جھاگ نکلے تو ان مونہوں پر اپنی تلواروں اور بندوقوں سے مارنا افضل الاعمال میں سے ہے جس پر قرآن و حدیث شاہد ہیں۔ جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں تو اسرائیل اپنی پوری قوت کے ساتھ غزہ و رفح کو ملیامیٹ کر رہا ہے اور ساتھ ہی اسرائیل کے بعض چوراہوں پر کچھ بد اصل یہودی ناچتے اور گاتے نظر آ رہے ہیں جو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کر رہے ہیں۔ پس آج اسرائیل سے جنگ مسلمانوں کے دفاع، فلسطین کی آزادی اور مسجدِ اقصیٰ کی خاطر ہی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کی جنگ بھی ہے۔ امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ بات مشہور ہے کہ جس میں انہوں نے فرمایا کہ 'جب ہم سے دورانِ جنگ دشمن کا کوئی قلعہ فتح نہ ہو رہا ہوتا تھا تو ایسے میں ہم سنتے تھے کہ اہلِ قلعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے۔ اگرچہ یہ امر جان کر ہمیں بہت صدمہ ہوتا تھا لیکن ساتھ ہی ہمیں اس بات کا یقین ہو جاتا تھا کہ اب کفار کو یقیناً شکست ہو گی'[1]۔ پس یہی

[1] الصارم المسلول

آج ارضِ فلسطین میں جاری جنگ میں بھی ہو رہا ہے۔ جہاں اس گستاخی سے ہمارے کلیجے کٹتے اور خون کھولتا ہے تو ساتھ ہی اس میں ہم فتح و ظفر کی بشارت بھی پاتے ہیں۔ لیکن فتح و ظفر کی بشارت تو ان کے لیے ہے جو اس جنگ میں کسی نہ کسی صورت میں شریک ہوں، جہاد و قتال کی استطاعت نہ ہو، تو بیان و دعوت سے لڑیں وہ بھی نہ ہو تو صہیونی مصنوعات کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کریں، کچھ نہ پائیں تو مظاہرے و جلوس میں شرکت کریں، اللہ کے سامنے گڑگڑائیں اس امر پر کہ ہم اس لشکر میں شامل نہیں ہو سکتے، یہ رونا اس لیے نہ ہو کہ گویا ہمارے آنسو ان مجاہدوں کے خون کے برابر ہیں یا ہمارا مظاہروں اور جلوسوں میں چلنا ان مرابط مجاہدوں جیسا ہے جو صفِ اول میں دشمن سے معرکہ آرا ہیں، بلکہ یہ رونا اس لیے ہو کہ ہم ان کے میدان میں دست و بازو نہ بن سکے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگر کسی عذر کے سبب میدانِ جنگ سے پیچھے رہ جاتے تو رو رو کر ان کے کلیجے منہ کو آجاتے تھے۔

ساروکی سے گزرنے کے بعد ہم وزیر آباد کے ریلوے جنکشن کے ساتھ تعمیر شدہ فلائی اوور سے گزر رہے تھے جب میاں صاحب کہنے لگے کہ 'سیّد احمد شہید کی جماعتِ مجاہدین کے اموال کی ترسیل بذریعہ وزیر آباد ہوا کرتی تھی۔ حالانکہ وزیر آباد سکھوں کا گڑھ تھا۔ لیکن سیّد صاحب کے ساتھیوں کی امنیت (اہتمامِ حفاظت) بفضل اللہ، اتنی اچھی تھی کہ ان کے راز افشا نہ ہوئے'۔ مقصدِ سفر چونکہ محض تفریح نہ تھا، بلکہ حضرت امیر المومنین، سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت تھا، سو راستے میں عموماً حضرت سیّد بادشاہ کا ذکر ہوتا رہا۔

بات آگے چلی کہ ابتداءً تو سیّد صاحب کے ساتھیوں کا 'طریقِ ہجرت' وہی تھا جو خود سیّد صاحب نے اختیار کیا تھا، یعنی یوپی سے راجستھان، پھر سندھ و بلوچستان، پھر قندھار، غزنی، کابل اور پھر علاقۂ سرحد۔ لیکن بعداً جو مہاجر مجاہدین آتے رہے وہ یوپی سے براستہ پنجاب، علاقۂ سرحد میں داخل ہوتے جو آدھے سے بھی کم مسافت تھی۔ ہاں یہاں حفاظت کا اہتمام خوب زیادہ کرنا پڑتا تھا اور کبھی کوئی حادثہ بھی پیش نہ آیا۔

ہم وزیر آباد سے تو گزر چکے تھے، لیکن ہماری گفتگو اس موضوع پر کچھ دیر جاری رہی۔ یاد آیا کہ خود سیّد صاحب نے جب پشاور کے خائن خوانین کو ایک بار مخاطب کیا تو ان سے یہی کہا تھا کہ تم کیسے مسلمان ہو کہ ہمارے ہندوستانی مہاجر بھائی، سکھوں کے علاقے سے تو بخیر و عافیت گزر آتے ہیں لیکن تمہارے علاقے میں داخل ہوتے ہیں تو لُوٹ لیے جاتے ہیں، بے عزت کیے جاتے ہیں۔ بعض مہاجرین کو تو ان خائنین نے پکڑ کر دریائے سندھ میں ڈبکیاں بھی لگوائیں، پگڑیاں چھین لیں اور نہایت ذلیل کیا[۲]۔ کتابوں میں پڑھی اسی یاد کے ساتھ خیال آیا کہ منافق کردار ہمیشہ ایسے ہی رہے ہیں اور آج بھی ان کا یہی طرزِ عمل ہے۔ امارتِ اسلامیہ افغانستان کے ۲۰۰۱ء کے اواخر میں سقوط کے بعد مہاجر مجاہدینِ عرب و عجم جب آج کے پاکستان میں داخل ہوئے تو پرویز مشرف کے اپنے اعتراف کے مطابق اس نے ساڑھے چھ سو سے زائد عرب مجاہدین پکڑ کر امریکیوں کے حوالے کیے۔ یہ مہاجر مجاہدین امریکیوں سے تو بچ گئے، لیکن 'مومنوں' نے ان کو پکڑ لیا اور کیوبا کے پنجرے ان سے آباد کروانے میں امریکہ کے لیے 'سہولت کاری' کی۔ انہوں نے صلے میں ڈالر تو وصول کیے لیکن 'اصل' صلہ وہ تھا جو ایک امریکی اخبار نے کارٹون کی صورت میں 'عطا' کیا، جس میں افواجِ پاکستان اور انٹیلی جنس اداروں کو ایک کتے کی شکل میں دکھایا گیا، جس نے چوٹی کے ایک عرب مجاہد قائد [شیخ ابو فرج اللیبی (فک اللہ اسرہ)] کو اپنے جبڑوں میں دبوچا ہوا ہے اور امریکی فوجی آقا کو پیش کر رہا ہے اور امریکی آقا کتے سے کہتا ہے کہ 'شاباش! اب جا کر اسامہ بن لادن کو تلاش کرو!'، [بعد میں (امریکیوں کی منظر کشی کے مطابق یہی 'بے وفا کلبِ زر خرید') شیخ اسامہ بن لادن کی بُو سونگھنے میں کامیاب ہو گیا اور ان کا بھی سودا کیا]۔

علاقۂ سرحد کے خائن خوانین کا حشر بھی، سیّد صاحب سے خیانت کے بعد اس سے کچھ مختلف نہیں ہوا تھا۔ بلکہ انہوں نے نہایت ذلت کے ساتھ رنجیت سنگھ کو خراج دینا منظور کیا اور تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خائن لوگوں کی عورتوں کو سکھ اٹھا کر لاہور لے گئے اور بعد میں یہ عورتیں پنجاب کے بازاروں میں 'زنانِ بازاری' بن گئیں، جن کی اولادیں نجانے آج تک کتنی ناپاکیاں لاہور و ملتان کے بازاروں میں ڈھو رہی ہیں، حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ ظاہر ہے کہ ان عورتوں کا تو کچھ قصور نہیں تھا، لیکن قصور ان بد بختوں کا تھا جنھوں نے اپنی 'روایات و قوانین' کو شریعت پر ترجیح دے کر اور رنجیت سنگھ کا 'فرنٹ لائن اتحادی' بن کر سیّد بادشاہ کے ساتھ خیانت کی تھی۔ آج کے خائنوں کو بھی اس سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔

میرے ذہن کی سکرین پر وہ واقعہ بھی ساتھ ہی گھوم گیا جب آج سے ایک دہائی یا کچھ زیادہ قبل آسٹریلیا سے ایک مسلمان خاتون 'اُمّ عمر'، حفاظتِ ایمان کی خاطر اپنے بچوں سمیت مہاجر ہو کر یمن کے شہر صنعاء میں آ کر بسی۔ امریکی تربیت یافتہ اور سعودی نمک خوار یمنی فوج نے اس خاتون کے گھر چھاپہ مار کر اس کو اٹھا لیا۔ یہ اللہ والی 'آسٹریلوی-یمنی عافیہ صدیقی' کہنے لگی کہ 'بھائیو! تم میرے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ تم جانتے ہو کہ میں ایک عورت ہوں۔ میں اللہ کے لیے ہجرت کر کے یمن آئی ہوں۔ اور تم تو میرے ''انصار'' (مددگار) ہو؟!'۔ جواباً یمنی فوج کے

---

[۲] پگڑی اور عزت کے تعلق کا تصور اب ہمارے معاشرے سے مفقود ہو چکا ہے، لیکن یہی تصور آج بھی افغانستان و پاکستان کے سرحدی و بلوچ قبائل میں پایا جاتا ہے۔ زیادہ دور کی نہیں محض تین دِہائیاں قبل کی بات ہے کہ خود راقم کے دادا مرحوم گھر سے باہر بنا پگڑی سر پر باندھے نکلنے کو بے عزتی گردانتے تھے۔

کلمہ گو افسر نے کہا ’إنّنا نصاریٰ ولسنا اأنصاراً!، ہم تمہارے انصار نہیں ہیں، بلکہ ہم نصاریٰ یعنی صلیبی ہیں!)‘۔

ذہن و نظر کی جب سڑک پر واپسی ہوئی تو جی ٹی روڈ کے بعض مقامات کو دیکھ کر ماضی کے تصور میں پہنچ گیا۔ سلطانِ عادل، محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیرؒ کا جہادی جنگی تزویراتی اہمیت کے پیشِ نظر دریائے جہلم کے کنارے، کشمیر و پنجاب کی سرحد پر سلطنتِ اسلامیہ قائم رکھنے کے لیے آباد کردہ ’سرائے عالمگیر‘ جو دراصل بطورِ چھاؤنی بسایا گیا تھا۔ دینہ کے قریب شیر شاہ سوریؒ کا قلعہ روہتاس، جس کا نام شیر شاہ سوری نے صوبۂ بہار کے قلعہ روہتاس گڑھ کے نام پر رکھا تھا اور قلعہ روہتاس گڑھ شیر شاہ نے کمال دانائی سے فتح کیا تھا، جس کے قصّے کا یہ مقام نہیں۔ سوہاوہ میں شہاب الدین محمد غوریؒ کے مزار کے پاس سے گزر ہوا۔ پھر آج کا روات جو کل شیر شاہ سوریؒ نے بطورِ ’رباط‘ یعنی ’پہرہ گاہ‘ آباد کیا تھا اور وہاں بھی ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ نجانے انہی خیالوں میں کتنا وقت گزر گیا۔ حقیقی خیالوں کی اصلی دنیا سے جب واپسی ہوئی تو ہم راولپنڈی کی مال روڈ پر تھے۔ بسمتِ پشاور جی پی او چوک سے پہلے دائیں ہاتھ پر انگریزوں کا بنایا کلیسا ’سینٹ پال چرچ‘ تھا اور بائیں ہاتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کا جنرل ہیڈ کوارٹر۔ ہمارا سفر تو جاری تھا لیکن شاید وقت پچھلی کئی صدیوں سے ٹھہرا ہوا تھا، یا وقت تو شاید نہیں ٹھہرا تھا لیکن، زمانے کے سٹیج پر کردار اب تک ویسے ہی تھے، کسی عالمگیر کے مقابل ہندو راجے، مرہٹے اور اپنا ہی لادین بھائی داراشکوہ[3]، کسی غوری کے مقابل پرتھوی راج، سیّد بادشاہ کے مقابل رنجیت سنگھ اور انیسویں صدی کے نادرن کمانڈ ہیڈ کوارٹرز راولپنڈی (جو قیامِ پاکستان کے بعد جی ایچ کیو قرار پایا) سے شریعت کا مطالبہ کرتے مجاہدوں کے خلاف جنگ۔

جب ہم لالہ موسیٰ، کھاریاں، سرائے عالمگیر اور دینہ سے گزر رہے تھے تو استادِ محترم مولوی صاحب نے مشہور صوفی پنجابی شاعر میاں محمد بخش صاحب کے چند اشعار گنگنانا شروع کر دیے۔ مولوی صاحب اپنی پسند کے چند اشعار پڑھتے جاتے اور میاں صاحب ساتھ ساتھ اپنی ہُو لگاتے۔ میاں محمد بخش کے کلام اور ہمارے ساتھی میاں صاحب کی ہُو نے میرے دادا رحمۃ

[3] داراشکوہ آج کل کے نام نہاد ’سیکولر و لبرل صوفیوں‘ کا رہنما ہے، جس نے تمام ادیان کے اتباع کو حصولِ جنت جانا اور ’سرمد کاشانی‘ کو اپنا ’مرشد‘ قرار دیا۔ ’سرمد‘ پہلے ایک یہودی تھا، بعداًلادین صوفی بنا جو الف ننگا گھوما کرتا تھا اور سندھ کے شہر ٹھٹھہ کے ایک نو عمر ہندو لڑکے ابھائی چند کا عاشق ہو گیا تھا، سرمد نے اپنی رباعیات میں لکھا ہے کہ نہ وہ یہودی ہے، نہ مسلمان اور نہ ہی ہندو۔ نیز تاریخی روایات میں درج ہے کہ وہ محض ’لا الہ‘ کہا کرتا تھا اور ’الا اللہ‘ کا اقرار نہ کیا کرتا تھا اور اسی جرمِ الحاد کے سبب سلطانِ عادل اورنگزیب عالمگیرؒ نے سرمد کا سر قلم کروایا اور اسی لادینیت کی اتباع میں داراشکوہ نے عالمگیر سے جنگیں لڑیں اور یہی الحاد داراشکوہ کے قتل کا سبب بنا۔ آج کل کے بعض پاکستانی سیکولر لوگ ’داراشکوہ‘ کو اپنا آئیڈیل بتاتے ہیں اور اسی قسم کا ’جوگی تصوف‘ آج کل ہندوستان میں بھی داراشکوہ کے ذکر کے ساتھ فروغ دیا جا رہا ہے۔

[4] یعنی: اہلِ درد کا سخن اپنے اوپر خود گواہ ہے، جس دامن سے پھول بندھے ہوں تو ان کپڑوں سے خوشبو خود بخود آتی ہے۔

اللہ علیہ اور والدِ ماجد مدظلہ کی یاد تازہ کر دی کہ یہ دونوں ہی میاں محمد بخش صاحب کے اشعار کے عارف اور میں ان کا اس میں تھوڑا بہت وارث ہوں۔ میاں محمد بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جائے پیدائش ریاستِ کشمیر کا علاقہ میرپور ہے جو سلطنتِ مغلیہ کے زمانے میں میراں شاہ غازی نے آباد کیا، میاں محمد بخش صاحب کو اہلِ سخن و اہلِ علاقہ ’رومیٔ کشمیر‘ بھی کہتے ہیں۔ میاں محمد بخش صاحب کے چند اشعار یہاں نذرِ قارئین ہیں جن میں پہلا استادِ محترم مولوی صاحب کا پسندیدہ ہے:

درد منداں دے سخن محمد دیندے گواہی حالوں
جس پلے پھُل بدّھے ہوون آوے باس رومالوں[4]

قصے ہور کسے دے، اندر درد اپنے کُجھ ہوون
بن پیڑوں تاثیراں نائیں، بے پیڑے کد روون[5]

کچا رنگ للاری والا چڑھدا لہندا رہندا
عشق ترے دا رنگ محمد! چڑھیا فیر نہ لہندا[6]

نیچاں دی اشنائی کولوں فیض کسے نئیں پایا
کِکر تے انگور چڑھایا تے ہر گچھا زخمایا[7]

آپ مکانوں خالی، اس تھیں کوئی مکان نہ خالی
ہر ویلے، ہر چیز محمد، رکھدا نت سنبھالی[8]

رحمت دا مینہ پا خدایا باغ سُکا کر ہَریا
بُوٹا آس امید میری دا کر دے میوے بھریا[9]

یہ رات کا وقت تھا اور ہمیں اپنی پہلی منزل مانسہرہ پہنچنے کی جلدی تھی۔ سو راستے میں ایک پٹرول پمپ سے پٹرول ڈلوانے اور نمازیں پڑھنے کے سوا کہیں اور نہیں رکے۔ کئی کئی بار میں

[5] یعنی: اہلِ درد کی زبان پر قصے تو کسی اور کے رواں ہوتے ہیں لیکن دراصل درد اپنے دل کا ہوتا ہے جو ان قصوں کے بیان کا موجب ہے، درد کے بغیر کلام و بیان میں کب تاثیر ہوتی ہے اور بے درد کب رویا کرتے ہیں؟

[6] یعنی: کچا رنگ، کپڑے رنگنے والے کا ہوتا ہے، کبھی چڑھتا ہے کبھی اترتا ہے، لیکن اے اللہ! تیرے عشق کا رنگ ایسا رنگ ہے کہ ایک بار چڑھ گیا تو پھر اترتا نہیں، صِبۡغَةَ اللّٰهِ وَمَنۡ أَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً وَنَحۡنُ لَهُ عَابِدُونَ○

[7] یعنی: کمینے لوگوں کی یاری سے کبھی کوئی فیض یاب نہیں ہوا، کیکر کے خاردار درخت پر انگور جیسے نازک پھل کی بیل چڑھائی تو ہر خوشۂ انگور زخمی ہوا۔

[8] یعنی: وہ ذات جلّ جلالہٗ خود تو لا مکان ہے، لیکن کوئی مکان نہ اس کے تصرف سے خالی ہے نہ اس کے ذکر سے، وہ ذات ہر آن، ہر چیز کو اپنی شان کے مطابق سنبھالے ہوئے ہے۔

[9] یعنی: یا اللہ! میرے دل کا باغ تیرے عشق و محبت، تیری عبادات کی لذت سے خشک ہے، مولا! اپنی رحمت کی بارش برسا اور میری آس و امید کے شجر کو پھل پھولوں سے بھر دے!

راستے میں سو بھی گیا اور ہم ٹیکسلا، واہ، ہری پور اور پھر ایبٹ آباد سے ہوتے ہوئے غالباً رات کو دس گیارہ بجے مانسہرہ اپنے ایک پشتون میزبان کے گھر پہنچے۔ قریب میں ایک مہمان خانے میں رات گزاری، نمازِ فجر کے بعد ایک پر تکلف ناشتہ کیا اور پھر جب دن چڑھا تو قریبی نالے پر نہانے چلے گئے، یہ نالا صاف نالا ہے کوئی اسے اسلام آباد کے نالوں پر قیاس نہ کر لے، جن میں اول تو پانی ہوتا نہیں ہے اور اگر ہوتا ہے تو انتظامیہ کی بدانتظامی کے سبب دہائیوں سے یہ نالے گندے نالے بن گئے ہیں جن میں شہر بھر کی سیوریج کی لائنیں گرائی جاتی ہیں، بہر کیف مقامی لوگ اس کو دریا کہتے ہیں۔ اس علاقے کا نام مجھے اب اتنے سال گزر جانے کے بعد بالکل یاد نہیں ہے۔ لیکن اسی نالے کے ساتھ ایک بڑا میدان بھی ہے۔ خیر اس میدان کے بارے میں ہمارے پشتون میزبان نے بتایا کہ سیّد صاحب کے ساتھیوں کی یہاں بھی ایک بار سکھوں سے معرکہ آرائی ہوئی تھی۔ میرا اندازہ ہے کہ جنوب کی طرف سکھوں کا لشکر تھا اور شمال مشرق کی طرف سے مجاہدین نے ان پر حملہ کیا اور ان کا سالمین غانمین واپس لوٹنا بہر حال ثابت ہے۔

یہ دن ہم نے مانسہرہ ہی میں گزارا۔ قریب ایک تفریح گاہ تھی، وہاں بھی جانا ہوا، راستے میں ہم نے ایک حلوائی کی دکان سے جس کا 'کھویا' مشہور ہے، خریدا اور میری توقع کے بر خلاف وہ اتنا لذیذ تھا کہ نہ میں نے اس سے پہلے کبھی ایسا کھویا کھایا اور نہ بعد میں۔

شام کو میزبان کے گھر لوٹے۔ انہوں نے پلاؤ، قورمہ، سیخ کباب اور مانسہرہ کے لوگوں کے خاص انداز سے بنائے راستے سے تواضع کی۔ اس راستے کی دقیق ترکیب تو مجھے معلوم نہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ اس میں اخروٹ کُوٹ کر ڈالا جاتا ہے۔ پہلے پہل اس راستے کے بارے میں میرا خیال تھا کہ یہ ہمارے میزبان کی خاص پیشکش ہے، لیکن بعد میں کئی اور مانسہریوں سے بھی اور مانسہرہ آنے جانے والوں سے بھی معلوم ہوا کہ ان کا یہ رائتہ مشہور ہے، بہر کیف، کھایا، اللہ کا شکر ادا کیا، میزبان کو دعائیں دیں اور قریبی مہمان خانے سونے کے لیے چلے گئے۔

اگلی صبح ہم بالاکوٹ کے لیے روانہ ہوئے۔ میں قریباً بارہ سال پہلے بھی بالاکوٹ جا چکا ہوں۔ لیکن تب ہمارا اصلی قصد بالاکوٹ نہیں تھا، اس لیے ہم صرف ایک رات بالاکوٹ میں رکے اور علی الصباح وہاں سے کاغان و ناران کی طرف روانہ ہو گئے [1]، گو کہ اس بار کا قیام بھی صبح سے شام تک ہی تھا، لیکن بالاکوٹ خود مقصد تھا سو اس قیام میں بہت کچھ دیکھنے اور محسوس کرنے کا موقع ملا۔ البتہ بارہ سال پہلے کی رات بھی بالکل خالی نہیں گئی تھی، بلکہ جب میرے تمام رفقائے سفر سو گئے تھے تو میں اکیلا رات گئے کنہار کے کنارے آیا تھا۔ پھر جس مقام پر میں کھڑا تھا وہاں پر کنہار کا عرض تنگ ہو جاتا ہے، یہاں سے کافی دیر تک کنہار کی بپھری موجوں کو دیکھتا رہا تھا۔ دریائے کنہار کی موجیں اس کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھیں اور رات کے سناٹے میں ان موجوں کا شور بہت زیادہ تھا۔ میں جب ان اچھلتی، بپھرتی، بل کھاتی، پتھروں کو اپنے ساتھ بہاتی، تند و تیز موجوں کو دیکھ رہا تھا تو میرے ذہن میں وہ تاریخی روایت تھی جس کے مطابق سیّد صاحب کی نعش کو کنہار بہا کر لے گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ کیسی موجیں ہوں گی جنہوں نے اپنے زمانے کے مجدد کو اپنے اندر ڈبویا ہو گا اور ان کی نعش کھینچ کر لے گئی ہوں گی۔ بعد میں سیّد صاحب کی نعش ملی یا نہیں، اس پر لائقِ قدر مؤرخین نے لکھا ہے، لیکن اگر ان کی نعش کنہار ہی لے گیا تو وہی مولانا سیّد ابو الحسن علی ندویؒ اور دیگر حضرات کی نقل کردہ بات کہ سیّد صاحب سے کسی نے کہا کہ آپ قبور پرستی کے خلاف دعوت دیتے ہیں اور اس شرک سے لوگوں کو روکتے ہیں، جب آپ فوت ہو جائیں گے تو لوگ آپ کی قبر کا بھی ایسا ہی مزار بنا لیں گے اور قبر پرستوں اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کا تانتا آپ کی قبر پر بھی بندھا ہو گا! جواباً سیّد بادشاہ نے فرمایا تھا کہ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ میری قبر بے نشان ہو اور اس کا کچھ پتہ کسی کو نہ ہو تا کہ میری قبر اس جہالت سے محفوظ رہے۔ اور سیّد صاحب کی دعا قبول ہوئی کہ ایک روایت کے مطابق آپ کی نعش ملی ہی نہیں (جو مقامات آپ کی قبر کے طور پر مشہور ہیں ان کا ذکر آگے آئے گا)۔

میں اس رات، کنہار کو دیکھتا رہا، کنہار کی موجوں کی آواز جسے ہم شور سے تعبیر کر رہے ہیں، شور نہیں ہے، بلکہ ایک پیغام کی ترجمانی ہیں۔ یہ پیغام نفاذِ اسلام کا پیغام ہے، شریعت پر عمل کرتے ہوئے شریعت کی خاطر جینے کا اور پھر شریعت ہی کی خاطر شہادت کو گلے لگانے کا کہ کنہار کے پانی میں تیرہویں صدی ہجری کے بہترین لوگوں کا خون ملا ہے۔ یہ کنہار سیّد بادشاہ کی تحریکِ بر حق کا دنیا میں سب سے بڑا زندہ عینی گواہ ہے، بلکہ اس نے اس تحریک کے پیغام کو اپنے اندر سمو رکھا ہے، بس بصر چاہیے جو اس پیغام کی عبارت کو پڑھے اور وہ سمع چاہیے جو اس پیغام کو سن سکے۔

---

[1] کاغان ناران جانے کا تجربہ نہایت برا ثابت ہوا۔ عرف میں ہم 'مولوی لوگ'، اصل میں مجاہدین جب یہاں پہنچے اور خاص کر جب جھیل سیف الملوک پہنچے تو سخت پریشان ہوئے اور مجھے تو سخت غصہ آیا۔ اس کا سبب یہاں کی بے حد و حساب فحاشی تھی۔ عورتیں اور ان میں بے حجاب و حیا باختہ عورتیں اس قدر زیادہ تھیں کہ ہمارے لیے نظر اٹھانا محال تھا۔ اس سبب ہم جھیل سیف الملوک بھی صحیح سے نہ دیکھ سکے۔ بعداً ہمارے ایک ساتھی نے ایک کونۂ عافیت ڈھونڈا، جہاں عافیت و عفت تو تھی لیکن سیف الملوک کا وہ حُسن نہیں تھا جس کو نہ صرف دیکھنا جائز ہے بلکہ اس حُسن کو دیکھ کر وطنِ اصلی 'جنت' کو یاد کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ایک ساتھی کو اس قدر غصہ آیا کہ کہنے لگا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جھیل کو مٹی سے پاٹ دوں کہ یہ فحاشی کا سلسلہ تو ختم ہو۔ سیف الملوک جانے کا راستہ عموماً فور بائی فور جیپوں پر طے کیا جاتا ہے کہ کسی اور گاڑی کا ان کچی چڑھائیوں پر چڑھنا ناممکن ہے اور جب جیپ وہاں چڑھتی ہے تو ایک طرف چڑھائی اور دوسری طرف گہری کھائی کو دیکھ کر انسان ایک خوف میں مبتلا رہتا ہے، لیکن مقامِ عبرت یہ ہے کہ یہ خوف ناک کھائیاں اور چڑھائیاں عبور کر کے 'انسانوں' کی کثیر بے حیا تعداد اپنے جلوے دکھانے اور باقی دیکھنے جاتی ہے، حالانکہ چڑھائی چڑھتی جیپ بعض جگہوں پر محض دو چار انچ دائیں بائیں ہو جائے تو انسان سیدھا موت کی کھائی میں چلا جائے۔ ممکن ہے کہ اب وہاں کا راستہ ایسا خطرناک نہ رہا ہو، لیکن اللہ کے خوف کی تو بہر حال و کیفیت ضرورت ہے!

کبھی لٹا تھا یہاں قافلہ تمنا کا
نظر اِدھر سے اُدھر بار بار پھرتی ہے

وہ جبکہ تیغوں کے سائے میں دورِ جام چلا
نگاہوں میں وہ شبِ یادگار پھرتی ہے

بہر کیف، ہم مانسہرہ سے بالا کوٹ کو روانہ تھے۔ شاید صبح سات ساڑھے سات بجے ہم بالا کوٹ کے مضافات میں پہنچے۔ ناشتہ ایک ڈھابے پر کیا۔ میرے رفقا چائے کے شوقین تھے اور چائے ڈھابے پر یا تو اچھی نہیں تھی یا ملی ہی نہیں تھی، سو مزید آگے چلے اور بالا کوٹ میں پی ٹی ڈی سی موٹل کی طعام گاہ میں بیٹھ کر چائے پی۔ میری نظر میں چائے کا مزا، اس کو محض پینے میں نہیں بلکہ یاروں دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر پینے میں ہے جو اکثر میرے لیے ٹھنڈی ہی ہو جاتی ہے، لیکن یادوں اور احساس کی گرمی و حدّت سالوں برقرار رہتی ہے، جیسے اس بار کی اب تک یاد و احساس میں محفوظ ہے۔

چائے پی کر فارغ ہوئے تو سب سے پہلے ہم معرکۂ بالا کوٹ کے مقام پر پہنچے جس کی کوئی نشانی موجود نہیں ہے، سوائے ان روایات کے، کہ جو سینہ در سینہ چلتی آئی ہیں۔ ہمارے مقامی میزبان ہمیں پہاڑی پگڈنڈیوں پر لے کر ایک طرف کو روانہ ہوئے۔ شاید آدھ گھنٹے کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک چشمے کے پاس پہنچے جو ایک درّے میں بہہ رہا تھا۔ ہمارے میزبان نے

ہتھیار پہن کر مسجد کو چلے۔ اس وقت سکھ پہاڑ سے مٹی کوٹ کی طرف اترتے تھے۔ لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کر کے آپ سے عرض کیا سکھوں کا لشکر پہاڑ سے اترتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اترنے دو۔ پھر آپ مسجد میں داخل ہوئے اور اس کے سائبان تلے بیٹھے اور ایک ایک دو دو کر کے بہت سے غازی بھی وہیں جمع ہو گئے۔"

اسی طرح دوسری جگہ اسی پہاڑ کے متعلق درج ہے:

"محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں: اس وقت آسمان صاف تھا: نہ ابر تھا نہ غبار، دھوپ پھیلی ہوئی تھی، مگر بارود کے دھویں کے سبب سے اس طرح کی تاریکی تھی کہ نزدیک کا آدمی بھی بمشکل پہچانا جاتا تھا۔ سکھوں کی بندوقوں کے کارتوس کے کاغذ یوں معلوم ہوتے تھے، جیسے ٹیٹریاں (ٹڈیاں) اڑتی ہیں۔ وہ وقت نہایت اداس اور خوفناک نظر آتا تھا۔ سب مجاہدین نے قرابین اور بندوقیں گلے میں ڈال کر تلواریں پکڑیں اور یکبارگی باآواز بلند اللہ اکبر! اللہ اکبر! کہہ کر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت لڑائی کا یہ رنگ تھا کہ تمام سکھ منہزم ہو کر پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور مجاہدین پہاڑ کی جڑ تک پہنچ گئے تھے اور سکھوں کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کر کھینچتے تھے اور تلواریں مار مار

دریائے کنہار کا ایک پانوراما (panorama) منظر جسے راقم نے اسی سفر کے دوران محفوظ کیا۔ پس منظر میں بالا کوٹ کے پہاڑ بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

ایک پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ وہ پہاڑ ہے جس سے سکھ اترے تھے۔ اس پہاڑ کو دیکھ کر اس پہاڑ سے منسوب تاریخی روایتیں تازہ ہو گئیں۔ سیرت سیّد احمد شہید (مؤلفہ مولانا سیّد ابو الحسن علی ندویؒ) میں درج ہے کہ:

"۲۴ ذی قعدہ (۱۲۴۶ھ) کی صبح صادق اور صبح کی اذان ہوئی، تو سب لوگ وضو کر کے مسلح ہو کر حاضر ہوئے۔ آپ (سیّد صاحب) نے نماز پڑھائی۔ پھر اجازت دی کہ اپنی اپنی جگہ پر جا کر ہوشیار رہو۔ آپ بھی اپنے ڈیرے پر آکر وظیفے میں مشغول ہو گئے۔ جب آفتاب نکلا، تو نماز اشراق پڑھ کر کچھ دیر کے بعد وضو کر کے سرمہ لگایا اور ڈاڑھی میں کنگھی کی اور لباس اور

کر مردار کرتے تھے اور جانبین سے پتھر چلتے تھے۔"

ہم بغور اس پہاڑ کو دیکھتے رہے اور چشم تصور سے سکھوں کو اترتا، پہلے پسپا اور پھر شیر سنگھ کی چیخ و پکار پر دوبارہ جمع ہو کر مجاہدین پر ہلہ بولتے دیکھتے رہے۔ ساتھ بہتے چشمے کا جب خیال آیا تو لڑائی کے بعد جو عزم و ہمت کی مجسم تصویر مجاہدین بچے تھے، ان کی یاد تازہ ہو گئی، جنہوں نے انیسویں صدی عیسوی کے بچ جانے والے یاقوتوں اور ہیروں کو دوبارہ جمع کیا اور چشمے کا یہ چھوٹا سا اجتماع تحریکِ مجاہدین کو اگلی سو اصدی تک مزید جلا بخشنے کا اقدام قرار پایا۔

”میاں خدا بخش، الٰہی بخش، شیر محمد خاں رامپوری، محمد امیر خاں قصوری، لعل محمد جگدیس پوری اور داروغہ عبد القیوم وغیرہ کہتے ہیں کہ لڑائی کے کھیت سے نکل کر ہم اکثر لوگ پہاڑ کی آڑ میں چشمے پر جمع ہوئے۔ کچھ لوگ آگے چلے گئے، وہیں چشمے پر دو یا تین غازی مولوی خیر الدین صاحب کے ہمراہی آ پہنچے۔“

ہم نے اس بابرکت چشمے میں ہاتھ تر کیے اور (ان شاء اللہ) آئندہ اپنے ہی فی اللہ بہہ جانے والے خون میں ہاتھ تر کرنے کا عزم۔ اس چشمے کی ایک تصویر کیمرے سے اور دوسری اپنی آنکھوں کے راستے آئینۂ دِل میں محفوظ کر لی۔

انہیں پہاڑوں کو دیکھتے ہوئے ان لکھنوی مجاہد کا واقعہ بھی یاد آیا جو یہیں کہیں کسی پہاڑ سے لٹکے کسی سکھ کو ٹانگوں سے کھینچ رہے تھے، کتاب میں کچھ یوں درج ہے:

”لعل محمد جگدیس پوری یوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ معمور خاں لکھنوی دانتوں سے ننگی تلوار پکڑے ہوئے ایک سکھ کے پاؤں پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور ایک سکھ اس سکھ کے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتا ہے۔ آخر الامر خان موصوف نے ایسا زور کیا کہ وہ سکھ اس کھینچنے والے سے چھوٹ کر ان کے اوپر آ رہا اور دونوں وہاں سے غلطاں نیچے نالے میں آ کر گرے اور دونوں وہیں رہے۔ خان ممدوح تو شہید ہو گئے اور وہ مردار ہوا۔“

پہاڑی درے کے درمیان بہتا ایک چشمہ

پھر میں تصور کی آنکھ سے ان بڑے میاں کو دیکھتا رہا جو یہیں کسی پہاڑ پر مجاہدین کے لیے کھیر پکا رہے تھے، جنھوں نے عالمِ خواب میں نہیں، بلکہ کھلی آنکھوں سے ستر پوشاکوں میں اور لہنگوں اور غراروں میں ملبوس حورِ جنت کو دیکھا، پہلی نظر میں محبت میں گرفتار ہو گئے، وہیں اس عروس سے تقریبِ نکاح ہوئی اور چند لمحوں میں اپنی محبوبہ سے کبھی نہ ختم ہونے والے وصال کو پا گئے۔ سیرتِ سیّد احمد شہید میں لکھا ہے:

”الٰہی بخش رامپوری کہتے ہیں کہ ہماری جماعت میں ضلع پٹیالہ کے ایک سیّد چراغ علی تھے وہ کھیر پکا رہے تھے اور قرابین ان کے کندھے پر پڑی ہوئی تھی۔ سکھ مٹی کوٹ سے نیچے اتر رہے تھے، وہ اپنی کھیر بھی چمچے سے چلاتے جاتے تھے اور سکھوں کی طرف بھی دیکھتے تھے۔ اس وقت ان پر ایک اور ہی حالت واقع تھی۔ یکبارگی آسمان کی طرف دیکھ کر بولے کہ وہ دیکھو، ایک حور کپڑے پہنے ہوئے چلی آتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد کہنے لگے کہ دیکھو ایک حور کپڑے پہنے ہوئے چلی آتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد کہنے لگے کہ دیکھو ایک پوشاک پہنے ہوئے آتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ چمچہ دیگچی پر مارا اور یہ کہتے ہوئے کہ اب تمہارے ہی ہاتھ کا کھانا کھائیں گے، سکھوں کی طرف روانہ ہوئے۔ کتنا ہی لوگ کہتے رہے کہ میر صاحب ٹھیر جاؤ، ہم بھی چلیں گے۔ انہوں نے کسی کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا اور جاتے ہی سکھوں کے مجمع میں گُھس گئے اور داد جوانمردی دے کر شہید ہو گئے۔“

ہم کچھ دیر یہاں جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے، ہم تھے، ایک سکوت تھا اور سکوت کو توڑتے چشموں اور چھوٹے چھوٹے جھرنوں کی آوازیں۔ پھر یہاں سے اٹھے اور اگلے مقامِ شوق حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید نوّر اللہ مرقدہٗ کے مزار کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ مزار عام آبادی و بازار سے ہٹ کر ہے۔ اگر رُخ کاغان وناران کی طرف ہو تو مزار کے لیے بازار کی بغل سے (جس زمانے میں راقم نے دیکھا تھا) ایک سڑک بائیں طرف کو جاتی ہے، شاید دو کلو میٹر کا گاڑی کے لیے کچا پکا راستہ ہو گا جسے طے کرنے کے بعد مزار آتا ہے۔

شاہ اسماعیل صاحب کے مزار کے ارد گرد اور لوگوں کی بھی قبریں ہیں۔ اس قبروں کے احاطے میں جب داخل ہوتے ہیں تو وہاں سب لوگ جوتے اتار لیتے ہیں اور برہنہ پا داخل ہوتے ہیں۔ جب ہم اس احاطۂ مزار میں داخل ہوئے تو عین دوپہر کا وقت تھا۔ آسمان پر ارد گرد بادل تھے، لیکن رُوئے خورشید کو ابھی نقابِ ابر نے چھپایا نہ تھا، سو وہ گرمی بکھیر رہا تھا۔ سورج کی تپش کے سبب مزار کے احاطے کا فرش تپ رہا تھا اور اس تپتے فرش پر پاؤں رکھتے ہی مجھے وہ واقعہ یاد آ گیا جو میں نے پہلی بار اپنے والدِ ماجد (مدّ ظلہ) سے ابتدائے بچپن میں، اپنے والد صاحب کے بچپن کے محلے کی مسجد میں سنا تھا۔ وہ بھی گرمیاں ہی تھیں جب میں ظہر کی نماز پڑھ کر اپنے ابّو کے ساتھ اس چھوٹی سی مسجد کے مسقّف احاطے سے نکل کر صحن میں آیا تو فرش کے گرم ہونے کے سبب پاؤں نہ رکھ سکا اور فوراً اُچھلا۔ پنجوں پر چلتا جیسا تیسا مسجد سے باہر نکلا اور جلدی سے

جوتے پہنے۔ یہ دیکھ کر ابّو کہنے لگے کہ 'شاہ اسماعیل شہید، جہاد کی تیاری کی غرض سے جامع مسجد دہلی کے صحن کے گرم فرش پر عین دوپہر میں ننگے پاؤں چلا کرتے تھے کہ جسم جہاد کی سختیوں کا عادی ہو جائے'۔

'شدّت پسندی' کی یہ تعلیم ہر مسلم گھرانے میں کسی نہ کسی صورت بچپن سے ہی ملتی ہے۔ آج کا کوئی دین دار گھرانہ مشکل سے ایسا ملے گا جہاں ذکرِ سیّدین شہیدین کی باس سے مکان نہ مہکتا ہو۔ اسی بات سے اپنے ایک نہایت بزرگ اور نہایت مکرم و محترم شیخ و مفتی صاحب (نوّر اللہ مرقدہ) کا چند برس پہلے سنایا واقعہ یاد آ گیا۔ حضرتِ والا فرمانے لگے کہ جب نیشنل ایکشن پلان وطنِ عزیز کی اساس (لا الٰہ الا اللہ) کی مخالفت و تردید میں منظور ہوا تو انٹیلی جنس ایجنسیوں کے اہلکاروں نے جابجا چھاپے مارے اور چھاپوں کا خاص سلسلہ اردو بازار لاہور میں چل پڑا۔ ایجنسی والے ایک ناشر و کتب فروش کی دکان پر گئے اور اس کو بتانے لگے کہ فلاں اور فلاں

شہیدِ اسلام، حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کا ایک پانوراما (panorama) منظر

کتابوں پر پابندی ہے کہ ان میں 'شدّت پسندی' کا مواد پایا جاتا ہے۔ یہ ناشر و کتب فروش صاحب بغور سنتے رہے اور بظاہر یہی ظاہر کرتے رہے کہ وہ ایجنسی والوں سے خوب تعاون کر رہے ہیں۔ جب ایجنسی والوں کی بات ختم ہو گئی تو یہ صاحب بولے کہ کتابوں کی جس فہرست کا آپ نے ذکر کیا ہے اس میں ایک کتاب رہ گئی ہے، میرے پاس رکھی ہے، میں سٹور سے لاتا ہوں۔ ایجنسی والے اس 'تعاون' پر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ ضرور لائیے۔ یہ صاحب اندر گئے اور مصحف شریف اٹھا لائے۔ ایجنسی والوں نے دیکھا تو آگ بگولہ ہو گئے اور کہنے لگے 'تُو ہمارے ساتھ تمخول (مذاق) کرتا ہے؟ یہ تو قرآن شریف ہے!'۔ اس پر یہ صاحب کہنے لگے کہ 'جتنی "شدّت پسندی" کی کتابوں کی فہرست تم نے دی ہے یہ سب اسی قرآن سے نکلی ہیں!'۔ ایجنسی والے یہ سن کر مغلظات بکنے لگے اور ڈرا دھمکا کر چلے گئے۔ خیر، اس واقعے کے بیان سے میرا مقصد یہ تھا کہ جسے امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کے دینِ جدید 'سرمایہ دارانہ جمہوریت' میں 'شدّت پسندی' کہا جاتا ہے تو اس کا آغاز تو ازل سے ہوا اور جب تک کا زمانہ ابد کہلاتا ہے تب تک یہ غلغلہ بلکہ حقیقت میں اس فکر کا غلبہ رہے گا۔ لہٰذا حسبِ قولِ عباس تابشؔ:

؎ تیری مرضی جس کو دہشت گرد کہہ کر مار دے

سو جب تک قرآن گھروں، مدرسوں، مسجدوں، مکتبوں، دکانوں اور زندگی کے کارخانوں سے نہیں 'اٹھایا' جاتا یہ 'شدّت پسندی' رہے گی۔ یہ 'شدّت پسندی' امت کے ہر مکتبۂ فکر اور ہر مسلک سے وابستہ ہے، ہر شعبۂ زندگی میں دخیل ہے اور جب آخر الزمان میں قرآن 'اٹھایا' جائے گا تو قیامت آ جائے گی اور قرآن اور قرآنی پیغام کے دشمنوں کے لیے دنیا جہنم 'ہمارے' ہاتھوں ہے اور قیامت تا ہمیشہ ہمیشہ نارِ جہنم 'مالک' داروغۂ جہنم کے ہاتھوں ہے (اللهم أجرنا من النار!)۔

شاہ اسماعیل صاحب کے احاطۂ مزار کے صحن کا فرش بدستور تپ رہا تھا، سو مجھ سہولت کے مارے نے فوراً ایک سائے کی جگہ میں پناہ لی۔ چند منٹ مزید بیتے تو پورے آسمان پر بادل چھا گئے اور مزار بھی زیرِ سایہ آ گیا، پھر شاہ صاحب کی قبر کے پاس پہنچا، کچھ دیر عقیدت سے اس بقعۂ نور کو دیکھتا رہا۔ قبر کے ساتھ کتبے پر 'حضرت مولوی شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی بن شاہ عبد الغنی بن شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہم' لکھا ہوا تھا۔ سوچتا رہا کہ یہ علماء کے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ زمانے کے بہترین لوگوں میں سے ایک۔ اس زمانے کے بلکہ ہر زمانے کے میٹروپولیٹن شہر 'دِلّی جو ایک شہر تھا عالَم میں انتخاب' کے باشندے۔ شاہ صاحب سب چھوڑ چھاڑ کر یہاں آئے تھے۔ اس بالاکوٹ کو کون جانتا تھا؟ شاہ صاحب واقعی ان لوگوں میں سے تھے جن کی نسبت سے شہر جانے جاتے ہیں۔ آج یہی بالاکوٹ لکھنوی بھی ہے اور دہلوی بھی۔ انہی شاہ صاحب کے ایک مدّاح، 'اقبالؒ'[1] کے ایک مصرعے میں کچھ تصرف کے ساتھ:

؎ اس 'جبل' سے بہتر ہے نہ دِلّی نہ بخارا!

[1] علامہ اقبالؒ شاہ اسماعیل شہیدؒ کو بہت بلند نظر سے دیکھتے تھے اور اقبال نے شاہ صاحب جیسے اور عالم پیدا نہ ہونے کا شکوہ بھی ایک جگہ کیا ہے (بحوالہ 'تذکرۂ شہید' از مولانا محمد خالد سیف)۔

ہم نے شاہ صاحب کے بلندیٔ درجات کے لیے دعا کی اور اپنے لیے انہی شہیدوں میں شامل کیے جانے کی۔ باہر نکلے، پھر راہ میں تپتا صحن آیا تو میں نے فوراً میاں صاحب کو جامع مسجد دلّی کے صحن کے تپتے فرش والا واقعہ یاد دلایا، میاں صاحب اپنے کشمیری لہجے میں کہنے لگے 'شاہ صاحب بعد از شہادت بھی اپنے احاطۂ قبر کے صحن کے تپتے فرش سے لوگوں کو تیاریٔ جہاد کی تحریض دلا رہے ہیں'۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ 'مرابط کا اجر تا قیامت جاری رہتا ہے'، اس کی تشریح میں شیخ انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور امام ابنِ حجرؒ یا امام سیوطیؒ میں سے کسی کا قول نقل کرتے ہیں کہ ہر شخص کا سلسلۂ اجر کہیں نہ کہیں جا کر موقوف ہو جاتا ہے سوائے مرابط مجاہد کے، کہ جس سلسلۂ رباط سے مرابط مجاہد جڑا ہوتا ہے وہ تا قیامت جاری رہے گا۔ سو جو مجاہد، عالم بھی ہو اور اس کے علم و عمل سے ایک دنیا فیض یاب ہو رہی ہو اس کے اجر کا تو کیا ہی کہنا!

؏ ایں سعادت بزورِ بازو نیست!

شاہ صاحب کے مزار کے بعد اگلی منزل سیّد بادشاہ کا مزار تھی۔ سیّد صاحب کی قبر کے حوالے سے تین چار مقامات معروف ہیں۔ غالباً دو بالاکوٹ میں، ایک کہیں اور، اور ایک گڑھی حبیب اللہ میں، لیکن بالاکوٹ میں ایک مقام مشہور ہے، جہاں سلسلۂ سیّد احمد شہید کے ایک بزرگِ باوفا و صفا اور دورِ حاضر میں مجاہدین کے ایک محب و انصار، جن کی خانقاہ میں مجاہدین دشمن ایجنسیوں سے چھپ کر پناہ لیتے تھے اور بعض دفعہ مہینوں گزارتے تھے، مکتبہ سیّد احمد شہید (اردو بازار لاہور) اور سیّد احمد شہید اکادمی قائم کرنے والے اور وقائع احمدی کو پورا اپنے ہاتھ سے دوبارہ تحریر کر کے شائع کرنے والے، خطِ نستعلیق میں صنفِ 'نفیس' کو تشکیل دینے والے، حضرت مولانا سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سیّد احمد شہید کے متعلق ایک کتبہ لگوا رکھا ہے۔

سیّد بادشاہ کی قبر کی نشاندہی کرتا کتبہ

قبر پر حاضر ہوئے، یہ قبر عام قبرستان میں واقع ہے۔ یہ قبرستان بالاکوٹ کے ایک اندرونی بازار سے متصل ہے، اس بازار کے درمیان سے ایک چھوٹی سی گلی اس قبرستان کی جانب جاتی ہے۔ جب میں قبر کے قریب گیا تو یقین ہی نہ آیا کہ یہ سیّد بادشاہ کی قبر ہے۔ قبر کے پاس میں قریباً آدھ گھنٹہ کھڑا رہا، لیکن بس میں تھا اور میرے ساتھی اور کوئی نہ تھا۔ غالباً ایک عورت آئی اور وہ بھی شاید کسی اور عزیز کی قبر پر کچھ دیر کھڑی رہی اور چلی گئی۔ عام طور پر عورتیں زیادہ ضعیف الاعتقاد ہوتی ہیں، عورت آئی اور زمانے کے قطب اور ابدال میں سے ایک پیرِ طریقت حضرت سیّد احمد شہید کے مزار پر نہ کھڑی ہوئی؟ اب اگر یہی مان لیا جائے کہ یہی سیّد المجاہدین کی قبر ہے تب بھی سیّد صاحب کی دعا کے مقبول ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ قبر پر گھاس سی اگی ہوئی تھی، کچھ جنگلی بُوٹیاں بھی اور شاید کسی نے ایک باقاعدہ پودا بھی اس پر لگا رکھا تھا۔ قبر پر گرد پڑی ہوئی تھی۔

ہزار جاہ و حشم اس کی شان پر قرباں
وہ بے کسی جو بہ گردِ مزار پھرتی ہے

یہاں پہ خونِ شہیداں کے جل رہے ہیں چراغ
بقا کو دیکھیے پروانہ وار پھرتی ہے

یہاں دل کی عجیب سی حالت رہی، نہ دل پر کسی خیال کا گزر ہوا اور نہ ہی دماغ نے کچھ دیر یہاں کچھ بھی سوچنا چاہا۔ قاطعِ شرک و بدعت کی قبر پر دل دل میں بس اپنے لیے دعا کی، کچھ ایصالِ ثواب ان سے نسبت جوڑنے کی خاطر کر دیا اور یہاں سے نکل آئے۔

سیّد صاحب کی حیاتِ دنیوی کی آخری شب کچھ ساتھیوں نے لوگوں کے غدر و خیانت کا ذکر کیا۔ سیّد صاحب نے بھی جواباً کچھ باتیں گنوائیں، جن درباری علماء نے سیّد صاحب پر الزامات لگائے ان کا بھی ذکر کیا، لیکن خائنوں اور غداروں کے ذکر کے بعد آپ نے دوبارہ ساتھیوں کی توجہ اپنے مقصد کی طرف کروائی۔ سیرتِ سیّد احمد شہید میں درج ہے کہ سیّد صاحب نے فرمایا:

> ”تم سچ کہتے ہو، حقیقت حال یہی ہے۔ اتنے برس ہم نے اس کارِ خیر کے واسطے طرح طرح کی کوشش و جانفشانی کی، اپنی دانست میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، ہندوستان، خراسان اور ترکستان میں اپنے خلفاء روانہ کیے، انہوں نے بھی حتی الامکان دعوت فی سبیل اللہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور ہم بھی جہاں جہاں گئے وہاں کے لوگوں کو ہر طریقے پر وعظ و نصیحت سے سمجھاتے رہے، مگر سوائے تم غرباء کے کسی نے ہمارا ساتھ نہ دیا، بلکہ ہم پر طرح طرح کا افترا کیا، اب ہمارے کاتب بھی خط لکھتے لکھتے تھک گئے اور ہم بھیجتے بھیجتے تنگ آ گئے اور کچھ ظہور میں نہ آیا، اب یہی خوب ہے کہ اپنے غازی بھائیوں کو پہروں پر سے اپنے پاس بلوا لیں۔ کل صبح کو اسی بالاکوٹ کے نیچے ہمارا اور کفار کا میدان ہے۔ اگر اللہ نے ہم عاجز بندوں کو ان پر فتحیاب کیا تو پھر چل کر لاہور دیکھیں گے اور جو شہید ہو گئے، تو ان شاء اللہ جنت الفردوس میں چل کر عیش کریں گے۔“

بزبانِ شاعرِ جہاد، شیخ احسن عزیز شہیدؒ، سیّد المجاہدین نے اپنے وفادار ارباب بہرام خان شہیدؒ سے فرمایا:

”سارا سفر یہ اپنا
جس وقت کے لیے تھا
وہ وقت بس یہی تھا
تھا انتظار جس کا
خاں جی! یہ وہ گھڑی ہے
’منزل‘ تو آ گئی ہے!“

سیّد بادشاہ نے ولایتِ الٰہی کا عظیم مقام ’شہادت‘ پایا اور ان کے ساتھی مجاہدین نے بھی۔ رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمانِ مبارک کا مفہوم ہے کہ ’جنت میں اللہ تعالیٰ نے صرف مجاہدین کے لیے سو درجات تیار کر رکھے ہیں‘۔ ان شاء اللہ، سیّد بادشاہ جنت میں بھی بادشاہوں کے ٹھاٹ کے ساتھ، اہلِ جہاد کے لیے بنائے گئے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہوں گے۔

سیّد صاحب کے مزار سے نکل کر ہم نے اپنی واپسی کا سفر شروع کیا۔ ہم سب کی خواہش تھی کہ واپسی پر ایبٹ آباد میں مشہدِ شہیدِ اسلام، حضرت شیخ اسامہ بن لادن پر بھی حاضری دیتے، لیکن حفاظت کا خیال درمیان میں مانع ہوا، کہ شیخ صاحب کے مشہد پر ان کا سودا کرنے والے اکیسویں صدی کے بدترین کلمہ گو خائن نہ ہوں اور ہمارا راز ان کے سبب افشا نہ ہو جائے۔ بقول ایک قابلِ احترام مبلغۂ دین ’خورشید سمندر میں ہی ڈوبا کرتا ہے‘، سو ہمارے شیخ کا مرقد کوئی نہیں ہے، دشمن نے شیخ کا نشان مٹانے کے لیے انہیں مٹی میں نہ دفنایا، لیکن اس کے ہاتھوں خدائے برترنے، خیر الماکرین نے شیخ شہید کے لیے دنیا کی سب سے بڑی قبر کا سامان پیدا کر دیا، بس دنیا کا جو ساحل جس معتقد و عاشقِ شیخ اسامہ کو مل جائے اسے ہی شیخ کی قبر جان لیا جائے۔ ایبٹ آباد سے شیخ مرحوم کے مشہد کی زیارت کیے بغیر جو گزرے اور جو دل کی حالت ہوئی اس کی ترجمانی نعیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ اشعار سے ہوتی ہے (ایک آدھ جگہ معمولی تصرف کے ساتھ):

مرے رفیقِ سفر! اس مقام پر تھم جا
حسابِ الفتِ محبوب کچھ چکا کے چلیں

یہ اجڑا شہر جہاں تھے ہزار روئے صبیح
تصورات میں وہ صورتیں بسا کے چلیں

یہ خاک جس میں تھے گلہائے رنگ رنگ کھلے
ہم اپنے زخموں کے کچھ پھول یاں کھلا کے چلیں

ہم اس صلیب کی پُر ہول چھاؤں میں رُک کر
دو ایک ساغرِ زہراب ہی لنڈھا کے چلیں

ہے یاں پہ خونِ شہیداں کی پھیلتی خوشبو
مشامِ جاں میں یہ بُوئے جناں بسا کے چلیں

یہ وہ جگہ ہے جہاں قافلہ وفا کا لُٹا
یہاں پہ ہم بھی متاعِ جگر لُٹا کے چلیں

مزار سارے ہیں جیسے یہاں مزارِ حبیب
چراغِ نالۂ حشر آفریں جلا کے چلیں

اِدھر اُدھر کئی لاشیں پڑی ہیں بکھری ہوئی
ہم ان کو چوم کے اِن کو گلے لگا کے چلیں

یہ خاک جس نے پیا ہے لہو شہیدوں کا
ہم اپنا خوں بھی کچھ اس خاک میں ملا کے چلیں

وہ گیت جس کو الاپا گیا تو جرم بنا
مرے رفیق! وہی گیت ہم بھی گا کے چلیں

اگر کچھ اور نہ توفیق ہو رفیقِ حزیں!
دیارِ یار میں دو اشک ہی بہا کے چلیں!

۲۰۲۴ء کے مئی کے مہینے میں یہ سفر نامہ طبعِ ثانی کے طور پر شائع ہو رہا ہے۔ مئی کا مہینہ کئی ایک مشاہیر اسلام اور رجالِ دین کی شہادت کا مہینہ ہے۔ ان میں سرِ فہرست سیّد احمد شہید ۶ مئی (۱۸۳۱ء)، سلطان فتح علی ٹیپو شہید ۴ مئی (۱۷۹۹ء)، امیر المومنین ملا اختر محمد منصور ۲۱ مئی (۲۰۱۶ء) اور شیخ اسامہ بن لادن شہید ۲ مئی (۲۰۱۱ء)، شامل ہیں۔ بے شک ہم اپنے شہیدوں کو یاد رکھتے ہیں اور ان کے ایامِ شہادت پر وہ ہمیں یاد بھی زیادہ آتے ہیں لیکن ہم اہلِ اسلام اپنے ابطال کی برسیاں نہیں مناتے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل جلالہ نے یہ اعزاز بخشا ہے کہ:

سلام اسؐ پر کہ جسؐ کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

ہمارے یہاں ہر روز ابطال کی پیدائش ہوتی ہے اور جن کے یہاں ہر روز ابطال پیدا ہوتے ہوں وہ روز خوشیاں منایا کرتے ہیں۔ ہاں بہر کیف عام و خاص ایام میں ان شہید ہستیوں کو یاد کرنے کا مقصد، انہی کی دعوت اور عزم و ہمت کو عام کرنا ضرور ہوتا ہے۔ شیخ اسامہ بن لادن شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا ہے تو یہ بات لکھ دینا اچھا ہے کہ اسامہ بے شک ایک شخصیت کا نام تھا، لیکن

اسامہ ساتھ ہی ایک نظریے کا نام بھی تھا اور نظریات کی موت نہیں ہوا کرتی۔ اسامہ بن لادن جس دعوت کے ساتھ اٹھے اور جس دعوت و نظریے کی بنیاد پر انہوں نے امتِ مسلمہ کو ساتھ ملا کر کفار بلکہ کفار کے سرغنہ امریکہ کو نشانہ بنایا، اس نظریے کی عدالت پر خود آج کفار بھی گواہ ہیں۔ اسامہ بن لادن کی دعوت بڑی سادہ اور سیدھی، عام فہم دعوت ہے اور اس دعوت کا ایک پہلو یہ ہے کہ

- امریکہ ہم اہلِ اسلام اور اسرائیل کے بیچ سے ہٹ جائے، اسرائیل کی مالی و سیاسی مدد سے باز آ جائے اور اسرائیل کو عسکری کمک بند کر دے۔ پھر ہم جانیں اور یہود اور ہم کیسے ان یہودِ نا مسعود سے اپنا قبلۂ اول آزاد کرواتے ہیں یہ ہم اہلِ اسلام کا کام ہے۔
- امریکہ اپنی عالمی بدمعاشی ترک کرتے ہوئے اہلِ اسلام کی سرزمینوں سے نکل جائے اور ان سرزمینوں میں موجود اپنے ٹوڈیوں کی حمایت ترک کر دے۔

پھر اگر اس عام فہم اور سیدھی سادی دعوت کو امریکہ اور اس کے اتحادی قبول نہیں کرتے تو اہلِ اسلام پوری طرح اللہ جل شانہ کی شریعت کے احکام اور عقلی پیمانوں سے حق بجانب ہیں کہ وہ امریکہ اور اس کے مفادات کو مقدور بھر وسائل کے ساتھ دنیا میں جہاں پائیں نشانہ بنائیں۔ کل، آج سے دو صدیاں قبل برِّ صغیر میں سیّد احمد شہید اس وقت عالمی نظام کے سرغنہ انگریز کے خلاف جہاد کے لیے اٹھے تھے اور اولاً راہ میں حائل سکھوں سے نبرد آزما ہوئے تو آج عالمی کفر و فساد کے سانپ کے سر امریکہ کے خلاف علمِ جہاد شیخ اسامہ بن لادن نے بلند کیا ہے۔ نہ برِّ صغیر کے سیّد احمد کی تحریک و نظریہ ختم ہوا، نہ جزیرۃ العرب کے اسامہ کی تحریک و نظریہ ختم ہوا ہے اور دراصل یہ سب طریق و سلوک اللہ جل جلالہ کو راضی کرنے کے اور اس کے دین کے جھنڈے کو بلند کرنے کے لیے ہیں۔

یہ شہادت اک سبق ہے حق پرستی کے لیے
اِک ستونِ روشنی ہے بحرِ ہستی کے لیے

اپنے زمانے کے مجددِ دین ہوں یا اپنے زمانے کے مجددِ جہاد، سیّد بادشاہ سے شیخ اسامہ تک کی زندگی کا ایک ہی پیغام ہے۔ مشہدِ بالاکوٹ سے مشہدِ ایبٹ آباد تک کے مقاماتِ شوق سے ایک ہی صدا بلند ہو رہی ہے:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ○

”بلاشبہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا، صرف اور صرف اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے۔“

☆☆☆☆☆

اللہ لطیفٌ بعبادہ (اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہیں)

آپ کے دل میں یہ سوال آسکتا ہے کہ ایسی بھی آزمائشیں آئی ہیں لوگوں پر کہ جن میں ہمیں اللہ کا لطف و کرم دکھائی نہیں دیتا...... دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کے ساتھ جو ہو رہا ہے اور جن تکالیف اور آزمائشوں سے وہ گزر رہے ہیں ان میں رحمت اور لطف و کرم کہاں ہے...... ان پر ظلم کیا جاتا ہے، انہیں تعذیب دی جاتی ہے، ان کی عزتیں پامال کی جاتی ہیں اور انہیں بدترین طریقوں سے قتل کیا جاتا ہے!

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی آزمائش میں تو ہمیں بدرجہ اولیٰ اللہ رب العزت کا لطف و کرم دکھائی دیتا ہے...... کیا وہ اللہ رب العزت کی ذات بابرکات ہی نہیں ہے جو انہیں حالت معصیت میں موت دینے کے بجائے تعذیبوں اور خونریزی کے مقابل انہیں ایمان پر ثبات عطا فرماتا ہے! جو انسان دنیا چھوڑنے والا ہو اور اپنے رب کے سامنے پیش ہونے ہی والا ہو اس کی ترجیح یہ نہیں ہوتی کہ اس کی تکلیف کم ہو جائے بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی تکلیف میں اضافہ ہو تاکہ اس کے بدلے اس کے میزان میں نیکیوں اور بھلائیوں کے پلڑے میں اضافہ ہو جائے کیونکہ اس کا حسنات اور سیئات کا اعمال نامہ لپیٹ دیا جانے والا ہے۔ عموماً لوگوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اعمال ناموں میں اپنے بڑھتے گھٹتے ایمان کے بقدر اچھے اور برے دونوں طرح کے اعمال جمع کیے ہوتے ہیں (ہماری طرح)۔ اس سے بڑھ کر لطف و کرم کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ رب العزت ان کی اپنے پاس واپسی سے پہلے ان کے اعمال نامے سے ان کے گناہوں کی نحوست کو محو کر دیں اور انہیں ایمان کا اعلیٰ ترین درجہ نصیب فرمائیں جس کی وجہ سے ان کی زبان سے نکلنے والے آخری الفاظ توحید و رسالت کی گواہی ہوں اور جن کے ذریعے وہ اللہ رب العزت کے سامنے مکمل تسلیم کا اظہار کرتے ہوں، ”یا اللہ! کوئی نہیں ہے ہمارا تیرے سوا!“ جب کہ دوسری طرف بہت سے ایسے بھی ہیں جو اپنے پر تعیش مکانات اور محلوں میں جان دیتے ہیں اور انہیں اللہ رب العزت کے سامنے رضا و تسلیم کے یہ الفاظ کہنے کا بالکل بھی موقع نہیں ملتا۔

(ترجمہ اقتباس از کتاب حسن ظن باللہ از دکتور اياد قنيبی)

قسم ربِ ذوالجلال کی! مجھے امیر المومنین سے محبت ہے!

عالم ربانی، شہید شیخ عطیۃ عبد الرحمن اللیبی رحمۃ اللہ علیہ

خراسان میں القاعدہ کی مرکزی قیادت پر فائز رہنے اور دنیا کے مختلف جہادی محاذوں پر طویل عرصہ مصروفِ جہاد رہنے والے مجاہد عالم دین شہید شیخ عطیۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریر سن ۲۰۰۷ء میں انٹرنیٹ پر موجود 'انا المسلم فورم' پر ایک مباحثے کے دوران لکھی۔ اس تحریر سے جہاں امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کی سیرت کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے، وہیں اس سے امارتِ اسلامیہ افغانستان کے شرعی مواقف کا بھی اظہار ہوتا ہے، اللہ پاک امارتِ اسلامی کے امراء و ذمہ داران کی حفاظت فرمائیں اور اقامتِ دین و نفاذِ شریعت کی راہ پر انہیں ثابت قدمی عطا فرمائیں، آمین۔ (ادارہ)

میرے محبوب بھائیو!

اس فورم پر مباحثے کے دوران ایک محترم بھائی نے یہ کہا کہ ہم امیر المومنین ملا محمد عمر حفظہ اللہ کا نام محض لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے لیتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اس نے سچ نہیں کہا، اللہ اسے معاف فرمائیں! مجھے اس بھائی کی بات نے بہت تکلیف دی اور اسی لیے میں نے اس موضوع پر مختصراً کچھ لکھنے کے لیے قلم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

عزیز بھائیو!

میں اپنی کچھ سابقہ تحریرات میں یہ ذکر کر چکا ہوں کہ مجھے زندہ شخصیات کی تعریف میں کچھ لکھنا پسند نہیں کیونکہ ہم نے اپنے اسلاف سے یہی سیکھا ہے کہ انسان جب تک دنیا میں ہو تو اس بات کی حتمی ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ وہ فتنے میں نہیں پڑے گا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ عموماً علماء انہی صالحین کی سیرت و کردار پر تحریرات لکھتے ہیں جو دنیا سے جا چکے ہوں اور جن کے بارے میں ہمارا یہ گمان ہو کہ اللہ نے انہیں خیر و بھلائی والا خاتمہ نصیب فرمایا تھا۔ چنانچہ ہم ان کے محاسن کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کے اچھے اوصاف کا ذکر عام کرتے ہیں تا کہ ان کی عزت و تکریم کا کچھ حق ادا ہو سکے، ان سے وفا نبھائی جا سکے اور اہل ایمان ان کی پاکیزہ سیرتیں پڑھ کر ان کے لیے دعا کریں اور ان کی خیر و بھلائی کی گواہی دیں۔ نیز ایسی تحریرات کو پڑھ کر قارئین میں ان صالحین کے اچھے اعمال کی اقتدا کرنے اور ان جیسی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور یوں یہ تحریرات نسلِ نو کی تربیت کا ذریعہ بھی بنتی ہیں اور دعوت الی اللہ عام کرنے کا وسیلہ بھی۔ اس کے برعکس زندہ شخصیات کے بارے میں میری کوشش ہوتی ہے کہ اول تو ان پر بات نہ کروں اور کبھی بات کی ضرورت پڑ جائے تو احتیاط اور اعتدال کے ساتھ ہی کروں۔ اسی لیے میں شیخ اسامہ حفظہ اللہ[1] کی سیرت پر بھی اپنی تحریرات میں کچھ لکھنے سے ہاتھ روکتا رہا ہوں اور اگر کہیں اختصار سے کچھ لکھنا پڑا تو وہ بھی محض مسلمانوں کو ہمت و حوصلہ دلانے اور ان کے دلوں میں خیر و بھلائی کی امید پیدا کرنے کی غرض سے لکھا۔ پس اسی نیت کے ساتھ یہاں میں امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد (نصرہُ اللہ)[2] کے بارے میں بھی اپنی کچھ بکھری بکھری، غیر مرتب یادداشتیں قلم بند کروں گا، شاید کہ وہ کسی کے لیے نفع کا باعث بن جائیں۔

- جب امریکہ نے افغانستان پر حملے اور بالخصوص کابل و قندھار پر فضائی بمباریوں کا آغاز کیا تو امیر المومنین حفظہ اللہ نے اپنے محافظین کو جمع کیا اور ان کو یہ اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو ان کے ساتھ رکیں اور چاہیں تو گھروں کو واپس چلے جائیں۔ آپ نے کہا کہ: ”میں آپ میں سے کسی کو بھی ان مشکل حالات میں اپنے ساتھ رکنے پر مجبور نہیں کرنا چاہتا، آپ میں سے جو اپنی خوشی سے میرے ساتھ رکنا چاہے وہ رکے اور جو اپنے گھروں کی طرف واپس لوٹنا چاہے تو وہ واپس لوٹ جائے، میری طرف سے مکمل اجازت ہے“۔
- جب طالبان کے بعض ذمہ داران نے ۱۱ ستمبر کے واقعات کے بعد شیخ اسامہ بن لادن سے ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ شیخ اسامہ نے ہماری بات نہیں مانی، تو امیر المومنین حفظہ اللہ نے اپنے سب ذمہ داران کے لیے یہ ہدایات جاری کر دیں کہ ”آپ میں سے کوئی بھی اس موضوع پر ایک حرف تک زبان سے نہ نکالے“! نیز آپ نے اپنے ساتھیوں کو اس کٹھن مرحلے میں صبر و ثبات کا مظاہرہ کرنے اور تقدیرِ الٰہی پر راضی رہتے ہوئے ان حالات کا سامنا کرنے پر ابھارا۔
- امیر المومنین کے ایک چچا سن رسیدہ ہو چکے تھے۔ ایک مرتبہ امیر المومنین ان سے ملنے گئے اور پوچھا کہ: ”چچا جان! آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتایئے“؟ تو آپ کے چچا نے کہا کہ: ”مجھے قرآن شریف کا ایک بڑے حجم کا مصحف درکار ہے جسے پڑھنا میرے لیے آسان ہو“۔ یہ تھے امیر المومنین کے چچا جن کا اپنے اس بھتیجے سے جو پورے افغانستان کا حاکم تھا محض اتنا سا مطالبہ تھا کہ وہ ان کو ایسا بڑا قرآنی مصحف دے دے جس کو پڑھنا آسان ہو، کیونکہ بڑھاپے کے سبب ان کی نظر کمزور ہو چکی تھی اور وہ قرآن کی تلاوت میں دشواری محسوس کرتے تھے۔ سبحان اللہ!

---

[1] واضح رہے کہ یہ تحریر جس وقت لکھی گئی اس وقت تک شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے۔

[2] شیخ عطیہ کی شہادت شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے تین ماہ بعد ۲۲ اگست ۲۰۱۱ء میں ہوئی۔ شیخ کی شہادت کے وقت امیر المومنین ملا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے۔

- مجھے بہت سے ساتھیوں نے یہ بات بتائی کہ امیر المومنین کی عاجزی اور انکساری کے سبب وہ پہلی ملاقات میں انہیں نہیں پہچان پاتے تھے اور مجلس میں موجود دیگر افراد اور امیر المومنین میں فرق نہیں کر پاتے تھے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی سرشت میں ایسی عاجزی اور ایسے اعلیٰ اخلاق وخوبیاں ودیعت کر دی ہیں کہ جو اس مادہ پرستانہ دور میں کم ہی کسی قوم میں مجتمع نظر آتی ہیں۔ یقیناً یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے اس سے نواز دے!
- ملا بدین صاحب نے مجھے بتایا کہ امریکی حملے کے بعد جب امارت کا سقوط ہو رہا تھا اور ہم قندھار سے پسپا ہونے والے تھے تو میں امیر المومنین ملا محمد عمر حفظہ اللہ سے ملنے گیا۔ انہوں نے میرے چہرے پر غم اور پریشانی کے اثرات دیکھے تو پوچھا کہ: ''آپ کو کیا ہوا ہے''؟ تو میں نے کہا کہ: امارت کے سقوط کا غم ہے! اور اب تو قندھار کا سقوط بھی ہوا چاہتا ہے، کچھ بھی تو باقی نہیں بچا! یہ سن کر امیر المومنین نے فرمایا: ''ایک وقت تھا جب ہمیں کوئی جانتا تک نہ تھا، اور ہم تو قندھار کے حاکم تھے اور نہ افغانستان ہمارا تھا۔ ہم نے کچھ بھی تو نہیں کھویا، صرف اتنا ہوا ہے کہ ہم اسی مقام پر واپس لوٹ آئے ہیں جہاں ہم پہلے تھے، تو بھلا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے''؟ اللہ اکبر! پاک ہے وہ ذات جو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے زہد اور یقین کی دولت سے نواز دے!
- لیبیا کے معروف مجاہد عالم دین شیخ ابو منذر ساعدی حفظہ اللہ اور دیگر کئی حضرات نے، جو امیر المومنین سے ملے ہیں اور قندھار میں ان کی زیارت کی ہے، مجھے امیر المومنین سے اپنی ملاقات کا حال بتایا۔ انہوں نے بتایا کہ جب وہ امیر المومنین کی قیام گاہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ زمین پر اپنی افغانی چادر پھیلا کر اس طرح بیٹھے ہوئے ہیں گویا وہ کسی ریاست کے سربراہ نہیں بلکہ کوئی بالکل عام سے آدمی ہیں۔ آپ کے گھر کے بچے بھی آپ کے قریب ہی کھیل کود میں مصروف تھے اور ان کے لباس بھی ویسے ہی مٹی سے اٹے ہوئے تھے جیسے باہر سڑک پر گھومتے عام افغانی بچوں کے لباس! آپ کے بچوں اور ایک عام افغانی شخص کے بچوں میں کوئی فرق نظر نہ آتا تھا۔ پس پاک وہ رب جو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے عاجزی اور دنیا سے بے رغبتی کی نعمت سے مالا مال کر دے!
- پاکستان کے علماء کا ایک بڑا وفد امیر المومنین سے ملاقات کے لیے قندھار گیا تا کہ ان سے بعض امور پر گفت وشنید اور مشاورت کر سکے۔ اس نشست کے موقع پر موجود ایک فرد نے بتایا کہ وفد بہت دیر تک بیٹھا رہا اور امیر المومنین کی ہیبت کی وجہ سے کسی کی ہمت نہیں ہو سکی کہ وہ ان سے بات شروع کرے۔ وفد نے اپنے میں سے ایک عالم کو بات کرنے کی ذمہ داری سونپی مگر ان کی بھی زبان اٹک گئی اور بالکل بات نہیں کر پائے۔ تقریباً پینتالیس منٹ اس حال میں گزرے کہ وفد امیر المومنین کے سامنے بالکل ساکت بیٹھا رہا۔ یہ اس امر کی محض ایک مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین کو کیسے عجیب رعب و دبدبے سے نواز تھا۔ میرا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ رعب آپ کی عاجزی، زہد اور ایمان کی بدولت عطا کیا تھا کیونکہ نہ تو آپ کے ساتھ محافظین اور درباریوں کی کوئی ایسی بڑی تعداد تھی جس سے رعب کھایا جائے، اور نہ ہی کوئی شاہانہ جاہ وحشمت تھی اور نہ ہی آج کے حکمرانوں کے یہاں مروجہ پروٹوکول میں سے کوئی شے!
- جہاں تک امیر المومنین کی عرب ساتھیوں سے محبت وشفقت اور ان کے احترام واکرام کا تعلق ہے تو اس پر جتنی بھی بات کریں کم ہے۔ میں نے سابقہ سطور میں ۱۱ ستمبر کے پس منظر میں شیخ اسامہ حفظہ اللہ کا جو واقعہ اس ذکر کیا وہ اس کی محض ایک مثال ہے۔ نیز ہمارے پاس ایسی مزید مثالوں کی کمی نہیں۔ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو ان کی اس شفقت کی بہترین جزا دے!
- اسی طرح، آپ کی ایک نمایاں صفت آپ کی نرمی، رحمتِ قلبی اور عفو در گزر ہے۔ جو لوگ اُس عرصے میں افغانستان میں موجود تھے ان کو یقیناً ابو مبتسم نامی جاسوس کا قصہ یاد ہو گا۔ اس شخص کا تعلق شام سے تھا اور اس نے زندگی کا بیشتر حصہ عرب امارات میں گزارا تھا۔ وہاں اس کو امریکی خفیہ اداروں نے بھرتی کیا اور ایک مجاہد کی شکل میں افغانستان بھیجا۔ یہاں عرب ساتھیوں پر اس کی حقیقت منکشف ہو گئی اور انہوں نے اسے گرفتار کر لیا اور اس کا معاملہ امارت اسلامیہ کی عدالت کے سامنے پیش کیا جہاں اس کا جاسوس ہونا قطعی دلائل کے ساتھ ثابت ہو گیا اور اس نے خود بھی جاسوس ہونے کا اعتراف کر لیا۔ اسی دوران اس جاسوس کی ماں خلیج سے افغانستان پہنچی اور یہاں کئی دن اس حال میں گزارے کہ کبھی طالبان کے ایک ذمہ دار کے پاس جا کر روتی اور کبھی دوسرے کو جا کر ان سے لجاجت کے ساتھ درخواست کرتی کہ اس کے بیٹے کو معاف کر دیا جائے۔ ایک بار تو میں نے خود بھی مشاہدہ کیا جب میں القاعدہ کے مرکزی ذمہ داران میں سے ایک کے ساتھ قندھار میں طالبان کے ایک دفتر گیا تو وہاں ام مبتسم نے ہمارا دامن پکڑ لیا اور رونے لگی اور اپنا دکھڑا سنانے لگی۔ یہ خاتون وہاں آنے جانے والے ہر ذمہ دار کے ساتھ ایسا ہی کرتی تھی۔ امارت کے ذمہ داران اس خاتون سے حیاء کرتے اور اس کے سامنے سر جھکا لیتے یا نگاہیں پھیر لیتے اور نہایت نرمی سے پیش آتے۔ وہ اس کو ہمیشہ ایک ہی جواب دیتے کہ: ''یہ معاملہ امیر المومنین کی طرف بھیجا جا چکا ہے اور ان شاء اللہ وہ بہتر فیصلہ کریں گے''۔ میں نے اپنے ساتھ موجود بزرگ سے کہا کہ: ''میرے خیال میں امیر المومنین اس جاسوس کو معاف کر دیں گے، مجھے اس میں کچھ شک نہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی عرب شخص کو قتل کرنے کا حکم دیں جب تک کہ ان کے پاس اسے بخشنے کی تھوڑی سی گنجائش بھی موجود ہو''! اور واقعتاً ایسا ہی ہوا، محض ایک دو دن بعد ہی امیر المومنین کا فیصلہ آ گیا...... آپ نے اسے معاف کر دیا!

امید ہے یہ چند بکھری بکھری سی مثالیں امیر المومنین کے کردار کی عظمت سمجھانے کے لیے کافی ہوں گی۔ یہ اس نیک صفت سربراہ کی معطر سیرت کے محض چند پہلوؤں کی سمت اشارہ تھا،

اللہ ان کی نصرت فرمائے اور ان صالح اعمال کو ان کے نیکیوں کے پلڑے میں شامل کر دے، آمین! یہاں میں پھر سے یہ بات دہراتا ہوں کہ مجھے زندہ شخصیات کی تعریف لکھنا پسند نہیں، لیکن چونکہ اس فورم پر بحث کے دوران ایک بھائی نے ایسا تاثر دینے کی کوشش کی کہ ہم امیر المومنین کا ذکرِ خیر نہیں کرتے، یا ان کا نام محض کسی مخصوص غرض کے لیے لیتے ہیں اس لیے جواباً یہ چند سطور لکھنا ضروری ہو گیا تھا۔ اللہ سے امید ہے کہ یہ سطور نفع کا باعث ثابت ہوں گی۔

رہ گئے امیر المومنین (اللہ ان کی عزت میں اضافہ فرمائے) کی سیرت کے معروف و مشہور پہلو، تو ان سے ہر خاص و عام واقف ہی ہے، اس لیے یہاں سابقہ سطور میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ مثلاً آپ کا بدھا کے بت کو تباہ کرنا، آپ کا علماء سے تعلق، آپ کا حکومتِ پاکستان کے ساتھ دوٹوک موقف، آپ کا شیخ اسامہ کو کفار کے حوالے کرنے سے انکار کرنا، آپ کا پوست کی کاشت پر پابندی لگانا، وغیرہ۔ ان میں سے ایک ایک واقعہ ایسا ہے کہ اس کو تفصیل سے قلم بند کرنے اور آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کی ضرورت ہے۔ امت کی زندگی ایسے ہی ابطال کے تذکروں سے ہے جن کے اعمال ان کی عظمت کے شاہد ہوں!

اسی طرح امیر المومنین کے بعض نادر کلمات بھی یاد رکھے جانے کے قابل ہیں! یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان پر حق بات جاری کروادی اور آپ کو نہایت فصاحت کے ساتھ کلمۂ حق کہنے کا ملکہ عطا کیا۔ اللہ نے آپ کو ایسا ایمانی نور، ایسا گہرا فہم اور ایسی عجیب بصیرت عطا کی جس کو الفاظ میں بیان کرنا بھی مشکل ہے۔ جس طرح شیخ اسامہ کی وہ مشہور 'قسم' ہمارے سینوں میں ایمان و یقین کی بجلیاں بھر دیتی ہے کہ:

> ''اس ذات کی قسم جس نے آسمانوں کو بلا ستون بلند کیا! امریکہ اور اس میں رہنے والے خواب میں بھی امن نہیں دیکھ پائیں گے جب تک ہمارے بھائیوں کو فلسطین میں حقیقی امن میسر نہ آ جائے اور جب تک تمام کافر افواج محمد عربی ﷺ کی سرزمین سے نکل نہ جائیں!''

بالکل اسی طرح، بلکہ اس سے بھی زیادہ ایمان و یقین امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ کے یہ تاریخی کلمات ہمارے سینوں میں بھر دیتے ہیں کہ:

> ''میرے سامنے دو وعدے ہیں، اللہ نے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے اور بش نے شکست و ہزیمت کا۔ میں اللہ کے وعدے کو تھامے کھڑا ہوں اور عنقریب سب دیکھ لیں گے کہ دونوں میں سے کس کا وعدہ سچا تھا!''

اسی طرح آپ کا یہ بلیغ جملہ بھی آج تک کانوں میں گونجتا ہے اور آپ کی ایمانی بصیرت کا پتہ دیتا ہے کہ:

> ''بلاشبہ امریکہ ایک بڑا ملک ہے، لیکن اس کی عقل چھوٹی ہے اور وہ حقائق کا سامنا کرنے کی بجائے دھوکے میں مبتلا ہے۔''

میں اللہ عز و جل کو اور اللہ کی تمام مخلوقات کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد سے بہت محبت کرتا ہوں، اگرچہ مجھے ان کے دیدار کا شرف نصیب نہیں ہوا! اور یقیناً تمام معاملات اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور اسی کی طرف لوٹتے ہیں! میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ امیر المومنین کو راہِ حق پر ثابت قدم رکھیں اور ہمیں اور انہیں حسنِ خاتمہ نصیب فرمائیں، آمین!

اے اللہ! جیسے تیرے اس بندے نے تیرے دین کی نصرت کی، تو اس کی نصرت فرما! اے کریم و منان! اے وہاب! اے رحمان و رحیم! تیرے اسے مجاہد بندے نے تیرے وعدے پر بھروسہ کیا اور تیری بات کی تصدیق کی اور سب کو چھوڑ کر تجھی سے امیدیں باندھ لیں...... پس اے اللہ! تو اس کو نامراد نہ لوٹا بلکہ اپنے فضل سے اس کی نصرت فرما! اے اللہ! اگر تو نے اپنے اس بندے کی نصرت نہ کی تو تیری بہت سی مخلوق فتنے میں پڑ جائے گی، یقیناً تو جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، تو ہی ہمارا مولی ہے، پس ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما، یقیناً تو بہترین مغفرت فرمانے والا ہے، آمین!

آخر میں یہی کہوں گا کہ ہر اعتبار سے حقیقتاً کامل ذات تو بس اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔ باقی، اللہ کی تمام مخلوقات جہاں اپنے اندر خوبیاں اور کمالات رکھتی ہیں وہیں ان میں کچھ نہ کچھ کمزوریاں اور عیوب بھی ضرور پائے جاتے ہیں، لیکن ہمیں ہمارے دین نے محاسن کو اجاگر کرنا اور عیوب پر پردے ڈالنا سکھلایا ہے، اور بھلائی کی توفیق تو بس اللہ ہی دیتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میرا گمان ہے کہ ملا محمد عمر حفظہ اللہ کا شمار تاریخ کے عظیم کرداروں میں اور گزشتہ صدیوں کی نادرِ روزگار شخصیات میں ہوتا ہے۔ انسانی آنکھ نے آپ جیسی شخصیات کم ہی دیکھی ہوں گی! اور بلاشبہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، نہ اس کے سوا کوئی الہٰ ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی رب!

الحمدللہ امیر المومنین اور ان کے تمام عرب و عجم ساتھی اپنے عہد پر قائم اور ان شاء اللہ راہِ حق پر ثابت قدمی سے گامزن ہیں، نہ کسی کا ساتھ چھوڑنا اور نہ کسی کی بے جا مخالفت ان کو ضرر پہنچا سکے گی یہاں تک کہ وہ اللہ کا فیصلہ آ جائے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ان کو مضبوطی بخشے، ان کی تکالیف و مشکلات دور کر دے، ان کی نصرت فرمائے، ان کے قدموں کو ثبات دے اور خاص اپنی طرف سے ان کی مدد فرمائے، یقیناً وہ بہترین صفات کا حامل اور اہلِ ایمان کی نصرت پر قادر ہے۔ آمین! والحمدللہ رب العالمین۔

عمرِ ثالث

امارت اسلامیہ افغانستان کے مؤسس عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ علیہ کی مستند تاریخ

مصنف: قاری عبد الستار سعید
مترجم: جلال الدین حسن یوسف زئی

حرفِ اول

الحمدلله رب العلمين والصلاة والسلام على خير خلقه محمد واله واصحابه أجمعين وبعد:

امارت اسلامیہ افغانستان ہمارے ملک (افغانستان) اور تاریخ اسلام میں ایک اہم سیاسی اور جہادی داستان رکھتی ہے، جو کہ زیادہ تر مؤرخین اور مصنفین کی تحقیق کا موضوع رہا ہے۔ اس تحریک کے مؤسس اور امیر مرحوم امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد ان اہم شخصیات میں سے ہیں جن کے ذکر کے بغیر اس دور کی تاریخ ادھوری ہے۔

ملا محمد عمر مجاہد کی زندگی پر اس سے قبل بھی بعض داخلی اور خارجی مصنفین نے کتابیں لکھی ہیں، لیکن ان میں سے اکثر کتابیں پروپیگنڈا اور دشمن کے سیاسی مقاصد و اغراض کو پورا کرنے کی خاطر لکھی گئی ہیں۔ بعض نے ملا صاحب کا تعارف ایسے انداز میں کیا ہے جس سے ان کی شخصیت مشکوک اور بدنام ہو جائے اور بعض نے اپنی قلتِ معلومات کے سبب غلط راہ اختیار کر رکھی ہے۔

اس تصنیف کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ امارت اسلامیہ کے زعیم ملا محمد عمر مجاہد کے دینی و سیاسی کارناموں کو حال اور مستقبل کی مسلمان نسل کے لیے بطور نمونہ و اقتداء پیش کیا جائے۔ اسی طرح مرحوم ملا صاحب کی زندگی پر مبنی اصل اور باوثوق معلومات قارئین تک پہنچائی جائیں تاکہ تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے اور عام قارئین انہی باوثوق معلومات سے فائدہ اٹھا سکیں۔ یہاں ہم مرحوم ملا صاحب کی سیرت پر مبنی کتاب کو لکھنے کی خاطر معلومات کے حصول کی مختصر روداد بھی قارئین کی نظر کریں گے۔

۶ قوس ۱۳۹۵ شمسی ہجری (بمطابق ۲۶ نومبر ۲۰۱۶ء) کو مرحوم امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کی سیرت پر مبنی کتاب کو لکھنے کی مناسبت سے آپ رحمہ اللہ علیہ کے گھرانے کے افراد کی موجودگی میں ایک مجلس کا انعقاد ہوا، جس میں ملا صاحب کے بڑے فرزند امارت اسلامیہ کے نائب مولوی محمد یعقوب مجاہد، آپ رحمہ اللہ علیہ کے بھائی، رہبری شوریٰ کے رکن ملا عبد المنان عمری، آپ رحمہ اللہ علیہ کے مرحوم داماد قاری صدیق اللہ صاحب، آپ رحمہ اللہ علیہ کے بہنوئی مولوی عبد الرحمٰن صاحب، امیر المومنین کے دفتر کے رئیس مولوی احمد جان احمدی، امارت اسلامیہ کے سابقہ ترجمان مفتی لطف اللہ حکیمی، اعلامی کمیشن کے نائب ملا احمد اللہ وثیق، عسکری ادارے کے کمیشن کے مسئول بخت الرحمٰن شرافت، کتاب کے مصنف قاری عبد الستار سعید سمیت باقی مصنفین نے شرکت کی۔

یہ مجلس جو دو دنوں تک جاری رہی جس میں مرحوم امیر الومنین کی تاریخ کو قلم نوشت کرنے کی اہمیت اور ضرورت پر بحث ہوئی اور اس کے بعد اس کام کے لیے ایک اجمالی خاکہ بنایا گیا جس کا پہلا مرحلہ معلومات جمع کرنا اور اس کو کتابی شکل میں مرتب کرنا تھا۔

معلومات کو جمع کرنے کے لیے دسیوں افراد کا چناؤ کیا گیا جن سے براہ راست انٹرویو لیے جانے تھے اور مرحوم امیر المومنین کی زندگی کے مختلف مراحل کی معلومات ان سے جمع کی جانی تھی۔ مجلس میں معلومات کو جمع کرنے کے لیے بھی ایک کمیٹی بنالی گئی جس کی ذمہ داری ملا صاحب کے داماد قاری صدیق اللہ نے اٹھائی اور ان کا نائب قاری عبد الستار سعید (راقم سطور) کو بنایا گیا۔

اور یوں اس طرز پر مرحوم امیر المومنینؒ کی زندگی اور کارناموں کے بارے میں معلومات کو جمع کرنے کے کام کا آغاز ہو گیا۔ معلومات جمع کرنے کے مرحلے میں کمیٹی کے ذمہ دار اور ان کے نائب کے علاوہ کمیٹی کے باقی ارکان مولوی احمد جان احمدی، مفتی لطف اللہ حکیمی، ملا احمد اللہ وثیق، ملا عبد الاحد جہانگیر وال، ملا بخت الرحمٰن شرافت، ملا عتیق اللہ عزیزی اور ڈاکٹر محمد طاہر صاحب سمیت تمام حضرات کے ساتھ نشست کی گئی۔

چند مہینے بعد جب کسی قدر معلومات جمع ہو گئیں تو ایک بار پھر کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا، اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا کہ جمع شدہ معلومات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کتاب کا متن لکھنے کا کام شروع کیا جائے۔ کتاب کا متن کون لکھے؟ اس پر مجلس میں مشورہ کیا گیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ متن لکھنے کی ذمہ داری، راقم سطور (قاری عبد الستار سعید) کو دے دی جائے اور فیصلہ اس پر ہوا کہ میں مہینے کے اوائل میں کتاب کا متن لکھوں گا اور مہینے کے آخر میں تین افراد پر مشتمل کمیٹی (جن کے ارکان مولوی احمد جان احمدی، مفتی لطف اللہ حکیمی اور قاری عبد الستار سعید تھے) اس متن کا مراجعہ کریں گے۔

اس طرز پر کتاب لکھنے کا آغاز ہوا اور کئی مہینوں تک جاری رہا۔ دقیق تحقیق، توثیق اور مزید اضافوں کی وجہ سے کتاب کی حتمی شکل نے طے شدہ سے زیادہ وقت لے لیا اور بالآخر یہ متن تیار ہوا جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

تیار شدہ متن پہلے مرحلے میں اہلِ نظر افراد کو نظر ثانی کے لیے دیا گیا اور آخر میں مرحوم امیر المومنین کے گھرانے کے افراد یعنی ملا صاحب کے بڑے فرزند، ملا صاحب کے بھائی، ملا صاحب کے داماد اور ملا صاحب کے کاتبِ خاص ملا عبد السلام سے نظر ثانی کروائی گئی، جس کے بات مزید اصلاحات کی گئیں اور بالآخر کتاب مکمل اور عام نشر کے لیے تیار ہو گئی۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس کتاب کا حجم اس کی تحقیق اور توثیق کے لیے جمع شدہ خام مواد کی نسبت بہت کم ہے۔ ملا محمد عمر مجاہد اور امارت اسلامیہ کے قیام اور فتح کے بارے میں درکار معلومات کو جمع کرنے کی خاطر ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ واقعات اور مختلف مراحل کے عینی شاہدین کے ساتھ براہ راست ملاقاتیں اور انٹریوز لیے گئے، جن کے بار بار مراجعہ کے بعد انہیں کتاب میں شامل کیا گیا۔

بعض معروف واقعات اگرچہ ملا صاحب کی شخصیت کو اجاگر کرنے میں بھرپور کردار ادا کر رہے تھے لیکن مستند راوی معلوم نہ ہونے کی وجہ سے انہیں کتاب میں شامل نہیں کیا گیا، ملا صاحب کے بارے میں ان کے ساتھیوں، امارت اسلامیہ کے منسوبین اور بعض شخصیات کی ان کے ساتھ گزری یادیں، تاثرات اور آنکھوں دیکھے حال کو من و عن روایت کر کے اس میں شامل کیا گیا ہے۔

اگرچہ ملا محمد عمر مجاہد اور امارت اسلامیہ کے حق میں اور مخالفت پر اس سے قبل بھی کتابیں لکھی گئیں لیکن اس کتاب کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ان حقائق کو اجاگر کیا جائے جو جھوٹ کے غبار تلے چھپائے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ کتاب پچھلی لکھی گئی کتابوں کا تکرار نہیں بلکہ چھپے ہوئے حقائق کو اجاگر کرنے کی ایک کوشش ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اپنے لیے لازم سمجھتا ہوں کہ مجھے اس کتاب کے لکھنے کی توفیق دی۔ للہ الحمد والمنہ

اور جاتے جاتے کتاب کے ان قارئین سے معافی کا طلبگار ہوں جنہوں نے اس کتاب کے نشر اور مطالعہ کے لیے کافی عرصہ انتظار کیا۔

ملا محمد عمر مجاہد اللہ تعالیٰ کے دین کے ایک مخلص اور فداکار محافظ تھے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کو لکھنے کا مقصد مومن رجالِ کار کے کارناموں کو محفوظ رکھنا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اس کاوش کو دینی خدمت کی حیثیت سے اپنے عظیم دربار میں قبول فرما کر ہمارے لیے آخرت کا توشہ بنائے۔ آمین

قاری عبد الستار سعید

۱۳ میزان ۱۳۹۹ ھ ش

(بمطابق: ۱۴ اکتوبر ۲۰۲۰ء)

عمر سے عمر تک، مختصر تاریخی سرگزشت

عالمِ اسلام کے مشہور خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے اواخر میں اسلامی لشکر کے دو سپاہ سالار سرزمینِ افغانستان میں داخل ہوئے۔ حضرت احنف بن قیس تمیمی رضی اللہ عنہ فارس کے مفرور ساسانی بادشاہ یزدگر کی تلاش میں ایران کے علاقے بیرجند اور طبسین کے راستے سے ہوتے ہوئے فراہ میں داخل ہو گئے اور اس کے بعد ہرات کو فتح کیا، کچھ عرصہ بعد عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم پر سیستان پر حملہ کیا، نیمروز اور ہلمند کو فتح کرتے ہوئے قندہار پہنچ گئے۔

۲۳ ہجری میں افغانستان دینِ اسلام سے مشرف ہوا اور اس دور سے ہی اس ملک کے باسی اسلام کے سائے تلے زندگی گزار رہے ہیں، اسلام ان کی رگوں میں خون کی مانند گردش کر رہا ہے اور اسلام ہی کی محبت ان کا سب کچھ ہے۔

اس جغرافیہ کے لوگ قدیم روایات پر مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے تھے اور مؤرخ استاد عبد الحی حبیبی کے مطابق افغانستان میں اسلام کے پھیلاؤ نے ایک صدی سے زیادہ وقت لے لیا، قبولیتِ اسلام کے بعد وہاں کے باسیوں نے دین کی رسی کو مضبوطی سے تھاما اور ایسا تھاما کہ دنیا کے سامنے اس ملک کو نہ ٹوٹنے والی چٹان اور نہ تسخیر کیا جانے والا قلعہ کی مانند بنا کر دکھا دیا۔

پہلی دو ہجری صدیوں میں افغانستان اوّل اموی اور اس کے بعد عباسی خلافت کے ساتھ مربوط رہا۔ تیسری صدی ہجری میں جب سلطنت عباسیہ کا سورج غروب ہوا اور اس کے ساتھ ہی باقی مستقل سلطنتوں کا سلسلہ وسیع ہوا، تو افغانستان پر طاہری، صفاری اور ساسانی بادشاہوں کی حکومت کا دور آیا، چوتھی صدی ہجری کے نصف میں اس علاقہ پر غزنوی سلطنت کا قیام ہوا جس کی حدود مغربی ایران، وسطی ایشیا، ہند اور بحیرۂ عرب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ افغانستان کی تاریخ کا ایک روشن دور تھا۔ غزنوی کے بادشاہوں نے نہ صرف ایک مضبوط سلطنت قائم کر دی بلکہ ان ہی کے دور میں افغانستان کے راستے برصغیر میں اسلام کی دعوت اور فتوحات کا سلسلہ پھیل گیا۔ سلطان محمود غزنوی نا صرف ایک سیاسی شخصیت تھے بلکہ عالم و عابد اور اسلام کی راہ کے سر بکف مجاہد تھے۔ تاریخی روایات کے مطابق آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا بیشتر حصہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے، گھوڑے کی پیٹھ پر گزرا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ جہاں ایک طرف مسلمانوں کے ایک سیاسی رہنما تھے تو دوسری طرف عوام کے دین کی حفاظت، باطل فرقوں کو لگام ڈالنا اور عوام کی اصلاح اور فکری رہنمائی کی طرف بھی متوجہ تھے۔

انہی جیسے صالح حکمرانوں کے سائے تلے ایک طرف اس ملک کے غازی اور مجاہدین فتوحات میں پیش پیش تھے تو دوسری طرف اس کے علماء اور ادیب علم اور ادب میں آگے تھے۔ قرونِ اولیٰ میں خراسان کے علماء نے احادیث جمع کرنے کے علاوہ علم التفسیر، فقہ، بلاغت، ادب، حکمت، طب اور باقی مروجہ علوم میں خدمات سرانجام دیتے ہوئے اسلامی تمدن اور تہذیب کی ترقی و احیاء میں مرکزی کردار ادا کیا۔

سلطنت غزنیہ کے سقوط کے بعد غوریوں، سلجوقیوں اور خوارزم کے بادشاہوں کی حکومتیں بھی افغانستان کی تاریخ کے روشن ادوار تھے، خصوصاً غوری سلطنت جو سلطنتِ غزنیہ کی پیروی کر رہی تھی، ہند میں اس سلطنت نے اسلام کی دعوت کو پھیلانے اور اسلامی علم و تہذیب کے احیاء میں قلیدی کردار ادا کیا۔ لیکن ساتویں صدی ہجری میں چنگیز خان کی یلغار نے اسلامی دنیا کے باقی حصوں کی مانند ہمارے ملک کو بھی سنگین نقصان پہنچایا۔ جس کی وجہ سے افغانستان اپنی مضبوط حیثیت سے محروم ہو گیا۔ اس حادثے کے کئی صدیوں بعد تک یہ ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوا اور کبھی بڑی ہمسایہ سلطنتوں (ہند کے گورگانی، ایران کے صفوی اور وسطی ایشیاء کے شیبانی) کے سائے تلے رہا۔

دینِ اسلام کی مانند اس سرزمین کے باسیوں کی رگوں میں آزادی کا احساس بھی خون کی طرح گردش کر رہا ہے، اس لیے تاریخ کی طوفانی موجوں کے ساتھ ساتھ آزادی کے حصول کے لیے ہر دم کوشاں رہے۔ چنگیز، تیمور، بابری بادشاہت اور صفویوں کے خلاف ان کی مذاحمت اور تحریک اس دعوے کی گواہ ہیں۔

بارہویں صدی ہجری میں افغانستان میں دو اہم سیاسی واقعات رونما ہوئے۔ میرویس خان کی قیادت میں اٹھنے والے افغانیوں نے ۱۱۲۰ھ میں قابض صفویوں کو شکست دے دی جس کے نتیجے میں نہ صرف افغانستان کے جنوبی اور مغربی علاقے فتح ہوئے، بلکہ قابض صفویوں کی حکومت جس کا سایہ دو صدیوں تک پورے علاقے پر رہا، بکھر گیا اور اس کے مرکز اصفہان پر افغانیوں کا جھنڈا لہرایا گیا۔

لیکن افغان عوام کی یہ آزادی تیس سال بعد داخلی نزاع اور نادر افشار کے حملے سے ختم ہوئی۔ نادر افشار کے مرنے کے بعد ۱۱۶۰ھ میں دوسرا بڑا واقعہ رونما ہوا، وہ یہ کہ حالیہ افغانستان کے مؤسس احمد شاہ ابدالی نے قندہار میں ایک نئی آزاد حکومت کی بنیاد رکھی، جو بہت تیزی کے ساتھ ایک خود مختار اسلامی سلطنت کی حیثیت سے ابھری اور جس کے سرحدات ایران کے مشہد سے لے کر مشرق میں سرہند، جنوب کے بحیرہ عرب اور شمال کے وسط ایشیا تک پھیل گئیں۔ احمد شاہ ابدالی بھی سلطان محمود غزنوی کی مانند ایک عالم اور فاضل بادشاہ تھے۔ اس کی سلطنت کی سب سے نمایاں خصوصیت اللہ کی راہ میں جہاد، مسلمانوں کی نصرت اور اسلام کی سربلندی تھا۔ آپؒ نے ہند کی آخری اسلامی حکومت (سلطنت مغلیہ) کو مرہٹوں کے ہاتھ سقوط ہونے سے بچایا اور ہند کے مشہور عالم دین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ہند کے مسلمانوں کی نصرت فرمائی۔

افغانستان کی ذکر شدہ سلطنتیں باقی اسلامی دنیا میں واقع مستقل سلطنتوں کی مانند بعض خامیوں کے باوجود اسلامی حکومتیں تھیں۔ اسلامی وحدت کو برقرار رکھنے کی خاطر بیشتر عباسی اور عثمانی خلفاء کو عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مومن بادشاہ اپنے آپ کو امامت کبریٰ کے مقام پر دیکھتے اور سیاسی حاکمیت ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عوام کی دینی رہنمائی بھی کرتے تھے۔ ہر سلطان بڑے فیصلے دینی علماء کے فتاویٰ اور مشورے کی بنیاد پر کرتا تھا، ان کے لشکروں میں دینی علماء، صوفیا اور مصلحین کی خاص حیثیت تھی اور ان کو خاص ذمہ داریاں دی جاتی تھی۔ اجتماعی زندگی میں اسلامی عقیدے کے ساتھ وفاداری، دینی علم، ادب اور ثقافت کو پھیلانا، دینی علماء، صوفیا اور مدرسین کو لوگ بڑے کی حیثیت سے دیکھنا، کفار کے خلاف جہاد، اپنے عوام کے دینی تشخص کی حفاظت، معاشرے کے اصلاح کی طرف توجہ، کمزور مسلمانوں کی نصرت اور اپنے فکر و عمل میں اسلام کو نافذ کرنا، یہ افغانستان کے سابقہ بادشاہوں کی وہ مشترک صفات ہیں جن کا متدین عوام کی حیثیت سے افغان قوم کی اجتماعی زندگی میں بہت اہم کردار ہے۔ لیکن حالیہ صدیوں کے عالمی انقلابات نے اسلامی دنیا کی مانند افغانستان کی حکومتوں کو بھی متاثر کر دیا جس کی وجہ سے نئے بحران اور مصیبتیں کھڑی ہوئیں۔

احمد شاہ ابدالی کے دور کی اہم عالمی تبدیلیوں میں ایک یورپی استعمار کا پھیلاؤ اور اس کے بعد تیمور شاہ کے دور میں فرانس کا انقلاب۔ یورپی استعمار ایک طرف مسلمانوں کی زمینیں، سمندر اور مادی وسائل پر قبضہ کر رہا تھا، تو دوسری طرف یورپ میں نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے عنوان تلے نئی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں جس سے مسلمانوں کے فکری، اجتماعی اور سیاسی امور میں عظیم خطرات کھڑے ہو رہے تھے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اس طوفان کی گرد افغانستان تک بھی آ پہنچی۔ انگریز جنھوں نے مشرقی ہند میں اپنی کمپنیوں کے توسط سے مداخلت کا آغاز کر دیا تھا، احمد شاہ ابدالی کے پوتوں کے دور میں افغانستان کی طرف بھی اپنے ہاتھ بڑھائے اور سدوزئی اور اس کے بعد محمد زئی کے حکمرانوں کے داخلی اختلافات نے ان کے مقاصد کی کامیابی کے لیے راہ ہموار کر دی۔

انیسویں صدی کے آخری نصف میں افغانستان کی تاریخ میں پہلی بار سیاسی حکومتوں اور دینی طبقے کا راستہ جدا ہوا۔ ملک کے سیاسی حکام جو ماضی میں ہمیشہ اپنے تخت و تاج کی مانند اپنے عوام کے دینی تشخص، خود مختاری اور اپنی مقدسات کی حفاظت اپنا فرض سمجھتے تھے، اس بار صرف اپنے موروثی اقتدار کی حفاظت کی فکر میں لگ گئے اور اپنے ذاتی مقاصد کے لیے انگریز کے ساتھ دوستی کا راستہ اختیار کیا اور اسی طرح عوام کے دینی تشخص کی حفاظت اور آزادی کا داعیہ اٹھانے والا کوئی نہ بچا۔ بالآخر دینی علماء اور عوام کے مذہبی طبقے نے اس ذمہ داری کو اٹھایا۔

۱۸۷۹ء میں انگریز کے ساتھ گندمک کے شرمناک معاہدے کے بعد افغانستان کی اکثر حکومتیں اپنے دینی اور تاریخی تشخص پر قائم رہنے کی بجائے، اغیار کے افکار اور اقدار کو ہمارے معاشرے میں نافذ کرنے اور اس کی ترویج کی کوششوں میں لگ گئے، لیکن اس کے مقابلے میں افغانستان کے مذہبی طبقے نے اپنے دینی مقدسات کے دفاع کے علم کو بلند رکھا۔ حقیقت یہ ہے افغانستان کی گزشتہ ڈیڑھ صدی کے بحران کے عوامل میں سے سب سے بڑا عامل یہ رہا کہ پچھلی

حکومتوں نے اپنے عظیم اسلاف غزنوی اور ابدالی وغیرہ کے نقوشِ پا کو فراموش کر دیا، اپنے دینی مقدسات سے منہ پھیر لیا اور اغیار کے نظریات و افکار کی ترویج کو اپنا اصل ہدف سمجھ لیا، لیکن اس کے مقابلے میں افغانستان کے مذہبی طبقے نے اپنی عوام کے دینی تشخص کے دفاع اور ان کی فسق و فجور سے حفاظت کو اپنا دینی فریضہ سمجھ کر مقتدر طبقے کے انحراف کے خلاف مذاحمت جاری رکھی۔

امیر عبد الرحمٰن خان کے ساتھ ملا مشک عالم، غازی محمد جان خان، ملا عبد الکریم اندڑ، قندھار کے مولوی عبد الرحمن اور باقی مجاہدین کا اختلاف اس وجہ سے تھا کہ امیر عبد الرحمٰن نے گندمک کے معاہدے کی تائید کی تھی اور افغانستان کو ناختم ہونے والے انگریزی یلغار کے سپرد کر دیا تھا۔ اس کے بعد امیر حبیب اللہ خان کے دورِ استبداد میں دینی مصلحین اور معززین مولانا محمد سرور واصف قندھاری، مولانا محی الدین افغان، مولوی عبد الرؤف خاکی سمیت باقی دردمند علماء اور مجاہدین نے انگریز کی ناختم ہونے والی یلغار، درباری فساد اور اجتماعی خرابی کے سامنے اصلاحی تحریک کا آغاز کر دیا جس کی بالآخر انگریز کی حمایت اور مدد سے وقت کے حاکموں نے بے رحمانہ طریقے سے سرکوبی کی۔

امیر امان اللہ خان جس نے انگریز سے آزادی کے حصول، اسلامی اخوت اور عدالت کی بنیاد پر حکومت بنانے کی آواز اٹھائی، افغانستان کے تمام مجاہد علمائے کرام اور مجاہدین نے مضبوط پشت پناہی کی، ان کی قیادت میں تین محاذوں میں انگریز سے لڑے اور آزادی حاصل کی، لیکن بعد میں جب امان اللہ خان مغرب کے افکار سے متاثر ہوا اور اصطلاحات کے عنوان تلے مغربی روایات کی ترویج شروع کر دی، تو علماء اور ان کے مقتدی اس کے مخالف ہو گئے۔ امان اللہ خان کے خلاف پکتیا کے شہید عبد اللہ کی تحریک، اسی طرح کابل میں شہید قاضی عبد الرحمٰن اور نور المشائخ فضل عمر مجددی کی مخالفت اور آخر میں حبیب اللہ کلکانی کی قیادت میں ایک بڑی تحریک کا قیام امان اللہ خان کے اسی انحراف کا نتیجہ تھا جس کی وجہ سے کل تک اس کی پشت پناہی کرنے والے اس کے مخالف بن گئے۔

نادر خان کی بعض سیاسی خامیوں کے ساتھ ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ افغان عوام کے دینی تشخص کی حفاظت کی طرف متوجہ تھے۔ آپ افغانستان کے نامور بادشاہوں میں متدین شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ نادر خان اور اس کے بھائیوں کے دورِ حکومت میں دینی طبقہ اور حکومت کے مابین تصادم کی مثال نہیں ملتی۔ لیکن جب اس کے بیٹے محمد ظاہر شاہ اور بھتیجے محمد داؤد خان برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے دوبارہ ماضی کے تلخ تجارب کو دہرایا۔ ملک میں یورپی لبرل ازم کی ترویج شروع کر دی، کمیونیسٹ افکار کی توزیع کے لیے راہ ہموار کی جس کی وجہ سے ملک بھر میں مذہبی طبقے میں غیرتِ دینی کا احساس ایک بار پھر بیدار ہوا اور شاہی تخت کے خلاف مساجد و منابر سے اعتراضات کی صدائیں اٹھنے لگیں۔

ظاہر شاہ کی دورِ حکومت میں قندھار شہر میں سینما کی تعمیر کے خلاف دینی علماء کی سربراہی میں احتجاج ہوا جس کو زبردستی روک دیا گیا، اسی طرح جمہوریت بنے دس سال بیت گئے تھے کہ سیاسی پارٹیوں کو آزادی دے دی گئی۔ افغانستان کے علماء نے تنظیم ’خدام القرآن‘، کہیځ اور ندائے حق روزنامہ کے ذریعے کمیونیزم اور بے دینی کے خلاف آواز اٹھائی، اگرچہ اس وقت کے حکومتی اہلکار آزادئ اظہار رائے کی بات کرتے تھے، لیکن ظاہر شاہ کی شاہی سلطنت کا جھکاؤ اہلِ دین کی بنسبت کمیونیزم کی طرف زیادہ تھا، کابل کی پلِ خشتی مسجد میں ہزاروں علمائے کرام کے پر امن احتجاج کے خلاف حکومتی اہلکاروں کا توہین آمیز رویہ اس کا ایک بڑا ثبوت ہے۔

داؤد خان کے دورِ اقتدار میں کمیونسٹ باقی دور کی نسبت زیادہ منصبِ اقتدار کے قریب ہوئے۔ اگرچہ سردار داؤد خان نے اپنے آخری دور میں کمیونزم کے خلاف سریع اقدامات اٹھائے لیکن اس وقت پانی سر سے گزر چکا تھا اور کمیونسٹوں نے مارشل لاء لگا کر غلبہ پا لیا۔

سوشلسٹ انقلاب اور روس کی یلغار سے حق اور باطل کے درمیان فکری جنگ نے مسلح جنگ کی شکل اختیار کر لی اور کمیونزم کے خلاف جہاد کا آغاز ہو گیا جس میں دینی علماء کا اہم کردار رہا۔

کمیونزم کے خلاف افغان عوام کے جہاد کے دو مقاصد تھے، ملک سے روسی حملہ آوروں اور کمیونزم کی فکر کو مٹانا اور افغانستان میں ایک ایسے اسلامی نظام کا قیام عمل میں لانا جو مومن اور مجاہد عوام کے دینی تشخص کی نمائندگی کرے۔

روس کی شکست اور جہاد کی فتح کے بعد جہاد میں مصروف علمائے دین ایک بار پھر اپنی مساجد اور مدارس کی طرف لوٹ گئے اور نظامِ حکومت ان مجاہدین کے حوالے کیا جو خود کو عصری علوم سے آگاہ اور حکومت سازی میں ماہر سمجھتے تھے۔ لیکن حادثہ یہ پیش آیا کہ ان اقتدار سے محبت کرنے والے افراد نے جہادی مقاصد سے پیٹھ پھیر لی، حتیٰ کہ بیشتر اپنے اسلامی اور جہادی تشخص کو بھی بھول گئے۔ کل تک جو اسلامی اخوت کے نعرے لگاتے اس وقت قوم پرستوں کی مانند قومی، علاقائی اور لسانی تعصبات میں پڑ گئے۔ مقدس جہادی مقاصد، ڈیڑھ کروڑ شہداء کی قربانیاں، مجاہدین اور مہاجر عوام کی امیدوں کو بھلا بیٹھے اور محض اقتدار کے حصول کو اپنا مقصد حیات بنا لیا۔

چونکہ افغانستان کا تختۂ اقتدار ایک اور دعویدار زیادہ تھے اس لیے نوبت لڑائی تک آ پہنچی، کل تک دینِ اسلام کی حفاظت کے دعوے کرنے والے، کمیونیزم کے خلاف ایک محاذ کے ساتھی تھے اور اب اپنے مومن و مجاہد بھائی کو قتل کرنے کی خاطر کمیونسٹوں کے ساتھ معاہدے تک کیے اور گروہی جنگ کی خونریز آگ بھڑکا دی۔

افغانستان کے دینی علماء گروہی جنگ سے کنارہ کش تھے، بلکہ بعض مسلسل ان کوششوں میں تھے کہ فریقین کے درمیان صلح ہو جائے۔ لیکن اقتدار کی خاطر لڑائی کرنے والے ہر گز کسی کی

بات نہیں سن رہے تھے، یہاں تک کہ نہ صرف جہادی ثمرات کو نقصان پہنچا، بلکہ پورے ملک و قوم کا مستقبل بھی خطرے میں پڑ گیا۔ شہر تباہ ہوئے، قومی سرمایہ کی لوٹ مار ہوئی، ظلم، قتل و قتال اور فساد آسمان کو چھونے لگا اور عوام دن بدن تباہی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

ماضی میں اگر افغانستان کا مذہبی طبقہ صرف دینی اقدار کی حفاظت کی خاطر میدان میں اترا، تو اس بار عوام کے دینی و مادی اقدار دونوں خطرے میں تھے، لہٰذا دینی، عقلی، تاریخی اور ہر لحاظ سے یہ فرض بنتا تھا کہ عوام کے دینی تشخص کے محافظ (علماء، طالب علم، مجاہدین، قبائلی عمائدین اور مصلحین) ایک بار پھر لوگوں کی نجات کے لیے میدان میں اتریں۔ تباہی کے دہانے پر کھڑے افغانستان کو سقوط کے خطرے سے نجات دلائیں اور مطلقاً گمراہی اور زوال کی راہ پر چلنے والی عوام کی خوش بختی، اتحاد اور اسلامی نظام کی طرف رہنمائی کریں۔

ایسے ایک نورانی انقلاب اور عوامی بغاوت کی خاطر تمام تاریخی مقدمات بیان ہو گئے۔ لیکن تقدیر نے اس کارنامے کی سعادت ملا محمد عمر مجاہد کے نام لکھی تھی۔ ظلم و فساد کے عروج میں اللہ کی راہ کے مجاہد ملا محمد عمر نے امید کی شمع جلاتے ہوئے ظلم و فساد کو ختم کرنے کی آواز اٹھائی۔ افغانستان کے تقریباً تمام علماء، طالب علم اور مجاہدین آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دست و باز بنے اور جہادی مقاصد کو پورا کرنے، اسلامی حکومت کے احیاء اور عوام کے دینی تشخص کی حفاظت کی خاطر اس جہادی تحریک کا آغاز ہوا۔

مندرجہ بالا تاریخ سے ملا محمد عمر مجاہد کی تحریک اور امارت اسلامیہ کے بارے میں بنیادی سوالات کا بہت واضح جواب مل جاتا ہے کہ ملا محمد عمر مجاہد کی تحریک کس نظریے پر کھڑی ہوئی۔ وہ افغانستان کے سیاسی منظر نامے پر کہاں سے نمودار ہوئے اور کیوں نمودار ہوئے؟

افغان مسلمان عوام کی ایمانی غیرت و حمیت کو بیدار کرنے والا اور ایک اسلامی انقلاب بپا کرنے والا عظیم رہنما کون تھا؟ اس نے کیسے اٹھنے والے انقلاب کی رہنمائی کی؟ اسلام اور مسلمانوں کی خاطر کیا خدمات انجام دیں اور عالمی قوتوں کا کیا ردعمل رہا؟ آنے والی سطور ان سوالات سمیت دیگر بہت سے سوالات کے جوابات دینے میں آپ کی رہنمائی کریں گی۔

☆☆☆☆☆

غزہ...... چٹان کی طرح مضبوط یہ چھوٹا سا شہر بھی ہم سب کے لیے ایک مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شہر والوں کی مدد فرمائے! غزہ نے یہودیوں کو عاجز کر کے رکھ دیا ہے اور ان کی بے بسی اور کمزوری سب پر عیاں کر دی ہے۔ گو یورپ اور امریکہ میں بسنے والے صلیبی، یہودیوں کی بھرپور مدد کر رہے ہیں مگر اس کے باوجود غزہ اور اس کے مجاہدین یہودیوں کو خون میں نہلا رہے ہیں اور انہیں ہر طرح سے موت کا مزہ چکھا رہے ہیں۔ غزہ اس لیے کامیاب ہے کہ یہاں کے باسیوں نے جہاد اور مزاحمت کا راستہ اختیار کیا اور ان لوگوں کے پیچھے چلنے سے انکار کیا جو مصائب سے بچنے، انتظار کرنے، کفار سے رعایتیں لینے اور امن و سلامتی تلاش کرنے کا درس دیتے ہیں۔

فضيلة الشيخ ايمن الظواهری

شیخ اسامہؒ کے کارہائے نمایاں

میاں اکرم احمد [مدیرِ ثانی مجلّہ نوائے افغان جہاد (فک اللہ اسرہٗ)]

پندرہویں صدی ہجری کی ابتدا اس حال میں ہوئی کہ امت مسلمہ تین صدیوں کی غلامی، کسمپرسی اور ذلت کے بعد عزت، رفعت، عروج اور بلندی کے سفر کو شروع کر رہی تھی۔ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت سے ایسا ماحول میسر ہوا کہ منہجِ نبویؐ کے مطابق جہاد و قتال کے میدان آراستہ ہونے لگے۔ افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف جہاد کا آغاز ہوا۔ اس جہادی سفر کے مسافر شرق و غرب کے مسلمان نوجوان ٹھہرے۔ قافلۂ جہاد کے نقیب شیخ عبد اللہ بن عزام شہیدؒ کی پرسوز دعوت اور اجلے کردار کا اثر تھا کہ امت کے ابطال سرفرازیٔ دین کے لیے افغانستان کے محاذ پر جمع ہونے لگے۔ اِنہی نوجوانوں میں ایک نمایاں نام شیخ اسامہ بن لادن شہید رحمہ اللہ کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کے ساتھ مجاہدین سرخ ریچھ کے مقابل صف آرا ہوئے اور بالآخر سوویت یونین، افغانستان سے اس حالت میں ناک رگڑتا ہوا فرار ہوا کہ اُس کے اپنے حصے بخرے ہوگئے۔ عرب و عجم کے مجاہدین نے اس مبارک جہاد کے بعد بیٹھ رہنا قبول نہیں کیا بلکہ 'مصنوعی خداؤں' کو نابود و ناپید کرنے کے اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی حکمت عملی ترتیب دی۔ اُنہوں نے امریکہ کی صورت میں موجود 'واحد سپر پاور' کو اپنا اگلا ہدف بنایا تاکہ دنیا سے طاغوت کی فرماں روائی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر سکیں اور اللہ کے دین کو کرۂ ارض پر نافذ کر سکیں۔

شیخ عبد اللہ عزام رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد اب اس قافلۂ سعید کے روحِ رواں شیخ اسامہ بن لادن قرار پائے۔ آپ نے اپنی تمام صلاحیتیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہر طرح کے وسائل جہاد و قتال کے میدانوں میں لا کر ڈھیر کر دیے۔ یوں اللہ رب العزت نے عصرِ حاضر کے ہبل کو توڑنے کے لیے 'جیشِ اسامہ' کو کھڑا کیا۔ شیخ کو یقینی طور پر محسنِ امت قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان سطور میں ہم شیخ رحمہ اللہ کے چند نمایاں کارناموں کا اجمالی تذکرہ کریں گے۔ یہاں تو شیخ کے کارہائے نمایاں کا اجمالی تذکرہ ہی ہو سکتا ہے۔ شیخ رحمہ اللہ نے جو معرکے سر کیے اُن کا مفصل اور جامع احوال تو اُن کے نامۂ اعمال میں ہی درج ہو گا، جو اُن کے رب کے پاس محفوظ ہے اور کچھ عجب نہیں کہ ربِ کائنات نے اُن کا اعمال نامہ حاملینِ عرش اور فرشتوں کے سامنے فخریہ انداز میں نمایاں کیا ہو کہ

؏ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

مسلمانوں کو احساسِ عروج دینا اور امریکہ کی بالادستی ختم کرنا:

شیخ نے اپنی جدوجہد اور تمام تر کوششوں کا محور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارک کو رکھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الاسلام يعلوا ولا يُعلیٰ عليه."

"اسلام ہمیشہ بلند ہے، کوئی چیز اس پر برتری نہیں رکھتی ہے۔"

مسلمان جو جہاد افغانستان (اول) سے پہلے دنیا بھر میں مظلومی اور مقہوری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسلام کا نام لینا خود کو نکّو بنانے کے مترادف تھا، اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا عیب سمجھا جاتا تھا، اپنے اسلاف کے ذکر سے اجتناب ہی میں عافیت جانی جاتی تھی...... لیکن جہاد افغانستان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ذہنی غلامی کے اس ماحول کو بدل کر رکھ دیا۔ سوویت یونین کی پسپائی کے بعد امریکہ اسلام کے مقابل آیا تو شیخ نے مسلمانوں میں یہ روح پھونکی کہ 'بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے'۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے جو عزت، عروج، تمکنت، بالادستی، علو اور برتری کے وعدے کیے ہیں...... ان وعدوں کی تکمیل جہاد و قتال کے میدانوں میں ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا شیخ نے امت کے نوجوانوں کو یہ وعدے ازبر کروائے اور ساتھ ہی میادینِ جہاد کی جانب رخ کرنے اور قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق قتال کے فریضے کو سرانجام دینے کی دعوت دی۔ آپ فرماتے ہیں:

> "آج امت مسلمہ کو جن مصائب و آلام کا سامنا ہے، وہ اللہ کے دین اور جہاد کو چھوڑ دینے کا براہ راست نتیجہ ہے۔ ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'جب تم سُودی تجارت (عینہ) کرنے لگو گے اور گائے بیلوں کی دُمیں پکڑ لو گے اور کھیتی باڑی (کی زندگی) میں (مگن ہو کر) مطمئن ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تمہارے اوپر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جو اس وقت تک نہیں ہٹائے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہ لوٹ آؤ'۔ یہ حدیث بالکل واضح ہے اور ہم سب پر حجت تمام کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذلت کی یہ چادر انہی وجوہات کی بنا پر ہمارے اوپر تانی ہے۔ اور یہ اس وقت تک نہیں اٹھائی جائے گی جب تک ہم اپنے دین کی طرف واپس پلٹ نہیں آتے۔ لہٰذا میرے مسلمان بھائیو! یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ دین کی طرف رجوع، کبیرہ گناہوں

سے اجتناب اور جہاد فی سبیل اللہ کی راہ اختیار کیے بغیر کوئی چارہ نہیں! اگر ہم چاہتے ہیں کہ دین صحیح بنیادوں پر قائم ہو تو ہمیں رہ نمائی اور منہج، قرآن و سنت ہی سے لینا ہوں گے اور یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمیں واضح طور پر سمجھا دی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کیا کہ جہاد کا حق ادا کر دیا، دین کی بھرپور تبلیغ کی اور اس بارِ امانت سے سبکدوش ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔"

اسی طرح شیخ نے امریکی بالادستی کے خاتمہ کے لیے بھی اہم کردار ادا کیا۔ ایسا کردار...... جو تاریخ میں مرقوم رہے گا...... جس کردار کی روشنی میں امت مسلمہ کی آنے والی نسلیں ہر طاغوت سے انکار کرنے اور فراعینِ عصر کی رعونت کو خاک میں ملانے کو اپنا فرضِ اولین سمجھیں گی۔

سوویت روس کے خاتمے کے بعد امریکہ 'یک قطبی' دنیا(Unipolar world) کے لیڈر ہونے کا دعوے دار بنا۔ اسی عرصہ میں نیو ورلڈ آرڈر کا نیا رُوپ متعارف کروایا گیا، جس کی رو سے دنیا میں وہی قانون چلے گا جو امریکہ چاہے گا، دنیا میں اُسی کا چلن ہو جسے امریکہ پسند کرے گا، دنیا میں وہی پنپ سکے گا جو امریکہ کی آنکھ کا تارا ہو گا...... الغرض دنیا کا اوڑھنا بچھونا امریکی اشاروں ہی کے مرہونِ منت ہو گا۔ لیکن خالقِ کائنات کے سامنے سربسجود ہونے والے خدائی کے اس دعوے دار کو پرِ کاہ کی حیثیت دینے کو تیار اور آمادہ نہیں تھے۔ اسی لیے سوویت یونین سے فارغ ہونے کے معاًبعد مجاہدین نے اپنی تمام تر توجہات کا مرکز امریکہ اور اُس کے باطل نظام کو بنایا۔ وہ امریکہ جو ناقابلِ تسخیر گردانا جاتا تھا...... مجاہدین کے حملوں کی زد میں آ گیا۔ شیخ کے ہاتھ میں ان مجاہدین کی قیادت تھی جو امریکہ کی خدائی کا انکار کر کے ربِ واحد کی توحید کو دنیا میں عملاً رائج و نافذ کرنا چاہتے تھے۔ شیخؒ نے ایسے وقت میں امریکہ کو للکارا جب ساری دنیا اُس کے احکامات کے آگے 'دُم ہلاؤ' پالیسی اپنائے ہوئے تھی۔ آپ نے امریکی عوام کو مخاطب کر کے فرمایا:

"ان شاء اللہ ہم امریکہ سے لڑتے رہیں گے، امریکہ کے اندر اور باہر شہیدی حملے جاری رکھیں گے یہاں تک کہ تم ظلم سے باز آ جاؤ، حماقتیں ترک کر دو اور اپنے کم عقل حکمرانوں کو لگام دو۔ یاد رکھو! ہم اپنے شہدا کو ہرگز نہیں بھولتے، خصوصاً وہ جو فلسطین میں تمہارے حلیف یہودیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے ہیں۔ ان شاء اللہ ہم ان کا بدلہ تمہارے ہی خون سے وصول کریں گے، اسی طرح جیسے یومِ تفریق (گیارہ ستمبر) میں ہم نے کیا تھا ۔ جب تک ہمارے ہاتھوں میں ہتھیار اٹھانے کی سکت ہے ہم تمہارے خلاف لڑتے رہیں گے۔ اور ہمارے بعد ہماری اولاد یہ ذمہ داری سنبھالے گی۔ ہماری مائیں ہم پر روئیں اگر ہم اپنی سرزمین میں تمہارے ناپاک وجود کا ایک ذرہ بھی باقی رہنے دیں!!!"

شیخؒ امت کے نوجوانوں کو تسلسل کے ساتھ امریکہ کے مقابل آنے کے لیے ابھارتے رہے۔ اسی تحریض کا نتیجہ گیارہ ستمبر کے معرکوں کی صورت میں سامنے آیا۔ جب دنیا نے 'ناقابل شکست اور ناقابل تسخیر امریکہ' کی تہذیبی عظمتوں کے نشان ورلڈ ٹریڈ سنٹرز کو زمین بوس ہوتے اور اُن کے ناقابل رسائی پنٹاگان کی عمارت کو خاک میں ملتے دیکھا۔ شیخؒ نے اللہ تعالیٰ ہی کی مدد اور نصرت کے ذریعے امریکہ کا ہوّا، جو اُس نے کئی دہائیوں کی محنتوں کے بعد پیدا کیا تھا، کو ہوا میں اڑا کر رکھ دیا۔ آپؒ نے فرمایا:

"سوویت اتحاد کی شکست کے بعد امریکہ "واحد سپر پاور" کے طور پر سامنے آیا اور دیگر اقوام پر اپنا سیاسی تسلط جمانے لگا، ہمارے نام نہاد مسلمان حکمران اُس کے سامنے پہلے سے بھی زیادہ خشوع و خضوع کے ساتھ جھک گئے، اس کی وجہ سے وہ مزید جری ہو کر صہیونی عزائم کی تکمیل کے لیے فلسطین میں مزید تباہی پھیلانے لگ گیا۔ ایسے میں اس امت کے بیٹوں کی ایک مختصر سی جماعت نے اس ہٹلرِ زمانہ، ایک سینگ والے وحشی درندے کے خلاف جہاد کا علَم بلند کیا۔ ہم نے اُس کے غرور کا سینگ توڑ ڈالا، اُس کے قلعے کو مسمار کر دیا اور اُس کی عظمت کے مینار کو زمین بوس کر کے رکھ دیا۔ اس کے جواب میں وہ اس زعم میں کہ وہ مجاہدین کی قیادت کو زندہ یا مردہ اپنے کٹہرے میں لا کھڑا کرے گا اور دنیا کے سامنے نشانِ عبرت بنا دے گا، ہم پر حملہ آور ہوا۔ اُس وقت اس کی حالت بالکل ابو جہل جیسی تھی جو بدر کے دن اپنی جنگی اور عددی قوت پر اتراتے ہوئے نکلا تھا۔ لیکن ہم نے اُس کا ہتھیار کند ثابت کر دکھایا، اُس کی فوج کو جہنم کا ایندھن بنا ڈالا اور اُس کی جمعیت کو پارہ پارہ کر دیا اور بہر حال یہ سب کچھ اللہ وحدہ لاشریک کے فضل و کرم ہی سے ہو پایا۔"

امریکیوں کی بزدلی اور میدانِ جنگ سے فرار کی راہ اپنانے کے متعلق شیخؒ نے کیا خوب فرمایا:

"ہم نے گذشتہ عشرے میں امریکی حکومت کا زوال اور امریکی فوج کی کمزوری دیکھی ہے جو سرد جنگ لڑنے کے لیے تو تیار ہے لیکن طویل جنگیں لڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ یہ بات بیروت میں ثابت ہوئی تھی جہاں میرینز صرف دو دھماکوں کے بعد بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ چوبیس گھنٹوں سے کم میں میدان چھوڑ کر بھاگ سکتے ہیں، اور

یہی بات صومالیہ میں بھی دہرائی گئی۔ ہم ہر طرح کی صورتحال کے لیے تیار ہیں۔ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں۔'' (امریکی صحافی جان ملر کے ساتھ انٹرویو:۱۹۹۸ء)

دنیا بھر میں امریکیوں کے خوف سے لرزنے والوں کے لیے شیخؒ کے اس قول میں بہت سبق پوشیدہ ہے، اپنے اس بیان میں شیخ امریکی ''بہادری'' کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں:

''تمہاری یہ جعلی جرأت بیروت میں ۱۴۰۳ھ میں ہونے والے دھماکوں کے بعد کہاں گئی جن مین تمہارے دو سو اکتالیس فوجیوں جن میں زیادہ تر میرینز تھے، کی ہلاکت نے تمہارے پرخچے اڑا دیے تھے، اور تمہاری یہ جعلی بہادری عدن میں کہاں گئی تھی جب صرف دو دھماکوں نے تمہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چوبیس گھنٹوں کے اندر وہاں سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

مگر تمہاری سب سے بڑی اور بدترین ذلت کا مقام صومالیہ تھا، جب امریکی طاقت اور سرد جنگ کے بعد امریکی نیو ورلڈ آرڈر کی سرداری کے دعووں پر کئی مہینوں تک چلنے والی بہت بڑی پراپیگنڈا مہم کے بعد تم نے بین الاقوامی فوج کے لاکھوں فوجی صومالیہ میں داخل کیے، جن میں اٹھائیس ہزار امریکی فوجی بھی شامل تھے۔ مگر معمولی لڑائیوں میں کچھ درجن فوجیوں کی ہلاکت اور اپنے ایک پائلٹ کے موغادیشو کی سڑکوں پر گھسیٹے جانے کے بعد تم اپنے کندھوں پر شرمندگی، نقصان اور خوف و ہراس کا بوجھ اٹھائے، مایوسیاں، ذلت اور شکست اور اپنے مردہ فوجیوں کی لاشیں اپنے دامن میں سمیٹے وہاں سے فرار ہوگئے۔ اور کلنٹن پوری دنیا کے سامنے ان دھمکیوں اور وعدوں کے ساتھ نمودار ہوا کہ وہ انتقام لے گا جبکہ یہ دھمکیاں صرف فرار کا ایک بہانہ ثابت ہوئیں، اور پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر ذلت مسلط کی اور تم وہاں سے بھاگے اور تمہاری کمزوری اور نامردی کی انتہا ہوگئی۔ ان تین اسلامی شہروں بیروت، عدن اور موغادیشو میں تمہاری ذلت آمیز شکست خوردگی کے منظر نے ہر مسلمان کے دل کو راحت بخشی اور مومنوں کے سینوں کے لیے شفا بن گیا۔'' (دو مقدس مقامات کی سرزمین پر قابض امریکیوں سے اعلان جہاد)

مسجد اقصیٰ کو دنیا کا مسئلہ نمبر ایک بنانا:

شیخؒ نے مسجد اقصیٰ کو دنیا کا اولین مسئلہ گردانا اور بالآخر تمام دنیا سے منوایا کہ مسئلہ فلسطین سب سے اہم مسئلہ ہے۔ آپؒ نے امت مسلمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے امت مسلمہ! بے شک فلسطین اور اس کے باشندے تقریباً ایک صدی سے یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں فتنہ و فساد برداشت کر رہے ہیں۔ ان دونوں گروہوں نے ہم سے فلسطین مذاکرات کے ذریعے نہیں بلکہ طاقت کے زور پر حاصل کیا ہے۔ لہٰذا اس کی واپسی کا راستہ بھی یہی ہے کیونکہ لوہا ہی لوہے کو کاٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کفار کا زور توڑنے کا راستہ واضح کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لاَ تُكَلَّفُ إِلاَّ نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللّٰهُ أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُواْ وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْساً وَأَشَدُّ تَنكِيلاً ۝ (النساء:۸۴)

'چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی راہ میں لڑیں، آپ صرف اپنی ہی ذات کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں اور آپ مومنوں کو رغبت دلائیں، امید ہے کہ اللہ کافروں کی جنگ کو روک دے اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں۔'

اس لیے قتال اور اس کی ترغیب کے ذریعے ہی کفار کا زور ٹوٹے گا۔''

شیخؒ نے گیارہ ستمبر کی مبارک کارروائیوں کی بنیادی وجہ بھی فلسطین ہی کو قرار دیا۔ آپؒ نے ان کامیاب معرکوں کے بعد امریکیوں کو مخاطب کرتے ہوئے تاریخی الفاظ میں قسم اٹھاتے ہوئے فرمایا:

''میں اُس اللہ عظیم و برتر کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے آسمان کو بغیر ستون کے بلند فرمایا۔ نہ تو امریکہ اور نہ ہی امریکہ والے سکون کا سانس لے سکیں گے، جب تک ہم حقیقی معنوں میں فلسطین میں امن و سکون سے نہیں رہیں گے اور جب تک ارض محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام کافر فوجیں نکل نہیں جاتیں۔'' (معرکہ گیارہ ستمبر کے بعد خطاب)

اہل فلسطین کو حوصلہ دیتے ہوئے اور اُن کی ہمت بندھاتے ہوئے آپؒ نے یہ تاریخی الفاظ کہے:

''ہم اپنے فلسطینی بھائیوں کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ تمہارے بچوں کا خون ہمارے بچوں کا خون ہے اور تمہارا خون ہمارا خون ہے، پس خون کا بدلہ خون

سے اور تباہی کا بدلہ تباہی سے لیا جائے گا۔ ہم رب العزت کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ یا تو ہمیں فتح حاصل ہو جائے یا پھر ہم اُسی انجام کا مزہ چکھ لیں جو حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا۔ ہم تمہیں یہ خوش خبری بھی سنانا چاہتے ہیں کہ اسلام کی نصرت کے لیے لشکر چل پڑے ہیں اور یمن سے آنے والی مدد و نصرت بھی ان شاء اللہ اب رکنے نہ پائے گی۔" (جدید صلیبی جنگیں حصہ اول)

ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں:

"ہم اللہ کے حکم سے فلسطین کے بالشت بھر حصے سے بھی ہر گز دست بردار نہ ہوں گے، جب تک اس زمین پر ایک بھی سچا مسلمان بستا ہے۔ جو کانٹا بوئے گا وہ انگور کی فصل نہیں کاٹ سکتا۔" (اسرائیلی غاصبانہ قبضے کے ساٹھ سال اور خطے میں محاذ آرائی کی وجوہات: مغربی عوام کے نام پیغام، ۱۴۲۹ھ)

بلادِ حرمین پر امریکی قبضہ کو نمایاں کرنا:

مسجد اقصیٰ اور فلسطین پر قبضے کے بعد صلیبی و صہیونی اتحاد نے سرزمین حرمین کی طرف اپنے ناپاک قدم بڑھائے۔ ۱۹۹۰ء میں کویت پر عراق کے قبضے کو آڑ بناتے ہوئے امریکی افواج سعودی نظام حکومت کی غداری کے باعث سرزمین حرمین میں داخل ہو گئیں۔ اور آج بھی حرمین شریفین کے قرب و جوار میں ناپاک امریکی موجود ہیں۔ جب کہ حال یہ ہے کہ امت مسلمہ کی اکثریت اس معاملہ سے بالکل لاتعلق ہے۔ اُنہیں سرے سے احساس ہی نہیں کہ بیت اللہ اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزمین پر کیا بیت رہی ہے۔ آل سلول (جزیرۃ العرب پر مسلط حکمران طبقہ) کا سردار آج بھی امت کے بیشتر افراد کی نظر میں "خادم الحرمین الشریفین" ہے۔ شیخ فرماتے ہیں:

"آج امت کا سب سے گہرا گھاؤ وہ ہے جو دشمنوں نے اس کے مقدس ترین مقام، اللہ کے گھر...... بیت عتیق...... خانۂ کعبہ کی سرزمین پر لگایا ہے...... اس سرزمین پر جہاں ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے۔ اس سے پہلے ہماری ہی غفلتوں اور اغیار کی سازشوں نے ہم سے ہمارا قبلۂ اول اور واقعۂ معراج کی یادگار، مسجد اقصیٰ چھنوائی۔ آج صلیبی صہیونی اتحاد ہمارے دوسرے مقدس مقام، سرچشمۂ اسلام، سرزمین حجاز میں اپنے ناپاک پنجے گاڑ چکا ہے۔ اور یقیناً ہمارے پاس اللہ بزرگ و برتر کے سوا کوئی بچاؤ اور قوت نہیں۔ بلاشبہ ہمارے باقی زخم بھی رِس رہے ہیں لیکن

سرزمین مکہ و مدینہ پر لگنے والا یہ گھاؤ سب سے زیادہ تکلیف دہ اور سب سے زیادہ ہیبت ناک ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر آج تک، اس امت کی پوری تاریخ میں ہم پر کبھی اتنی بڑی مصیبت نہیں ٹوٹی۔ کفار کو کبھی بھی یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ وہ اللہ کے گھر کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ آج یہ مقدس زمین امریکی فوجیوں کی چراگاہ اور یہود و نصاریٰ کی خبیث عورتوں کے لیے تفریح گاہ بن چکی ہے۔ یہ ناپاک وجود اُس زمین کو اپنے پیروں تلے روند رہے ہیں جو ہمارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش ہے، جہاں جبرائیل امینؑ آسمان سے وحی لے کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تھے۔ آخر کب تک مسلمان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نصرت اور اس کے گھر کے دفاع سے غافل ہو کر بیٹھے رہیں گے؟ دنیا بھر کے اہل ایمان آخر کب اٹھیں گے؟ کب صلیبیوں اور صہیونیوں کی نجاست سے اس مقدس زمین کو پاک کریں گے؟ یہ تو اللہ رب العزت کا حکم ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا (التوبة:۲۸)

"اے ایمان والو! مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں! پس وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔"

کیا مسلمان بھول گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے مرض الموت میں ایسا ہی حکم صادر فرمایا تھا کہ

"اخرجوا المُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَب."

"مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو!"

امریکی افواج کو سرزمین مکہ و مدینہ میں داخل ہوئے دس سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے (یاد رہے شیخ کی یہ تقریر ۲۰۰۰ء کی ہے)۔ اللہ کی قسم! آج محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی جزیرۂ عرب کے قید خانوں میں بند ہیں جب کہ امریکیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزمین میں دندنانے کی عیش اُڑانے کی کھلی چھٹی ہے؟! کیا لوگوں کے سینوں میں ایمان کی کوئی رمق باقی نہیں بچی؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے لیے لوگوں کی غیرت ختم ہو گئی؟" (اے اللہ صرف تیرے لیے)

حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ:

آج صلیبی ممالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت جیسے جرم عظیم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ امت مسلمہ سے متعلق ہر فرد کا دل اس حوالے سے زخمی ہے۔ شیخؒ نے حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لیے قراردادوں، جلسوں، مظاہروں اور نعروں کے پرفریب جال کی طرف دعوت دینے کی بجائے عملی اقدامات کرنے کی طرف توجہ دلائی اور کفار کو جری انداز میں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> ’’اگر تمہاری اظہار رائے کی آزادی کا کوئی اصول نہیں تو پھر ہمارے افعال کی آزادی کے لیے بھی اپنے سینے کھلے رکھو۔ یہ بات عجیب اور اشتعال انگیز ہے کہ تم نرمی اور سلامتی کی بات کرتے ہو حالاں کہ تمہارے فوجی ہمارے ملکوں میں ناتواں لوگوں تک کا مسلسل قتل عام کر رہے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ تم نے یہ خاکے شائع کیے جو کہ جدید صلیبی حملے کا ایک حصہ ہیں اور ’’ویٹی کن‘‘ میں بیٹھے پوپ کا اس میں بہت بڑا ہاتھ ہے۔ یہ تمام چیزیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ تم مسلمانوں سے ان کے دین پر جنگ جاری رکھنا چاہتے ہو اور یہ جاننا چاہتے ہو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو اپنے جان ومال سے زیادہ محبوب ہیں یا نہیں؟ لہٰذا اب ہمارا جواب اب تم سنو گے نہیں بلکہ دیکھو گے اور ہم برباد ہوں اگر ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت نہ کریں۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔‘‘(یورپ کے عقل مندوں کے نام)

جہاد کو امریکہ اور اُس کے حواریوں کے اثرات سے پاک کرنا:

شیخ کا ایک بڑا کارنامہ موجودہ دور میں جہاد جیسے اہم فریضے کو تمام طواغیت کے اثرات سے پاک کرنا ہے۔ سوویت یونین کے خلاف جہاد کے آخری چند سالوں میں بعض مجاہد تنظیموں کی طرف سے امریکی امداد اور پاکستانی وسعودی نظام ہائے مملکت کے تعاون کو قبول کرنے کے نتیجے میں جہاد جیسے مقدس فریضے پر بھی طعنہ زنی کی جانے لگی۔ کفر کے ذرائع ابلاغ نے پوری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹا کہ سوویت یونین کو امریکی ڈالروں اور سٹنگر میزائلوں کی مدد سے شکست دی گئی۔ وہ مجاہدین جنھوں نے روس کے خلاف جہاد شروع کیا اور بے سروسامانی اور فاقہ مستی کے عالم میں کامل ایک دہائی تک روسی افواج کا مقابلہ کرتے رہے ‘اُن کی سعی وجہد کو منظرِ عام سے ہٹا دیا گیا۔ اب جہاد بھی ’امریکی برانڈ‘ مشہور ہونے لگا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جہاد کشمیر کو پاکستانی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی نے یرغمال بنالیا۔

شیخ اور اُن کے ساتھیوں نے جہادِ اسلامی کے پاکیزہ ماتھے سے امریکی بدنما داغ مکمل طور پر دھو ڈالا۔ آپؒ نے دنیا کو بتایا کہ جہاد افغانستان اول میں بھی عرب وعجم کے مجاہدین نے بے پناہ قربانیوں کے بعد محض اللہ تعالیٰ کی مدد، تائید اور نصرت کے سہارے دنیا کی عظیم ترین طاقت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا تھا اور پھر آپ نے بالفعل امریکہ کو دعوت مبارزت دے کر اس پراپیگنڈے کے غبارے سے بھی ہوا نکال دی کہ امریکی ڈالروں کے بغیر جہاد ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں نے تن تنہا، صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے امریکہ کے خلاف جہاد کیا۔ امریکہ اور نیٹو اتحاد کو آپؒ نے اللہ کی مدد ومعیت سے شکست کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ ایک ایسا میدان جس میں ایک طرف امریکہ تھا، اُس کی ٹیکنالوجی تھی، اُس کے صلیبی اتحادی تھے، اُن کی افواجِ قاہرہ تھیں، امریکہ کے غلام، مسلم خطوں کے مرتد حکمرانوں کا ٹولہ تھا، اُن کی خفیہ ایجنسیاں اور ان کی افواج تھیں، لیکن دوسری طرف، غزوۂ احزاب کی یاد تازہ کرتے مجاہدین کا مختصر سا گروہ تھا، مٹھی بھر چنوں اور چند کھجوروں پر کئی کئی دن بِتانے والے فاقہ مست تھے، پرانی بندوقوں اور دیسی بموں سے ’’لیس‘‘ مجاہدین فی سبیل اللہ تھے، سخت ترین موسم کی صعوبتیں برداشت کرنے والے مہاجرین تھے، اپنے جسموں کو بموں میں تبدیل کر لینے والی فدائی مجاہدین تھے اور پھر چشم عالم نے دیکھا کہ جنھوں نے سوکھی روٹی قہوہ کے ساتھ کھا کر روس کو دریائے آمو کے پار دھکیل دیا تھا، آج وہی اللہ کے بندے امریکہ اور اُس کے پورے کفری اتحاد کو تگنی کا ناچ نچا رہے ہیں، شیخؒ نے دنیا کو کھلی آنکھوں سے وہ منظر دکھلا دیا، جس کے بارے میں شاعر نے کہا تھا

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

امیر المجاہدین شیخ نے بدر کی فضا پیدا کی، اُحد کے میدان کا نقشہ دہراتے ہوئے اپنے قریب ترین ساتھیوں کے جسموں کے پرخچے اڑتے دیکھے اور آیت قرآنی کے مصداق جب یہ معاملہ ہوا:

> الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ (آل عمران: ۱۷۳)
>
> ’’وہ لوگ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے میں لشکر جمع کر لیے ہیں۔ تم ان سے خوف کھاؤ۔‘‘

تو اُن کا حال آج بھی یہی تھا

> فَزَادَهُمْ إِيْمَاناًۖ وَقَالُواْ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران: ۱۷۳)
>
> ’’تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔‘‘

احزاب کی طرح جب اُن کی نظر کفار کے اتحادی لشکروں پر پڑی تو قرآنی الفاظ اُن پر صادق آئے:

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا○(الاحزاب: ۲۲)

”اور ایمان داروں نے جب (کفار کے) لشکروں کو دیکھا (تو بے ساختہ) کہہ اٹھے! کہ انہی کا وعدہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا اور اس (چیز) نے ان کے ایمان میں اور شیوۂ فرماں برداری میں اور اضافہ کر دیا۔“

اس کے نتیجے میں وہ فساق وفجار جو جہاد اور فلسفۂ جہاد پر چاند ماری کرتے تھے، منہ میں انگلیاں دبائے، حیران و ششدر امریکی اتحاد کی شکست خوردگی کو دیکھ رہے ہیں۔ شیخ نے ثابت کیا کہ سابقہ افغان جہاد میں بھی امریکی مدد وتعاون کے بغیر مجاہدین نے خالص اللہ کی نصرت سے فتح و کامرانی حاصل کی تھی اور موجودہ جہاد میں بھی فقط اللہ ہی کی طاقت، قوت، مدد اور بھروسے پر مجاہدین کامیابیاں سمیٹ رہے ہیں۔

الولاء والبراء کا مفہوم امت کو سمجھانا:

عقیدہ الولاء البراء کو جس قدر شیخؒ نے اپنی جہادی تحریک کی بدولت عام کیا، اس کی مثال سقوطِ خلافت کے بعد ملنا محال ہے۔ الولاء والبراء کے عقیدے پر مصلحتوں، عیش کوشیوں اور ہوائے نفس کی دبیز تہہ جم چکی تھی۔ اس قدر حساس عقیدہ عمومی طور پر عدم توجہی اور بے اعتنائی کا شکار تھا، آپؒ نے دوستی اور دشمنی کے معیار کے اسلامی فہم کو عام کیا۔ اپنی گفتگوؤں، تقاریر اور پیغامات میں اس اہم ترین عقیدہ کی نزاکتوں اور جزیات پر سیر حاصل گفتگو فرمائی اور امت مسلمہ کو اس جانب متوجہ کیا کہ وہ اپنی پسند وناپسند، دوستی و دشمنی، موالات و معادات اور ولایت وبرأت کو قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق ڈھالیں۔ آپؒ فرماتے ہیں:

”عقیدہ الولاء البراء اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے۔ یعنی ہم اسی سے دوستی کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست ہو اور اسی سے دشمنی کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو۔ لیکن منافق اور درہم و دینار کے بندے، ہر حق وباطل میں بادشاہ کی پیروی کرتے ہیں۔ جس سے یہ (بادشاہ) دوستی کرے وہ ان کا دوست اور جو اس کا دشمن وہ ان کا دشمن ہوتا ہے۔ کیا کسی انسان میں، یوں اپنے عقل وضمیر کے خلاف چل کر بھی کوئی انسانیت باقی رہ سکتی ہے؟ کیا ”ایک اچھا شہری“ بننے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے دین سے ناتا توڑ لیں اور اپنی عقلوں پر پردے ڈال لیں؟“(اے اللہ صرف تیرے لیے)

ایک اور جگہ آپؒ فرماتے ہیں:

”میں اللہ رب العزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو شخص بھی بش اور اس کے منصوبے کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو رد کر دیا۔ اور یہ حکم اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے واضح ترین احکامات میں سے ہے۔ اور میں یہ نصیحت کرتا ہوں، جیسا کہ اس سے قبل میں نے اور بہت سے علمانے بھی یہ نصیحت کی ہے اور میرے اس دعوے کا ثبوت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے یہ الفاظ ہیں، جو اُس نے سچے مومنین کو خطاب کر کے فرمائے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاء بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ (المائدۃ:۵۱)

”اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے۔“

علمائے حق نے فرمایا ہے کہ جو کوئی بھی کفار سے دوستی کرتا ہے، اُنہیں اپنا محافظ اور سردار بناتا ہے تو وہ کفر اختیار کرتا ہے۔ اور اُن کے ساتھ دوستی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اُن کی جدوجہد کی حمایت منہ سے کی جائے یا بحث ومباحثہ سے اور تحریروں سے کی جائے۔ پس جس کسی نے بھی مسلمانوں کے خلاف بش اور اُس کی مہم کا راستہ اختیار کیا تو اُس نے کفر کیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ اور اُس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ اور مندرجہ بالا آیت کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُواْ عَلَى مَا أَسَرُّواْ فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ○ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُواْ أَهَؤُلاء الَّذِينَ أَقْسَمُواْ بِاللّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُواْ خَاسِرِينَ○ (المائدۃ۵۲،۵۳)

”آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے، وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی

اور چیز لائے پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر (بے طرح) نادم ہونے لگیں گے اور ایماندار کہیں گے، کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے۔"

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ "بہت سارے صحابہؓ کو معلوم نہ تھا کہ منافقین کا سردار عبداللہ بن اُبی کافر تھا۔ جب مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان بات بڑھتے بڑھتے بگڑ گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں سزا دینے کا فیصلہ کیا تو عبداللہ بن اُبی منافقین کا سردار، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گیا اور اُس نے یہودیوں کی حمایت کی۔ اس وجہ سے یہ آیات نازل ہوئیں"۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ کوئی مسلمان جب کفار کے ساتھ دوستی کرتا ہے اور مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرتا ہے تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے اسلام سے خارج ہو کر کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس طرح وضو کے نواقض ہوتے ہیں اسی طرح ایمان کے بھی نواقض ہیں، جن کا مرتکب ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اور کفار سے دوستی اور اہل اسلام کے خلاف ان کی مدد اسلام سے خارج کر دینے والے اعمال میں سے ایک ہے۔

لہٰذا جو لوگ کافروں کو اپنا سردار، دوست اور نجات دہندہ سمجھتے ہیں تو وہ بلاشک وشبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کافر ہیں اور یہ آیت اس بات کی مضبوط دلیل ہے کہ جن لوگوں نے کفار کو اپنا امام بنایا وہ مرتد ہو گئے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ (المائدۃ: ۵۴)

"اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہو گی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہو گی وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر، سخت اور تیز ہوں گے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا بھی نہ کریں گے یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے۔"

لہٰذا میں مسلمانوں پر واضح کرتا ہوں کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں سے نفرت کریں اور اس بارے میں نہایت محتاط رہیں اور جو کوئی بھی محض ایک لفظ سے اُن کی حمایت کا ارتکاب کرے وہ اللہ سے سچی لگن ظاہر کرتے ہوئے توبہ کرے اور اپنی غلطیوں پر نادم ہوتے ہوئے اپنے ایمان کا از سر نو اقرار کرے۔" (جدید صلیبی جنگیں)

اسلامی خطوں میں شریعت اسلامیہ کے نفاذ کی دعوت:

شیخ اسامہ بن لادنؒ نے اپنی پر سوز دعوت کے ذریعے اس پیغام کو عام کیا کہ اسلامی ممالک میں رہنے والے مسلمان اپنے اپنے ملکوں اور خطوں میں دین کو بطور نظام نافذ کرنے کے لیے جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے میدانوں کا رخ کریں۔ مرتدین کے خلاف قتال کی شرعی حیثیت کو مکمل شرح و بسط سے واضح فرمایا۔ مسلمانوں پر مرتد حاکم کے مسلط ہونے جیسی مصیبتِ کبریٰ کی صورت میں عملی راہوں پر نکلنے اور اُس حاکم کا تختہ الٹ دینے جیسے احکامات سے آگاہ کیا۔ آپؒ نے اجتماعی طور پر اس فرض کو ادا کرنے پر ابھارا اور ہر فرد کو انفرادی خطاب کر کے بھی اُس کا فرض یاد دلایا۔ آپؒ نے فرمایا:

> "اے اللہ کے بندے! اگر تم اللہ کے دین کے خلاف لڑنے والوں کی صف میں کھڑے پائے گئے تو کل کو اپنے رب کو کیا جواب دو گے؟ وہ تو طاغوت کی راہ میں قتال کر رہے ہیں اور تم اپنے ہتھیار اور زبان سے ان کی نصرت کر رہے ہو۔ آخر اس بات کا تمہارے پاس کیا جواب ہو گا کہ تم اللہ کے دشمنوں کو تو اچھا کہو اور مجاہدین پر الزام تراشی کرو؟ بالکل اسی طرح جیسے وائٹ ہاؤس میں بیٹھا اُس کا فرماں روا اُن پر دہشت گرد اور تخریب کار ہونے کا الزام لگاتا ہے۔ جب تم سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا دین کیا ہے تو کیا تم اس وقت جھوٹ بولو گے؟ حالاں کہ اس وقت جھوٹ تمہارے کچھ کام نہ آئے گا۔ اگر آپ یہ کہیں گے کہ میرا دین اسلام ہے لیکن آپ اس کے جھنڈے کی جگہ اس کے خلاف برسرپیکار اوبامہ اور زرداری کے جھنڈے تلے کھڑے پائے جائیں تو کیا آپ کا دعویٰ تسلیم کیا جائے گا؟ لوگ تو اپنے جھنڈوں اور ان گروہوں کی نسبت سے پہچانے جاتے ہیں جن سے ان کی دوستی اور محبت ہو۔ اب آپ خود دیکھ لیجیے کہ آپ کس کے جھنڈے تلے کھڑے ہیں۔ مجاہدین، روس اور اس کی آلۂ کار افغان فوج کے ساتھ بیک وقت لڑتے تھے کیونکہ دونوں کا حکم ایک جیسا تھا۔ پاکستان اور دیگر ممالک کے علما نے ان کے خلاف قتال کے فتوے بھی دیے، چاہے وہ نماز پڑھتے رہیں، روزے رکھتے رہیں اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے

رہیں۔ اہلِ بصیرت کے لیے اس میں عبرت کی بہت نشانیاں ہیں۔ آج پاکستانی فوج کا حال بالکل ویسا ہی ہے۔ یہ فوج اور امریکہ ایک ہی صف میں کھڑے اسلام کے خلاف جنگ میں مصروف ہیں۔ ایمان کے سچے دعوے داروں پر فرض ہے کہ وہ ان کے خلاف عَلَمِ قتال بلند کریں۔“(پاکستانی قوم کے نام پیغام:”شریعت یا شہادت“)

آپؒ نے مزید فرمایا:

”مفتی نظام الدین شامزئیؒ نے (گیارہ ستمبر کو)نیویارک پر ہونے والے مبارک حملوں کے بعد جاری کردہ اپنے مشہور فتوے میں لکھا:

’اگر ایک اسلامی ملک کا حاکم بلادِ اسلامیہ پر حملے میں کسی کافر کی مدد کرے تو شریعت کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اسے حکومت سے بزور ہٹائیں اور اسے شرعاً اسلام اور مسلمانوں کا غدار گردانیں۔‘

پس اے اسلامیانِ پاکستان! بلاشبہ مفتی نظام الدین شامزئیؒ نے اپنے کاندھے پر موجود بھاری ذمہ داری کا حق ادا کر دیا تھا۔ آپؒ نے ڈنکے کی چوٹ پر کلمۂ حق کہا اور مخلوق کی ناراضی کی کچھ پروانہ کی اور اپنی جان ومال کو خطرے میں ڈالتے ہوئے پرویز مشرف کے بارے میں اللہ کا حکم پوری وضاحت سے بیان کر ڈالا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کا غدار ہے اور اسے ہٹانا واجب ہے۔ یہی وہ فتویٰ ہے جس نے پرویز اور اس کے امریکی آقاؤں کو غصہ دلایا اور میرے خیال میں مفتی صاحبؒ کا قاتل بھی ان کے سوا کوئی نہیں۔ مفتی نظام الدین شامزئیؒ اپنا فرض ادا کر کے چلے گئے اور بہت سے علمائے سُو کے رویے کے برعکس حق بات کو باطل سے نہیں بدلا۔ لیکن ہمارے حصے کا فرض اب بھی ہم پر باقی ہے۔ اس فرض کی ادائیگی میں پہلے ہی ہم سے بہت تاخیر ہو چکی ہے کیونکہ یہ فتویٰ صادر ہوئے تو اب چھ سال گزر چکے ہیں (یہ بیان ۲۰۰۷ء کا ہے)۔ پس ہمیں چاہیے کہ اب ہم اس کی کو پورا کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں امید ہے کہ یوں اللہ میری اور آپ کی کوتاہی معاف فرمادیں گے۔“(لال مسجد کی شہادت کے بعد بیان)

شیخ کے چند نمایاں کارناموں کا یہ مختصر بیان ہے، وگرنہ شیخ کا شمار تاریخ انسانی کی اُن باوقار ہستیوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ وقف کیا اور پھر چاروں اطراف کی مخالفتوں کے باوجود اپنے لشکر کو فتح و کامرانی کے دروازوں پر چھوڑ کر اپنے رب کے ہاں پہنچ گئے۔ اسلام کا یہ شیر، ربِ رحمن کی جنتوں میں پہنچ چکا ہے۔ اب وہاں اُس کی ضیافت کا انتظام خالق کائنات خود فرمائیں گے۔ اللہ کے اس غریب الوطن، غریب الدیار اور فی سبیل اللہ مہاجر کا ابدی ٹھکانہ کیسا ہو گا؟ ہماری محدود سوچ اور ناقص عقل اُس کا تصور اور احاطہ کرنے سے قطعی قاصر ہے! اور پھر اُس ٹھکانے پر پہنچنے سے بھی پہلے اُس کا استقبال کرنے کو کون کون موجود نہیں ہو گا۔ جسد خاکی سمندر میں بہا دیا گیا تو کیا غم ہے، اُس کی پاکیزہ روح کو وصول کرنے کے لیے کس مرتبے کے فرشتے حاضر ہوئے ہوں گے۔ پھر عرشِ الٰہی کے سائے تلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس سچے محب کے اور دین کے لیے سب کچھ لُٹا دینے والے اسلام کے بیٹے کا استقبال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جلو میں کریں گے، ان شاء اللہ!

میرے اللہ نے چاہا تو عنقریب ہمارے شیخ جنت کے بالاخانوں سے اپنے لشکر کی فتوحات کا نظارہ کریں گے اور اللہ رب العزت اُن کی سعی وجہد کی حتمی کامیابی، مجاہدین اسلام کی فتح یابی اور کفار کی ذلت وشکست کے مناظر دکھا کر اُن کی آنکھیں مزید ٹھنڈی فرمائے گا، ان شاء اللہ۔

☆☆☆☆☆

مجلہ نوائے غزوۂ ہند کے نمائندے سے رابطہ کے لیے اس کیو آر کوڈ کو سکین کیجیے یا ”سگنل/ Signal“ یوزر نیم استعمال کیجیے۔

contactNGH.01

معرکۂ خیر و شر اور آپ کا کردار

استاد اسامہ محمود

سفید ریش ایک بوڑھے یہودی حاخام[1] کی ایک ویڈیو میں اس کی گفتگو سنی، اس نے اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف عسکری میدان میں جنگ لڑنے کے ساتھ ساتھ، روحانی میدان میں بھی جنگ تیز کرنے پر زور دیا ہے اور بڑے واضح الفاظ میں اپنی کمزوری جبکہ امت محمد ﷺ کی قوت کے راز سے پردہ اٹھایا ہے۔ اصل میں صورتِ حال یہ ہے کہ اہلِ غزہ کے جہاد و ثبات نے بندگانِ ابلیس کے ہوش اڑائے ہوئے ہیں، وہ اپنی تمام تر طاقت و ہتھیار استعمال کر کے اور ظلم و وحشت کی انتہاؤں کو چھونے کے باوجود بھی اہلِ غزہ کا عزم نہیں توڑ سکے، اس سے ان پر یہ خوف غالب ہے کہ دو ارب کی امت مسلمہ میں سے صرف چند لاکھ نے بھی اگر ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی تو انہیں فرار ہونے کے لیے پورے کرۂ ارض میں کہیں کوئی ٹھکانہ نہیں ملے گا، ظلم و فساد کے ان کے سارے شیطانی خواب پھر چکنا چور ہو جائیں گے اور جس عالمی دجالی حکومت کا منصوبہ وہ آنکھوں میں بسائے ہوئے ہیں وہ دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ یوں واشنگٹن سے تل ابیب تک کے یہ شیاطین آج سر جوڑے غور کر رہے ہیں اور اپنے ’اچھے‘ خوابوں کی انتہائی بری تعبیر سے بچنے کی کوئی راہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ کوئی قرآن و حدیث کی من مانی تفسیر و تشریح کی تجویز دے رہا ہے، جو کوئی نئی بات نہیں اور بعض دوسرے ایسے حربے بتا رہے ہیں کہ جن سے جہاد میں قدم رکھنے سے پہلے پہلے مسلمانوں کو روکا، بٹھایا، گرایا اور پھر غلام بنایا جا سکے، اسی ضمن میں مذکورہ حاخام نے بھی دانش مندی پر مبنی ایک تجویز دی ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس نے جو کہا یہ بھی کوئی نئی بات نہیں، یہ بھی اہل باطل کا بہت قدیم حربہ رہا ہے، مگر اس لحاظ سے یہ بات اہم ضرور ہے کہ یہ سننے دیکھنے کے بعد ہم ذرا جائزہ لیں کہ خود ہمارے ہاں ہماری اپنی کیا دفاعی لائن ہے، اس جنگ کے خلاف ہمارا اپنا کیا منصوبہ ہے، ہم میں سے ہر ایک بطور فرد اس جنگ میں کہاں کھڑا ہے اور اجتماعی طور پر اس کے خلاف ہم کس نوعیت کا دفاع کر رہے ہیں! ہم میں سے ہر فرد کیا اہل باطل کی پیش قدمی روک رہا ہے، یا بے عمل و بے حرکت کھڑا محض کمزوری اور بے بسی کا رونا رو رہا ہے؟ تحریر کے آغاز میں حاخام کی یہ بات، پھر اس جنگ کی حقیقت بتائی گئی ہے اور پھر اوپر جو سوالات اٹھائے گئے ہیں، ان کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ کیسے ایک عام فرد اس جنگ میں اپنا حصہ ڈال سکتا ہے۔ بسم اللہ کرتے ہیں۔ یہودی عمر رسیدہ حاخام کی بات کو نقل کرتے ہوئے ایک اور یہودی کہتا ہے:

”بنو اسماعیل (یعنی مسلمان) وہ واحد دشمن ہیں جو ہمارے خلاف روحانی طاقت سے لڑ رہے ہیں، یہ محض اپنی مادی و جنگی قوت لے کر مقابلے کے میدان میں نہیں اترتے، بلکہ ان میں روحانی خوبیاں بہت ہیں اور ان روحانی خوبیوں سے ہی یہ اپنی اصل طاقت اخذ کرتے ہیں۔ یہ ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد ہیں، ان کے پاس نماز کی طاقت ہے، یہ ختنہ کرتے ہیں اور (ختنہ کرنے کی) یہ صفت بھی ظاہر ہے کہ پیچھے ابراہیم علیہ السلام ہی کی طرف لوٹتی ہے۔ ان میں عفت و پاک بازی ہے، اور یہ وہ خوبیاں ہیں کہ جن کے باعث ان کا راستہ روکنا ممکن نہیں، ان کا مقابلہ تب ہی ہو گا جب آپ کے پاس ان کے مقابل انہی جیسی روحانی طاقت ہو اور ایسی طاقت فراہم کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ پھر ایسے لوگوں کو شکست دینا کبھی آسان نہیں ہوتا جو ایک مقصد کی خاطر اپنی جان تک دے دینا بھی باعث سعادت سمجھتے ہوں (جو موت سے محبت کرتے ہوں)...... تم موت سے انہیں ڈراؤ تو وہ بازو پھیلا کر کہتے ہیں کہ ’یہی تو ہم چاہتے ہیں! آؤ! مارو ہمیں! مار کر دکھاؤ!‘...... اب جنہیں مرنے تک کی بھی پروانہ ہو انہیں آپ کیسے دبا سکتے ہیں؟ لہٰذا حاخام فیتام کی بات بالکل صحیح ہے کہ بنو اسماعیل (مسلمانوں) کو روایتی فوجی حربوں سے شکست نہیں دی جا سکتی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ عام سیاسی ذرائع سے بھی انہیں شکست دینا ناممکن ہے۔ آپ سب کچھ آزما کر دیکھ لیں مگر فائدہ کچھ نہیں ہو گا، اس لیے کہ یہ ایک علیحدہ چیز ہے، یہ ایک معمہ ہے اور اس کا حل بس صرف اور صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ایسے راستے ہم اپنائیں کہ جن سے انہیں روحانی طور پر شکست دی جا سکے اور روحانی طور پر ہم انہیں ختم کر سکیں۔“[2]

یہود اور ان کے پیچھے کھڑے صلیبی نصاریٰ کی قساوتِ قلبی، عداوتِ حق، مکاری اور شیطنت دیکھ کر سمجھ میں آ جاتا ہے کہ کیوں ہر نماز، بلکہ ہر رکعت میں صراطِ مستقیم پر چلنے کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر قدم نہ رکھنے کی دعا بھی اللہ نے اہل ایمان کو سکھلائی ہے۔ پھر سبحان اللہ، اس دعا میں بھی پہلے یہود اور اس کے بعد نصاریٰ کا ذکر آتا ہے، اول غیر المغضوب علیھم ہے، جس سے مراد یہود ہیں اور اس کے بعد ولا الضّالین ہے جو نصاریٰ کی

[1] یہودی پیشواؤں کا لقب

[2] بحوالہ: www.twitter.com/hamedalalinew

طرف اشارہ کرتا ہے۔ اللہ کی کتاب اور تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام دشمنی میں یہود پہلے نمبر پر ہیں اور اس کے بعد پھر دوسروں کی باری آتی ہے۔ پھر یہ بھی تاریخ کہتی ہے اور آج کا منظر نامہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ نصاریٰ کو گمراہ کرنے اور انہیں حق کے خلاف استعمال کرنے میں اہلِ کتابِ یہود کا کتنا ہاتھ ہے، آج بھی واضح ہے کہ امریکہ ویورپ کو تباہی کی راہ پر ڈالنے میں قومِ یہود کا کردار کتنا بڑا ہے اور کس طرح آج امریکہ عملی طور پر خود اسرائیل ہی کی ایک صورت اختیار کر گیا ہے۔ پھر اللہ کی کتاب نے یہ تفصیل بھی بتائی ہے کہ یہود 'مغضوب علیہم' کیوں بن گئے اور نصاریٰ ضالین کیوں ٹھہرائے گئے۔ آج آپ یہود کے مذہبی پیشواؤں کی تصریحات وبیانات سنیں تو یہ حقیقت آج کے دور میں بھی اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ یہود حق کو حق جان کر اس کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اللہ کا دین اسلام ہے، روحانیت بنو اسماعیل (یعنی امتِ محمد ﷺ) کے پاس ہے، مسلمان ہی اللہ کے آخری پیغام وہدایت کے حامل ہیں، مگر اس سب کے باوجود بھی یہ اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف برسرِپیکار ہیں اور باقاعدہ حزب الشیطان بن کر، بلکہ شیطان کی کھلی بندگی کرتے ہوئے رحمانی طاقتوں کے خلاف سر ٹکرا رہے ہیں۔

اللہ کی کتاب یہود کی اس ہٹ دھرمی وبدبختی کی کیا وجوہات بتاتی ہے؟ یہ حسد، تکبر، ناشکری اور اللہ کے ساتھ دعوائے محبت کے باوجود اللہ کی رضا پر اپنی رضا، اپنی خواہش اور اپنی رائے کو ترجیح دینا، بلکہ اپنی خواہش واپنی چاہت کو خدا کا درجہ دے دینا ہے، یہ وہ وجوہات ہیں کہ جن کے باعث یہود اللہ کے مغضوب ٹھہر گئے۔ پھر ہمیں ان کی روش سے بچنے کی تلقین کر کے اصل میں ان کی ان صفاتِ مذمومہ ہی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے، خیر وشر کے اس معرکہ میں صرف وہی فرد اہلِ خیر کی صف میں کھڑا ہو پائے گا جو اپنے اندر سے یہ غلیظ صفات نکالنے کی سچی کوشش کرتا ہو...... لہٰذا عزم وتڑپ ہو کہ ہماری اپنی زندگی میں یہ ایمان کش اور اللہ کی دشمنی کو دعوت دینے والی خصلتیں کبھی نہ آجائیں اور ہم بہر صورت، چھوٹے بڑے امور میں، اپنے دعوتی وجہادی معاملات میں بھی، ان جرائم سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ کی ہے کہ یہود نے جو کچھ کیا، جو جو بری صفات انہوں نے اپنائیں، تم بھی وہی کچھ کرو گے، یعنی تمہاری اکثریت بھی وہی غلط راہ اپنائے گی اور پھر تم بھی اُنہی کی طرح ذلت ومسکنت اور غلامی سے دوچار ہو گے۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے، ہمیں حق کے ساتھ ساتھ، اس کی اتباع کرتے ہوئے رکھے اور کبھی ہمیں اپنے نفس کے حوالے نہ کرے۔

اگلی متعلقہ بات یہ ہے کہ حاخام نے اہلِ ایمان کے خلاف جس حربے کو کام میں لانے کی بات کی ہے، یہی تجویز ہزاروں سال قبل عہدِ موسیٰ علیہ السلام میں بلعم بن باعورا نامی ایک یہودی عالم نے بھی دی تھی، جب بنی اسرائیل اور جبارین آمنے سامنے تھے، اس وقت اس نے جبارین سے مال لے کر موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کے خلاف بددعا کی، جب بددعا نے الٹا اثر دکھایا تو پھر جبارین کو اس نے مشورہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم زیر کرنا ممکن نہیں، اس لیے کہ یہ حق پر ہے اور ان کے درمیان نبی موجود ہے، ہاں ان کے لشکر میں نوجوان لڑکیاں بھیجو اور انہیں گناہوں میں مبتلا کرو، یہ ہو گا تو اللہ کی نصرت ان سے دور ہو گی اور پھر جا کر یہ تمہارے خلاف کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، گویا اہلِ حق کے خلاف دشمنانِ دین کا ہمیشہ ہی یہ ایک بڑا حربہ رہا ہے۔

برطانیہ نے فلسطین پر اپنے قبضے کے دوران جب یہودیوں کو ارضِ قدس میں بسانا شروع کیا تو جہاں ایک طرف عسکری قوت انہوں نے استعمال کی، وہاں ساتھ ہی دوسری طرف نوجوانوں کو 'مہذب' بنانے کے لیے ان میں سینما اور ایسے سٹیج ڈرامے متعارف کروائے جن میں نوجوان عورتیں اپنے 'فن' کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ مسلمانانِ فلسطین اور بالخصوص علمائے کرام نے اس سب کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے بلکہ ۱۹۳۶ء میں قدس کے اندر اُس وقت کے مفتیٔ قدس شیخ امین حسینی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں چھ سو علماء کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس میں ایک اعلامیہ پڑھا گیا جو شرکائے کانفرنس کی طرف سے ایک قرارداد اور اعلان کی حیثیت رکھتا ہے اور جو آج بھی محفوظ ہے۔ اس میں انہوں نے جہاں برطانوی حکومت سے یہود کو مسلمانوں کی زمین پر آباد نہ کرنے کا مطالبہ کیا اور اس کے خلاف اپنی مخالفت ومزاحمت کو فرض قرار دیا وہاں چھپے تکتے پر فلسطین میں سینما اور ڈرامہ کلچر کو فروغ دینے کی بھی بھرپور مخالفت کی اور اس کو اپنے دین ومعاشرت کے لیے خطرناک قرار دیا۔

غزہ کی جنگ کے آغاز میں نیتن یاہو نے ایکس (ٹوئٹر) کے مالک کے ساتھ گفتگو کی جو میڈیا میں عام ہوئی، اس میں اسرائیلی وزیر اعظم نے اپنے عزائم اور جنگ کا نقشہ بیان کیا۔ کہا کہ اول کام غزہ میں حماس، دیگر 'دہشت گردوں' اور ان کے معاونین کو ختم کرنا ہے، اس کے بعد (تباہ حال) غزہ کی تعمیرِ نو اور وہاں کی سیاسی قیادت تبدیل کرنا ہدف ہے۔ اس نے کہا:

> ''ہمارے عرب دوستوں نے یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ ہی غزہ کی دوبارہ تعمیر کا خرچہ اٹھائیں گے۔''

تیسرا اہم ہدف جس پر کام ہو رہا ہے وہ عرب ممالک میں ثقافتی تبدیلی لانے کا ہے کہ یہ تبدیلی آئے گی تو تب ہی کہیں جا کر شدت پسندی ختم ہو گی اور دہشت گردی کی جڑ کٹے گی۔ اس نے کہا:

> ''ایسی تبدیلی ناممکن نہیں بلکہ اس کی کامیاب مثالیں یہاں عرب ہی میں ہمارے سامنے موجود ہیں، آپ اگر دبئی، ابوظبی اور بحرین چلے جائیں تو یہ

آپ کو بالکل مختلف محسوس ہوں گے، سعودیہ میں یہ تبدیلی لائی جا رہی ہے اور دیگر ممالک میں بھی اس پر کام جاری ہے۔''

گویا مشرقِ وسطیٰ پر قبضہ اور اسے اپنی دجالی حکومت کے لیے مرکز بنانا اہم ترین ہدف ہے اور ان کے ساتھ اس نقشے میں عرب حکومتیں اور افواج رنگ بھر رہی ہیں۔ انہیں اصل خطرہ جہاد و مجاہدین سے ہے اور اس کے لیے وہ ایک طرف مجاہدین اور ان کے انصار کو بذریعۂ جنگ ختم کر رہے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی اُس روحانی قوت کو ہدف بنا رہے ہیں جس کے باعث، حاخام کی زبانی، وہ اپنے دین کی خاطر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے جزیرہ عرب کو بے حیائی و بدکاری اور فسق و فجور کے فسادِ عظیم میں غرق کرنا وہ واحد ذریعہ سمجھتے ہیں اور اسی کو وہ ثقافتی تبدیلی یا انقلاب کا نام دیتے ہیں۔ یہ وہ تبدیلی ہے کہ جس کو ابن سلمان نے وژن ۲۰۳۰ کا نام دیا ہے اور اپنے ایک انٹرویو میں اس کو یہ کہنے میں بھی کوئی خوف یا حیا محسوس نہیں ہوئی کہ مستقبل کا یورپ یہی مشرقِ وسطیٰ ہو گا...... یہ سارا منصوبہ اب خفیہ نہیں رہا، اسے اب سب جانتے ہیں اور یہاں اس کی تکرار ہمارا مقصود نہیں، مقصود یہاں ایک دوسری بات کی طرف توجہ دلانا ہے جو آگے ان شاء اللہ عرض کرتے ہیں۔

یہ آگ محض مشرقِ وسطیٰ میں نہیں لگی، پورا عالمِ اسلام اس کی لپیٹ میں ہے اور یہ جنگ چند ماہ یا چند سال پہلے شروع نہیں ہوئی بلکہ ایک صدی سے زیادہ عرصہ سے جاری ہے اور نام نہاد آزادیاں ملنے کے بعد بھی یہ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکی۔ ابھی آخر میں افغانستان کی زمین ہی کسی حد تک (نہ کہ پوری طرح) اس آگ سے محفوظ ہو سکی، جہاں اہلِ ایمان نے جہاد فی سبیل اللہ کیا، صہیونی شیاطین اور ان کے غلاموں کو مار بھگایا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا شرعی نظام قائم کیا۔ باقی برصغیر سے عالمِ عرب تک، پورے عالمِ اسلام کی کہانی ہر ہر جگہ صد فی صد ایک طرح کی افسوس ناک ہے۔ ہر جگہ ایک ہی طرح کی غلامی، ایک ہی طرح کے دشمن اور ان کا ایک ہی طرح کا طرزِ جنگ جاری ہے۔ ایسے میں سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے اپنے آپ کو حالتِ جنگ میں محسوس کیا ہے؟

کیا ہم نے قبول کیا ہے کہ ہماری ہی کہلانے والی افواج و حکومتیں ہماری کبھی نہیں رہی ہیں بلکہ یہ دشمن ہی کے مورچہ میں کھڑی ہمارے ہی خلاف کفر کی جنگ لڑ رہی ہیں؟

اگر نہیں تو کیا ہم نے دیکھا نہیں کہ اگر یہاں ایک طرف امریکہ و اسرائیل کے خلاف جہاد کرنے والوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جاتا ہے، شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم دیکھنے والوں سے جیل اور عقوبت خانے آباد کیے جاتے ہیں، تو ساتھ ہی دوسری طرف بے دینی، بے حیائی اور فسق و فجور کو حکومت ہی کے وسائل اور طاقت سے رائج کیا جاتا ہے...... ایک ہی وقت میں یہ دونوں طرح کے کام اور مہم ایک ہی جنگ کے دو ہتھیار ہیں، ایک ہی تلوار کے دو رُخ اور ایک ہی دشمن کے دو حربے ہیں اور دونوں کا مقصد فقط یہی ہے کہ ظلم و فساد غالب اور اللہ کا عدل والا دین مغلوب ہو، ہم اور ہماری نسلیں اللہ کے دین سے محروم ہو کر مریں اور جب تک زندہ ہوں تو انہیں شیاطین کے غلام اور ماتحت بن کر ذلت و رسوائی والی زندگی جئیں!

آج غزہ کی تباہی دیکھ کر اور اس میں اپنی افواج و حکام کا شرمناک کردار دیکھ عالمِ اسلام کی سیاسی حقیقت پہلے سے کہیں زیادہ واضح نظر آنے لگی ہے اور اللہ کا فضل ہے کہ اب ہمارے عوام و خواص دونوں میں کہا جانے لگا ہے کہ ہم مسلمان بطورِ امت آزاد نہیں، ہماری افواج و حکومتیں ہماری نہیں اور یہ ہمارے ہی خلاف دشمنانِ امت کا دفاع کر رہی ہیں، اس حقیقت کو جان لینے اور تسلیم کرنے پر اللہ کا شکر ہے، دیر آید درست آید!

مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ بات کہہ کر اور محض احتجاج و جلوس نکال کر ہم اپنا فرض پورا کر رہے ہیں؟ کیا بس اس سطح کے غم و غصہ کے اظہار سے ہم اس جنگ کو اپنے حق میں تبدیل کر پائیں گے؟ جبکہ واضح ہے کہ یہ جنگ صرف غزہ میں نہیں لڑی جا رہی، غزہ میں تو اس کے نتائج ہیں جو ہم بھگت رہے ہیں، یہ ہمارے ہی شہروں، گلی کوچوں، بلکہ گھروں اور بیڈ روموں تک میں لڑی جا رہی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ بم اور گولوں سے شہید ہونے والے تو نظر آ جاتے ہیں اور ان کا احساس بھی ایک حد تک ہو جاتا ہے مگر دلوں کے اندر ایمان کا جو خون کیا جا رہا ہے، امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جوانوں کو رحمان کی پارٹی سے نکال نکال کر شیطان کی پارٹی میں جو بھرتی کیا جا رہا ہے اس تباہی کا کسی کو احساس نہیں، کوئی نہیں جو جنگ کے اس محاذ پر اپنی لاشیں گن لے، ان میتوں پر آنسو بہائے اور اس جنگ کے مقابل اٹھنے اور لڑنے کی صدا لگائے! حالانکہ یہ تباہی کوئی کم خطرناک نہیں، اس لیے کہ اس کا شکار مسلمان پھر اپنے سامنے امت کی ذلت اور اس کی آخری حد تک تباہی دیکھتا ہے مگر ٹس سے مس تک نہیں ہوتا، اور اسے ٹس سے مس ہونے سے روکنے والا امر یہ ہے کہ امت کی تباہی کا احساس کرنے سے پہلے ہی اس نے اپنی آخرت تباہ کرنا قبول کر لیا ہے۔

ایسی صورتِ حال میں مسلمانوں پر ظلم دیکھ کر، اگر کسی کا دل دکھتا ہے اور وہ احتجاج کرنے نکلتا ہے تو یہ مذموم نہیں، محمود ہے، اس پر ہر دردِ دل رکھنے والے کو اس کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ یہ بھی اگر نہ ہوتا تو کیسے پتہ چلتا کہ یہ امت مردہ نہیں زندہ ہے اور اس میں اپنوں کے درد کا احساس ابھی باقی ہے، مگر سوال یہ ہے کہ دور غزہ کے مسلمانوں کے حق میں چند باتیں کرنے اور اسرائیل و امریکہ کے خلاف غصہ نکال کر کیا ہم اپنا فرض ادا کر چکے؟ اس سے دشمنانِ اسلام کو کیا واقعی کوئی نقصان پہنچ پائے گا اور مظلوم اہلِ ایمان کو اس سے کیا کچھ مل جائے گا؟

افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے اور جب معاملہ یہ ہے تو حالات کا تقاضہ ہے کہ ہماری انفرادی تگ و دو، اور اجتماعی سعی و تدبیر، جن میں اجتماعات، جلسہ و جلوس اور احتجاج بھی آتے ہیں، ضروری ہے کہ یہ سب زمین پر حق و باطل کی کشمکش میں حق کی نصرت اور باطل کے خلاف پیش قدمی میں معاون ثابت ہوں، اور ایسا صرف اُس وقت ہی ہو سکتا ہے جب ہم منبر و

محراب، قلم وزبان اور ہر قسم کے اجتماع واحتجاج کو وقت کے اہم ترین فرض، یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا شعور بیدار کرنے، دوست و دشمن کی پہچان عام کرنے، سبیل مجرمین کا شعور پیدا کرنے اور دشمنانِ دین کے خلاف جہاد و جدوجہد کرنے والوں کی تائید ونصرت پیدا کرنے کے لیے استعمال کریں، ساتھ ہی ساتھ ان سرگرمیوں کے ذریعے عوام میں ایسی معاشرتی وسماجی قوت تشکیل دینا بھی اپنا ہدف و مقصد بنائیں جو مطالبات اور منت سماجت پر تکیہ نہ کرے، بلکہ منظم قوت سے فسق و فجور اور بے حیائی وبے دینی پھیلانے والی قوتوں پر راستہ تنگ کر دے اور معروف کو روکنے اور منکرات کو پھیلانے کی شیطانی جنگ میں بالآخر انہیں ناکامی کا منہ دیکھنے پر مجبور کر دے، ایسا ہو گا تو ہم، عملی طور پر، زمین پر حق کی کوئی نصرت کر پائیں گے اور باطل کے خلاف کوئی پیش قدمی کرنے کے قابل ہوں گے۔

گویا ضروری ہے کہ ایک ایک فرد، مرد و خاتون انفرادی طور پر، اپنے اپنے دائرۂ اثر میں، گھر و خاندان اور دکان و دفتر میں ایسا ماحول پیدا کرے کہ جہاں ایمان پلے بڑھے، اللہ کی محبت اور اس کے ساتھ تعلق جہاں پیدا ہو، شریعت پر عمل محبوب اور آسان ہو، جہادی جذبہ، اس کی فکر و غم اور میدانِ عمل کے مجاہدین پیدا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ پھر معاشرے میں جہادی تعارف سے الگ اجتماعی طور پر ایسی قوت بھی تشکیل پائے کہ جن کے اجتماعات اور احتجاجات کا مقصد الیکشن میں کسی کو جتوانا اور ہرانا نہ ہو، بلکہ جو ایک آواز اور ایک قوت بن کر منکرات کے آگے بند باندھنے کا باعث بنے اور جو دستیاب عوامی قوت کے ذریعے فراعنہ عصر اور ان کے غلاموں پر زمین ایسی تنگ کر دے کہ وہ ایک طرف مجاہدینِ اسلام کو اپنے خلاف لڑتے پائیں تو دوسری طرف ایسے اہلِ دین کا اپنے گرد محاصرہ دیکھیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرتے ہوں اور جو امریکہ اور اس کے غلاموں کے لیے دلوں میں نفرت و عداوت پالتے ہوں...... ایسا اگر ہو گا، اور اہلِ دین عوام اور مجاہدین کا اس طرح اگر ایک رُخ ہو گا تو ہم واقعی کوئی مثبت پیش رفت کر پائیں گے، اس سے اپنے اور اپنی اولاد کے ایمانوں کو کسی حد تک محفوظ کر پائیں گے اور نتیجے میں ایسی ایک نسل تیار کر لیں گے جو 'صہیونی ہندتوا' فساد کو روکنے کے لیے سر ہتھیلی پر رکھ کر مقابلہ کریں گے اور جو اپنا خون پسینہ بہا کر امت مسلمہ کو آزادی دلانے والے لشکر تشکیل دیں گے۔

لیکن اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوا، ہماری محنت و تحریک سے نہ مجاہدین امت قوی ہوتے ہوں اور نہ ہی مجرمین امت کا کوئی نقصان ہوتا ہو، تو اللہ نہ کرے کہ ہم ان میں شامل ہو جائیں جو حرکت تو کر رہے ہوں مگر سفر کٹنے کا نام ہی نہیں لیتا ہو، اپنے زعم میں دین پر عمل تو کر رہے ہوں مگر اس کے باوجود دین داری معاشرے سے ختم ہو رہی ہو، دشمنانِ دین کے خلاف غصہ تو نکال رہے ہوں مگر دشمنانِ دین کے آگے میدان خالی چھوڑ کر انہی کو قوت، سپاہی اور راستہ فراہم کر رہے ہوں۔

سچ یہ ہے اور انسانی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ حق و باطل کی کشمکش میں سکون کبھی نہیں رہا، اگر آپ بیٹھے رہیں گے اور باطل کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو بزور پیچھے نہیں دھکیلیں گے تو وہ آگے بڑھے گا اور آپ کا محاصرہ کر کے آپ کو دبوچ لے گا، آپ کے دل و ذہن تک سے ایمان و اسلام نوچ ڈالے گا اور آپ کی مساجد و مدارس کو مسمار کر کے اپنے عبادت خانوں میں تبدیل کرے گا... لیکن اگر آپ بڑھیں گے، مقابلہ کریں گے تو وہ مکمل طور پر مٹتا ہے یا نہیں، آپ کی یہ کشمکش اور جہاد آپ کے اپنے دین و ایمان اور آپ کی نسلوں کے اسلام کی حفاظت کا ضامن ضرور بنے گا۔

یہ وہ اول انعام ہوتا ہے جو بہر حال مزاحمت و جہاد کے نتیجے میں اللہ اہل حق کو عطا کر دیتا ہے، جبکہ دوسرا انعام جو دین اسلام کا غلبہ اور فتنہ و فساد کا خاتمہ ہے، اس کا بھی اللہ نے وعدہ کیا ہے اور اسے جہاد پر صبر و استقامت کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ کفر و اسلام کی جنگ میں ایسا نہیں ہے کہ آپ جزیرے میں محصور ہوں گے اور آپ کا جزیرہ کبھی ڈوبے گا نہیں، طوفانوں نے بہر حال چلنا ہے، کفر کے طوفان کا رخ آپ اسی کے خلاف موڑیں گے تو آپ محفوظ رہ سکیں گے، ورنہ طوفانوں سے الگ اور غافل و لاتعلق جو بھی بیٹھے گا وہ ڈوبے گا، آج نہیں تو کل، کوئی قوت ایسے بے عمل اور بے حوصلہ لوگوں کو ڈوبنے سے نہیں بچا سکتی۔

اللہ ہماری امت کو توفیق دے، ہماری قوم کی رہنمائی فرمائے کہ ہم اس جنگ کو سمجھیں، اس میں اپنے آپ کو کھڑا کریں، جہاد فی سبیل اللہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ادا کریں۔ ایسا کریں گے تو ہم اللہ کے ہاں سرخرو ہوں گے، اس کی پکڑ سے بچیں گے ورنہ صبح و شام امریکہ و اسرائیل کو برا بھلا کہنے اور مسلمانانِ غزہ اور ہند و کشمیر کے حق میں تقاریر کرنے، یا احتجاجی جلسہ و جلوس نکالنے سے نظر نہیں آتا کہ ہم اس رات کو دن میں تبدیل کر سکیں گے اور عصر حاضر کی سنگین اور دردناک حقیقت کو تبدیل کرنے میں کوئی ایسا کردار ادا کر پائیں گے کہ جس کے بعد ہمارا شمار امت مرحومہ کے زخموں پر مرہم رکھنے والوں میں ہو، نہ کہ اس امت پر ظلم ڈھانے والوں میں۔ اللہ ہمیں بامعنی اور پر اثر عمل کرنے کی توفیق دے اور اللہ ہمیں بے عملی اور بے فائدہ عمل سے بچنے والا بنائے، نیز اللہ ہماری ہر ہر کوشش اور ہر ہر عمل کو قبولیت بخشے اور انہیں اپنی محبت کا ذریعہ ثابت فرمائے، آمین یارب العالمین۔

☆☆☆☆☆

اجنبی ___ کل اور آج

الشیخ المجاہد انجنیئر احسن عزیز شہید رحمہ اللہ علیہ

الشیخ المجاہد احسن عزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ کی آج سے بیس سال قبل تصنیف کردہ نابغہ تحریر ’اجنبی ___ کل اور آج‘، آنکھوں کو رلاتی، دلوں کو نرماتی، گرماتی، آسان و سہل انداز میں فرضیتِ جہاد اور اقامتِ دین سمجھانے کا ذریعہ ہے۔ جو فرضیتِ جہاد اور اقامتِ دین (گھر تا ایوانِ حکومت) کا منہج سمجھ جائیں تو یہ تحریر ان کو اس راہ میں جتے رہنے اور ڈٹے رہنے کا عزم عطا کرتی ہے، یہاں تک کہ فی سبیل اللہ شہادت ان کو اپنے آغوش میں لے لے (اللهم ارزقنا شهادة في سبيلك واجعل موتنا في بلد رسولك صلى الله عليه وسلم يا الله!)۔ ایمان کو جِلا بخشتی یہ تحریر مجلہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں قسط وار شائع کی جا رہی ہے۔ (ادارہ)

ڈھونڈو گے تو مل جائے گا کشتی کو کنارا

شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد قیامت تک کے لیے فرض ہے۔ لیکن اس کے باوجود کبھی ہمارے ذہنوں میں یہ خیال بھی آ جاتا ہے کہ شاید ہمارا ایمان اتنا پختہ نہیں کہ جہاد کر سکیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود جہاد میں اترنے سے ایمان بنتا ہے اور بڑھتا ہے۔ غزوۂ خندق میں شریک صحابہؓ مجاہدین کے بارے میں قرآن مجید کی یہ گواہی موجود ہے کہ:

> وَلَمَّارَاَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡاَحۡزَابَ قَالُوۡا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَمَا زَادَهُمۡ اِلَّاۤ اِيۡمَانًا وَّتَسۡلِيۡمًا ○ (الاحزاب: ۲۲)
>
> ”اور جب مومنوں نے (کفار کے) لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی (کچھ) ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہو گئی۔“

اسی طرح غزوۂ اُحد میں استقامت دکھانے والے مجاہدین کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> اَلَّذِيۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا ۖۚ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ○ (آل عمران: ۱۷۳)
>
> ”وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لیے ہیں، تم ان سے ڈرو تو اس بات نے انھیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے، اور وہ بہت اچھا کارساز ہے“۔

پتہ چلا کہ جہاد میں ایمان بنتا ہے اور اس کے برعکس ترکِ جہاد سے ایمان گھٹ جاتا ہے اور نفاق بڑھتا ہے اور سُوئے خاتمہ کا شدید خطرہ رہتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

> ”مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ، مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ“ (رواه مسلم، كتاب الامارة)
>
> ”جو شخص اس حالت میں مرا کہ اُس نے نہ جنگ کی اور نہ جنگ کا ارادہ دل میں رکھا، وہ نفاق کی ایک حالت میں مرا۔“

اسی طرح کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہم دراصل اپنے عہد کے مکی دور سے گزر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مکہ میں تو سود اور شراب بھی حرام نہیں تھے، روزے بھی ابھی فرض نہیں ہوئے تھے تو پھر ان تمام احکامات کا کیا بنے گا؟ بلکہ پھر تو بقرہ وآلِ عمران اور دیگر تمام مدنی سورتوں کے احکامات پر عمل کا سوال بھی اٹھایا جا سکے گا؟ جب کہ قیامت تک کے لیے کامل دین کی اطاعت ہم پر واجب ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً (البقرۃ: ۲۰۸) ”اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ“۔ اسی طرح اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَ رَضِيۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا (المائدۃ: ۳) ”آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر میں رضامند ہو گیا“۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو راضی تبھی کیا جا سکتا ہے کہ پورے دین پر عمل کیا جائے۔

بعض کہتے ہیں کہ جہاد کے لیے خلافت کا وجود ضروری ہے تو سوال یہ ہے کہ اگر کفار نے جنگ و جدل ہی کے ذریعے مسلمانوں سے خلافت چھینی ہو تو پھر ان کی جارحیت کا تدارک کیسے ہو گا؟ ترتیب کیا ہو گی؟ کیا امام شاملؒ، صلاح الدین ایّوبیؒ، عزّ بن عبد السلامؒ، حافظ ابنِ تیمیہؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکّیؒ، اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ وغیر ہم کے ”بغیر خلافت کے جہاد“ کو کالعدم قرار دیا جائے گا؟

کچھ کہتے ہیں کہ حاکمِ وقت کی اجازت شرط ہے تو اگر امت کے حکام یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست بنائے بیٹھے ہوں تو پھر اجازت کس سے لی جائے گی؟

کچھ کہتے ہیں کہ آج جہاد فرضِ کفایہ ہے، پھر ہر ایک سے شرکت کا مطالبہ کیوں؟ اصل تو یہی ہے کہ جہاد فرضِ کفایہ ہے، لیکن کیا موجودہ حالات میں یہ کفایت پوری ہو رہی ہے؟ کیا ایک صدی سے مقبوضہ فلسطین میں مسلمانوں کے وسائل اور مجاہدین کی تعداد یہود کو نکال باہر کرنے کے لیے کافی ثابت ہوئی ہے؟ عراق، افغانستان اور شیشان میں صلیبیوں کے خلاف، کشمیر میں ہند کے خلاف مجاہدین کی تعداد اور استعداد کفایت کرتی تو آج ان مظلوم خطوں کے علماء، پورے عالم کے مسلمانوں کو جہاد کی نصرت اور اس کے فرضِ عین ہونے سے

متعلق فتویٰ نہ دیتے! اور اگر کسی کے خیال میں آج یہ فرضِ کفایہ ہے تو بھی ہے تو یہ ایک عظیم عبادت۔ اور عبادت کو تو ادا کرنے کے "بہانے" ڈھونڈنے چاہییں، نہ کہ اس سے دور رہنے اور دور کرنے کے۔ ہم اس عظیم اجر و ثواب سے کیسے بے نیاز ہو سکتے ہیں جب کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو اس اجر و ثواب سے کبھی بے نیازی نہیں برتتے تھے:

"وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ! لَوْ لَا اَنْ يَّشُقَّ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ مَا قَعَدْتُّ خِلَافَ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَبَدًا" (مسلم، کتاب الامارۃ)

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، اگر مجھے مسلمانوں کے مشقت میں پڑ جانے کا ڈر نہ ہوتا، تو میں اللہ کی راہ میں لڑنے والے کسی لشکر سے کبھی پیچھے نہ رہتا۔"

کچھ کہتے ہیں کہ کفار سے مقابلہ بغیر کسی بڑی ___ بلکہ ان کے برابر کی تیاری کے، عبث ہے۔ حالانکہ تیاری صرف بساط کی حد تک واجب ہے: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (الانفال: ۶۰) "اور تم ان کافروں کے لیے اپنی استطاعت بھر طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے مہیا کیے رکھو"۔

در حقیقت آج دنیا بھر میں جو جہاد ہو رہا ہے اس کی نوعیت اصلاً دفاعی ہے، صلیبی، صہیونی و مشرک قومیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ اور جہاد الدفع (دفاعی جہاد) میں ایسی بیشتر شرائط ساقط ہو جاتی ہیں جو جہاد الطلب (اقدامی جہاد) میں شریعت ہم پر عائد کرتی ہے۔

ان سارے اعتراضات کا مفصل اور مُسکِت جواب علمائے ربانییّن اور فقہائے امّت نے بخوبی دیا ہے۔ مثلاً امام ابنِ عابدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے حاشیے کی تیسری جلد (ص: ۲۳۸) میں لکھتے ہیں:

"اگر دشمن کسی بھی اسلامی ملک کی سرحد پہ حملہ آور ہو جائے تو جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ اس کے قرب و جوار میں بسنے والوں پر بھی جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ البتہ جو لوگ ان سے پیچھے، دشمن سے فاصلے پر بستے ہوں، تو جب تک ان کی ضرورت نہ پڑے ان پر جہاد فرضِ کفایہ ہی رہتا ہے۔ لیکن اگر کسی بھی وجہ سے ان کی ضرورت پڑ جائے، مثلاً: جس علاقے پر حملہ ہوا ہے اس کے قرب و جوار میں رہنے والے لوگ دشمن کے خلاف مزاحمت کرنے میں بے بس ہو جائیں، یا بے بس تو نہ ہوں لیکن اپنی سستی کی وجہ سے جہاد نہ کریں، تو ایسی حالت میں ان کے ارد گرد بسنے والوں پر بھی جہاد، نماز اور روزے کی طرح فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ اسے ترک کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پھر فرضیت کا یہ دائرہ اس کے بعد اور پھر اس کے بعد والوں تک حسبِ ضرورت پھیلتا جاتا ہے یہاں تک کہ بتدریج مشرق و مغرب میں بسنے والے ہر مسلمان پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔"

عبد اللہ عزام شہیدؒ دیگر فقہائے اسلام کے فتاویٰ کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر دشمن مسلمانوں کی گز بھر زمین پر بھی چڑھائی کر دیں تو اس علاقے میں بسنے والوں اور ان کے قریب رہنے والوں پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ پھر اگر یہ لوگ دشمن کے مقابلے کے لیے کافی نہ ہوں یا کوتاہی کریں یا سستی دکھائیں، تو جہاد کی فرضیتِ عین کا دائرہ ان کے پڑوس میں بسنے والوں تک بھی پھیل جاتا ہے۔ پھر فرضیت کا یہ دائرہ بتدریج پھیلتا جاتا ہے، یہاں تک کہ (ضرورت پڑنے پر) شرقاً غرباً پوری زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اور ایسی صورت میں (یعنی جب جہاد فرضِ عین ہو جائے) بیوی شوہر کی، اولاد والدین کی اور مقروض قرض خواہ کی اجازت کا پابند نہیں رہتا۔ چنانچہ:

۱. جب تک کوئی بھی ایسا ٹکڑائے زمین جو کبھی اسلامی رہا ہو، کفار کے قبضے میں رہے، تو (دشمن سے اسے واپس لینے تک) سب مسلمانوں کی گردنوں میں اس کا گناہ باقی رہتا ہے۔

۲. جو شخص جتنی زیادہ استطاعت، امکانیات اور طاقت کا حامل ہو گا، اس کے کندھوں پر اس گناہ کا بوجھ بھی اتنا ہی زیادہ ہو گا، لہٰذا معاشرے میں نمایاں حیثیت کے حامل علماء، قائدین اور داعیوں پر گناہ کا یہ بوجھ عام لوگوں سے کہیں زیادہ ہو گا۔"

(دفاع عن اراضي المسلمين، ص۱۰)

یہ فتویٰ شیخ عزامؒ کا ہے جنھوں نے افغانستان کے مورچوں میں بیٹھ کر اسے تحریر کیا۔ حقیقت کی جستجو کرنے والوں کے لیے ___ ہماری امت کے بزرگوں نے صدیوں پہلے جو اپنی دوٹوک رائے دی ___ وہ بہت کافی ہے:

قَالَ الْاِمَامَانِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ وَاَحْمَدُ بْنِ حَنْبَلٍ وَغَيْرُهُمَا: "اِذَا اخْتَلَفَ النَّاسُ فِيْ شَيْئٍ فَانْظُرُوْا مَاذَا عَلَيْهِ اَهْلُ الثَّغْرِفَاِنَّ الْحَقَّ مَعَهُمْ؛ لِاَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا(العنكبوت:۶۹) (مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہؒ ۲۸ / ۴۴۲)

(بقیہ صفحہ نمبر 36 پر)

کیا مغربی فکر و اداروں کی اسلامائزیشن ممکن ہے؟

ڈاکٹر حافظ عثمان احمد

اہلِ اسلامائزیشن کے تین مغالطے ایسے ہیں جن کے باعث وہ پورے اخلاص سے اسلامائزیشن کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہیں:

۱. ہر حرام اور تعیش کا ایک شرعی "متبادل" دینا مسلم اہلِ علم پر لازم ہے۔

اہلِ اسلامائزیشن کا یقین ہے کہ ہم ہر حرام کے متبادل میں ایک حلال دینے کے ذمہ دار ہیں۔ (یہ بات خود قابلِ توجہ ہے کیا حرام و حلال باہم متبادل ہوتے ہیں یا حق و باطل باہم ایک دوسرے کا متبادل ہوتے ہیں؟ ہم سمجھتے ہیں حلال، حرام کو مٹانے والا ہوتا ہے نہ کہ اس کا متبادل ہوتا ہے) یعنی اگر مغرب نے بینک کا ادارہ قائم کیا ہے تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کا متبادل دیں۔ اسی طرح اہلِ اسلامائزیشن بسا اوقات شدتِ جذبات میں تعیشات کے متبادلات دینے کو اپنی شرعی ذمہ داری سمجھ بیٹھتے ہیں۔ کوکا کولا اور پیپسی کولا تک متبادل دینے کے لیے شینڈی کولا، مسلم کولا اور مکہ کولا مارکیٹ میں آئے۔ (لفظ "کولا" کی شان ایسی ہے کہ تعیش کے اسلامی متبادل کو اپنی بقا و استحکام کے لیے اس لفظ کی سرپرستی درکار ہے)۔

کیا واقعی شریعت ہمارے اوپر یہ ذمہ داری عائد کرتی ہے کہ ہر دور میں ظاہر ہونے والے کسی بھی کفری ادارے یا نظریے کا ایک اسلامی متبادل دینا ضروری ہے؟ اس تصورِ متبادل کے قرآن و سنت میں کیا دلائل ہیں؟

کیا اسلام نے "شراب" جیسی نشہ آور چیز جو عرب معاشرے میں رچی بسی تھی کا کوئی "اسلامی متبادل" دیا تھا؟

کیا "سود" کا متبادل "بیع" ہے؟ یہ دعویٰ تو مشرکین کا تھا "إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا"۔ بیع کب شریعت محمدیہ کی طرف سے پہلی بار حلال کی گئی؟ بیع تو صدیوں سے انسانی معاشروں کی تجارت کا ذریعہ تھی۔ لہٰذا اسے اسلامی متبادل قرار دینا ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ قرآن نے تو "ربا" کے مقابل "صدقہ" کو رکھا ہے جو سرے سے کاروبار اور تجارتی منفعت کا کام ہے ہی نہیں۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ

"اللہ سود کو برباد کرتا ہے اور صدقوں کو نشوونما دیتا ہے۔"

متبادل مہیا کرنے کی ذہنیت کو بنی اسرائیل کے ایک واقعے کے بیان سے قرآن نے رد کیا ہے:

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ○ (الاعراف:۱۳۸)

"جب بنو اسرائیل سمندر سے پار اتر گئے تو وہ ایسی قوم کے پاس پہنچے جو اپنے بتوں کے پاس اعتکاف کرتی تھی، بنو اسرائیل، موسیٰؑ سے کہنے لگے: ہمارے لیے بھی ایسا ایک معبود بنادے جیسا ان کے پاس معبودان ہیں، موسیٰ نے کہا تم جاہل قوم ہو۔"

یہاں بنو اسرائیل نے بھی "ایک معبود" کا متبادل مانگا اور ان کی طرح بہت سارے بتوں کی پوجا طلب نہیں کی۔

۲. موجودہ دور میں اسلام کے قابلِ عمل ہونے کا مطلب مغربی معاشی نظام کے اداروں اور نظم و نسق کے ساتھ compatible ہو جانا ہے۔ یعنی اسلام کو اسی نظام میں workable ہونا ضروری ہے تبھی ہم کہہ سکتے کہ یہ قابلِ عمل ہے۔

اہلِ اسلامائزیشن سمجھتے ہیں کہ اگر اس عہد میں اسلام کو قابلِ عمل ثابت کرنا ہے تو یہ تبھی ثابت ہو گا جب یہ مغربی معاشی و سیاسی نظاموں پر پورا اترے۔ اگر مغربی اداروں کے ساتھ compatibility نہیں قائم ہوتی ہے تو اسلام کی عملیت ثابت نہیں ہوتی۔

اَ. اسلام کا دیا ہوا تصورِ حیات، تصورِ آخرت، تصورِ حلال و حرام اور تصور ولاء و براء کسی بھی نظریے اور نظام کو اس کے اصولوں اور اس کی بچھائی ہوئی بساط پر قبول نہیں کرتا ہے۔ دین اپنی بساط بچھاتا ہے اور اس پر اپنی خاص معاشرت، معیشت و سیاست استوار کرتا ہے۔

ب. اسلام ایک کل ہے اور بحیثیت کل ہی نافذ ہو تو اپنے ثمرات لاتا ہے۔ اسلام کی مالی عبادت زکاۃ کو سارے دین سے علیحدہ کر کے ایک نظام کے طور پر نافذ کرنا "ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً" کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اگر اسلامی مالیات و معیشت، مغرب کے گلوبل سرمایہ دارانہ نظام کے زیرِ سایہ بھی بھرپور منفعت حاصل کر رہی ہے اور مغرب کو اس سے کوئی مسئلہ نہیں تو سادہ عقل کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام کا یہ روپ، حقیقی روپ نہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر 102 پر)

کفار کا معاشی بائیکاٹ

اسلامی بائیکاٹ جدید جنگ کے تناظر میں

اسلام کے خلاف جاری عالمی صہیونی جنگ کے تناظر میں اسلامی مقاطعہ کو سمجھنا، نافذ کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا

محمد ابراہیم لَڈوِک

محمد ابراہیم لَڈوِک (زید مجدہ) ایک نو مسلم عالمِ دین ہیں جنہوں نے عالَمِ عرب کی کئی جامعات میں علم دین حاصل کیا۔ موصوف نے کفر کے نظام اور اس کی چالوں کو خود اسی کفری معاشرے اور نظام میں رہتے ہوئے دیکھا اور اسے باطل جانا، ثم ایمان سے مشرف ہوئے اور علمِ دین حاصل کیا اور حق کو علی وجہ البصیرۃ جانا، سمجھا اور قبول کیا، پھر اسی حق کے داعی بن گئے اور عالَمِ کفر سے نبرد آزما مجاہدین کے حامی اور بھرپور دفاع کرنے والے بھی بن گئے (نحسبه كذلك والله حسيبه ولا نزكي على الله أحدا)۔ انہی کے الفاظ میں: 'میرا نام محمد ابراہیم لَڈوِک ہے (پیدائشی طور پر الیگزانڈر نیکولئی لڈوک)۔ میں امریکہ میں پیدا ہوا اور میں نے علومِ تاریخ، تنقیدی ادب، علمِ تہذیب، تقابلِ ادیان، فلسفۂ سیاست، فلسفۂ بعد از نو آبادیاتی نظام، اقتصادیات، اور سیاسی اقتصادیات امریکہ اور جرمنی میں پڑھے۔ یہ علوم پڑھنے کے دوران میں نے ان اقتصادی اور معاشرتی مسائل پر تحقیق کی جو دنیا کو متاثر کیے ہوئے ہیں اور اسی دوران اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ایک سیاسی اور اقتصادی نظام ہے جو حقیقتاً اور بہترین انداز سے ان مسائل کا حل لیے ہوئے ہے اور یوں میں رمضان ۱۴۳۳ھ میں مسلمان ہو گیا'، اللہ پاک ہمیں اور ہمارے بھائی محمد ابراہیم لڈوک کو استقامت علی الحق عطا فرمائے، آمین۔ جدید سرمایہ دارانہ نظام، سیکولرازم، جمہوریت، اقامتِ دین و خلافت کی اہمیت و فرضیت اور دیگر موضوعات پر آپ کی تحریرات لائقِ استفادہ ہیں۔ مجلہ 'نوائے غزوۂ ہند' شیخ محمد ابراہیم لَڈوِک (حفظہ اللہ) کی انگریزی تالیف 'Islamic Boycotts in the Context of Modern War' کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہے۔ (ادارہ)

بائیکاٹ کا شرعی حکم

دفاعی جہاد کا حکم اور بائیکاٹ سے اس کا تعلق

شیخ عبد اللہ عزام رحمہ اللہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''مسلم سرزمینوں کا دفاع، ایمان کے بعد اہم ترین فرض عین''، میں یہ واضح کرتے ہیں کہ دفاعی جہاد انفرادی ذمہ داری یا (ہر فرد پر عائد) فرضِ عین ہے۔ شیخ رحمہ اللہ مذاہبِ اربعہ کے مواقف کا حوالہ دیتے ہیں، اور علمائے احناف کے موقف پر زور دیتے ہیں، جیسے ابن عابدین رحمہ اللہ کا موقف جو لکھتے ہیں:

''وفرض عين إن هجم العدو على ثغر من ثغور الإسلام فيصير فرض عين على من قرب منه، فأما من وراءهم ببعد من العدو فهو فرضكفاية إذا لم يحتج إليهم، فإن احتيج إليهم بأن عجز من كان بقرب العدو عن المقاومة مع العدو أو لم يعجزوا عنها و لكنهم تكاسلوا ولم يجاهدوا فإنه يفترض على من يليهم فرض عين كالصلاة والصوم لا يسعهم تركه، وثم وثم إلى أن يفترضعلى جميع أهل الإسلام شرقا وغربا على هذا التدريج.''[1]

''جب دشمن مسلمانوں کی کسی سرحد پر حملہ آور ہوتا ہے تو جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ دشمن جس علاقے پر حملہ آور ہوتا ہے اس کے قریب ترین بسنے والے مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ وہ مسلمان جو اس علاقے سے دور رہتے ہیں، اگر دشمن سے نبٹنے کے لیے ان کی مدد درکار نہ ہو تو ان کے لیے جہاد فرضِ کفایہ ہو گا۔ مگر اگر ان کی مدد کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ چاہے اس وجہ سے کہ قریب بسنے والے مسلمان دشمن کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہوں، یا سستی و غفلت کے سبب دشمن سے جہاد کرنے میں کوتاہی کریں، تو جہاد ان سے قریب ترین مسلمانوں پر فرضِ عین ہو جاتا ہے، اسی طرح جیسے نماز اور روزہ فرضِ عین ہیں۔ ان کے لیے اسے چھوڑنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن اگر وہ بھی اس دشمن کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہوں تو جہاد ان سے قریب ترین مسلمانوں پر فرضِ عین ہو جاتا ہے اور اسی طرح اس کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے یہاں تک کہ مشرق سے مغرب تک یہ پوری امّتِ مسلمہ پر فرضِ عین ہو جاتا ہے۔''

اسی سے ملتا جلتا قول ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ہاں بھی ملتا ہے:

''إذا دخل العدو بلاد الإسلام فلا ريب أنه يجب دفعه على الأقرب فالأقرب، إذ بلادالإسلام كلها بمترلة البلدة الواحدة.''[۲]

''اگر دشمن بلادِ اسلام میں داخل ہو جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے خلاف مدافعت کرنا قریب ترین (مسلمانوں) اور پھر ان کے بعد قریب ترین (مسلمانوں) پر فرض ہو جاتا ہے، کیونکہ مسلمانوں کی زمینیں ایک ہی زمین کی مانند ہیں۔''

صرف فلسطین ہی نہیں بلکہ پوری مسلم دنیا میں ثقافتی استعمار کی فوجیں اور دیگر قوتیں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے وسائل کی لوٹ مار میں مصروف ہیں بلکہ ساتھ ساتھ اپنے شیطانی نظریات

[1] حاشیات ابن عابدین، ۳/۲۳۸

[۲] الفتاوی الکبری، ۴/۶۰۸

کی ترویج بھی کر رہی ہیں۔ بحیثیت مسلمان یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم خود سے برسرِ پیکار ان کفّار کا مقابلہ کریں۔ یہ ذمہ داری اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب یہ حملہ آور دشمن اپنے کفر کی ترویج کے لیے مسلمان علاقوں ہی کے قانونی اور تعلیمی اداروں کو استعمال کرتے ہیں۔ یہ ذمہ داری ہم میں سے ہر ایک پر لاگو ہوتی ہے۔ اللہ ہمیں اس معاملے میں کوتاہی برتنے پر معاف فرمائیں اور اس کو دور کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ توبہ کی قبولیت کی شرائط میں یہ بھی ہے کہ اخلاص کے ساتھ اس گناہ کو چھوڑنے کی نیت کی جائے جس سے توبہ کی جا رہی ہو۔

اللہ عزوجل ہمیں حکم دیتے ہیں:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (سورۃ التوبۃ: ۴۱)

”(جہاد کے لیے) نکل کھڑے ہو، چاہے تم ہلکے ہو یا بوجھل، اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔“

مفسرین کے ہاں اس آیت کے مفہوم میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن علماء کے یہ مختلف اقوال بھی آپس میں مطابقت رکھتے ہیں یعنی ایک قول دوسرے کو رد نہیں کرتا۔ بعض نے کہا کہ ’ہلکے‘ سے مراد جوانی، صحت، اور مال ہے، جبکہ دوسروں نے کہا کہ اس سے مراد پاپیادہ جنگ کرنا ہے۔ بعض نے کہا کہ ’بوجھل‘ سے مراد بڑھاپا، غربت یا بیماری ہے (اور ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ایک فربہ شخص نے جہاد سے رخصت حاصل کرنا چاہی)، جبکہ دیگر نے کہا کہ اس سے مراد سواری (جیسے اونٹ یا گھوڑے) پر بیٹھ کر جنگ کرنا ہے۔

وہ اقوال جو اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر ضعف کے اعتبار سے کرتے ہیں، ان کا بھی عمومی مفہوم یہ ہے کہ کوئی مشکل یا کمزوری ہمیں جہاد کے فرض سے رخصت نہیں دلا سکتی۔ یہاں تک کہ اگر ہمارے ملکوں کی ظالم حکومتیں بھی ہمیں فریضۂ جہاد کی ادائیگی سے روکتی ہیں، جیسا کہ اکثر مسلمانوں کا معاملہ ہے، تب بھی فرضیتِ جہاد ہم سے ساقط نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”لا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ، إِنَّمَا الطَّاعَةَ فِي الْمَعْرُوْفِ.“ (البخاری: ۷۵۲۷)

”اللہ کی معصیت میں کسی اور کی اطاعت نہیں، اطاعت تو معروف کاموں میں ہے۔“

ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ.“ (مشكوٰة المصابيح: ۳۶۹۶)

”خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔“

یہ امر واضح ہو جانے کے باوجود، کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے بہتر ہے کہ اہلِ علم سے رجوع کیا جائے تا کہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ اس عمل کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات اس کے فوائد سے زیادہ نہ ہوں۔ وہ مسلمان جو اس قسم کی پابندیوں، کمزوریٔ ایمان یا کسی بھی دوسرے عذر کے سبب براہِ راست جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے، ان کے لیے جہاد میں شرکت اور اس کی حمایت کے دیگر طریقے موجود ہیں، ان طریقوں میں درج ذیل طریقے شامل ہیں:

- مجاہدین کے لیے دعا کرنا
- اعلام و ابلاغ کے میدان میں مجاہدین کی مدد کرنا
- مسلمانوں کو مجاہدین کے حالات سے باخبر رکھنا اور ان کو جہاد میں شرکت اور اس کی حمایت کرنے کی دعوت دینا
- مجاہدین کی مالی امداد کرنا
- مجاہدین کو کفار کے بارے میں معلومات فراہم کرنا
- مجاہدین کو رسد فراہم کرنے میں تعاون کرنا
- مجاہدین کو تکنیکی معلومات اور مشورہ دینا
- جہاد کے صحیح طریق و منہج کو جاننا، سمجھنا اور اس بارے میں آگہی کو پھیلانا
- دشمنانِ دین اور منافقین کی طرف سے اٹھائے گئے شبہات کا رد کرنا
- دشمن کی رسد و کمک کی ترسیل کو متاثر کر کے اقتصادی جنگ کے ذریعے مجاہدین کی مدد کرنا

بائیکاٹ اس آخری طریقے کا ایک معاون جزو ہے۔ ایک دعا کے علاوہ، بائیکاٹ ہی ان قلیل طریقوں میں سے ایک ہے جس کو اپنانا تقریباً ہر کسی کے بس میں بآسانی ہے، جبکہ اس کے ساتھ کوئی حقیقی خطرات بھی ملحق نہیں۔ ہم میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ ایمان و کفر کے مابین برپا اس جنگ میں حق کا ساتھ دینے کے لیے ہر وہ کام کریں جو ہمارے بس میں ہو۔ اس لیے ہمیں بائیکاٹ کو اس بڑے فریضے کے جزو کے طور پر دیکھنا چاہیے اور اس پر حتی المقدور عمل پیرا ہونا چاہیے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (سورۃ التغابن: ۱۶)

”لہٰذا جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو،“

اسباب کا حکم وہی ہے جو انجام کا حکم ہے

دفاعی جہاد ایک انفرادی و معین فرض ہے جو اس وقت پوری امت پر عائد ہوتا ہے۔ اس حکم کا بائیکاٹ سے تعلق سمجھنے کے لیے دو اصولوں کو سمجھنا ضروری ہے۔

”الوسائل لها أحكام المقاصد“[3]

”کسی کام (یا مقصد کو حاصل) کرنے کے لیے اختیار کیے گئے وسیلے کا حکم وہی ہے جو اس کام (یا مقصد) کا حکم ہے۔“

”أن ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب“[4]

”کسی واجب کی ادائیگی کے لیے جو چیز (یا کام) ناگزیر ہو وہ خود بھی واجب ہو جاتا ہے۔“

اگر دفاعی جہاد کے مقاصد کے حصول کے لیے بائیکاٹ کرنا ناگزیر ہو تو یہ بھی حکم جہاد کی طرح فرضِ عین کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ بائیکاٹ جدید طریقۂ جنگ کا ایک ناگزیر حصّہ ہیں لٰہذا اس کا حکم بھی دفاعی جہاد کے حکم کی مانند ہے ۔ جس طرح مسلمان جنگوں میں نئی ٹیکنالوجی استعمال کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت پر متفق ہو گئے ہیں، جیسے طیاروں اور ٹینک وغیرہ سے، بالکل اسی طرح ضروری ہے کہ اقتصادی جنگ کے مختلف طور طریقوں اور تکنیکوں کو بھی سمجھا اور اپنایا جائے۔

معاشی جنگ جدید جنگ کا ایک لازمی حصہ بن چکی ہے، اس حد تک کہ آج کوئی بھی ملک اس کے بغیر جنگ میں کودنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ دشمن ممالک، تنظیموں اور افراد پر تجارتی پابندیاں عائد کرنا، انہیں خدمات کے حصول اور اشیاء کی خرید و فروخت میں بندشوں کا سامنا کرنے پر مجبور کرنا، جدید اقتصادی جنگ کے اہم ترین اجزاء میں شامل ہے۔

دو وجوہات کی بنیاد پر دورِ جدید میں یہ طریقے مزید اہمیت اختیار کر گئے ہیں:

- جدید ترین ٹیکنالوجی کی تیاری کے لیے درکار سپلائی لائنوں کی بڑھتی ہوئی پیچیدگیاں
- لبرل ازم کے عقیدے میں معاشی ترقی اور خوشحالی کا ایک ایسا عنصر یا عامل ہونا جو (کسی بھی چیز کو) جواز بخشنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس بنا پر معاشی ترقی و خوشحالی کی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی اہمیت۔

[3] شرح منظومة القواعد الفقهية ل السعدی

[4] ایضاً

اگر ہم عصر حاضر میں معاشی جنگ کے یوں زیادہ نمایاں ہو جانے کی وجوہات پر غور کریں، تو اس کو اختیار کرنے کی ضرورت مزید واضح ہو جائے گی۔

ماضی کی نسبت آج معاشی جنگ زیادہ اہم کیوں؟

جس قدر عالمی معیشت باہم مربوط ہوتی چلی جاتی ہے، اسی قدر معاشی جنگ کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے۔ تاریخ کے میسر ریکارڈز کے مطابق عالمی معیشت آج سے قبل کبھی بھی آپس میں اس قدر مربوط نہ تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اقتصادی جنگ و جدل بھی آج اتنا اہم ہے جتنا اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔

پیداوار اور کھپت کی تنظیم تشکیل(Organization of Production and Consumption)

آج کی نسبت ماضی میں عسکری ساز و سامان کی پیداوار کا عالمی تجارت پر انحصار بہت کم تھا۔ سامان کی رسد سواری کے جانوروں کے ذریعے کی جاتی تھی، جو کہیں بھی چَر کر اپنی خوراک کی ضرورت پوری کر سکتے تھے۔ جبکہ اسلحہ اور زرہ بکتر وغیرہ کی تیاری میں بھی آج کی نسبت لوگ زیادہ خود کفیل تھے۔

یورپی ٹیکنالوجی کی تعمیر و ترقی عالمی یورپی استعماری سلطنتوں کے عروج کے متوازی رہی۔ نوّیں صدی ہجری میں پرتگالی سلطنت سے شروع ہو کر اور اس کے بعد ہسپانوی، ڈچ، فرانسیسی، برطانوی اور آج کی امریکی سلطنت تک، ان سب سلطنتوں نے پچھلی سلطنت سے بڑھ کر عالمی منڈیوں کے اندر تک رسائی حاصل کی اور اس رسائی سے حاصل ہونے والی دولت کے ذریعے اپنی صنعت اور ٹیکنالوجی کو فروغ دیا۔

اس اقتصادی نظم سے متعلق تین عوامل اس سارے عمل میں شریک رہے:

۱. پیمانوں کے متناسب اقتصاد
۲. تقابلی منفعت
۳. خام مال تک رسائی

پیمانوں کے متناسب اقتصاد

جدید صنعت اعلیٰ استعداد[5] کی متقاضی ہے، بڑے پیمانے پر کی جانے والی پیداوار نتائج کے اعتبار سے کم لاگت کے ساتھ زیادہ ثمرات حاصل کرتی ہے، گویا کہ بڑے پیمانے کی پیداوار

[5] یہاں استعداد سے مراد کم سے کم وقت، محنت اور وسائل خرچ کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ نتائج و ثمرات حاصل کرنے کی استعداد ہے۔

میں پیداواری استعداد بہتر ہوتی ہے[6]۔ یہ اصول چھوٹے کاروباروں میں بھی واضح ہے۔ مثلاً اگر ایک ریستوران کا مالک دس کلو گوشت خریدنے بازار جاتا ہے، تو اس کا بازار جانے اور واپس آنے کا خرچ تقریباً اتنا ہی ہو گا جتنا کہ سو کلو گوشت کی خریداری کی صورت میں ہو گا۔ اگر اس کے ریستوران میں گاہک زیادہ آتے ہوں، تو وہ انہیں نسبتاً کم قیمت پر کھانا فراہم کر کے فی خوراک کمائے جانے والے منافع کو بڑھا سکتا ہے۔

جوں جوں یورپی ممالک نے اپنی نو آبادیوں کی منڈیوں پر اپنا قبضہ و تسلط بڑھایا، ان کی صنعتی پیداوار کی استعداد بہتر ہوتی چلی گئی۔ جنگِ عظیم دوم سے قبل، ان ممالک نے نو آبادیاتی علاقوں کی تجارتی پالیسیوں کو براہِ راست کنٹرول کرتے ہوئے ان کو اپنی مصنوعات استعمال کرنے پر مجبور کیا۔ جنگ کے بعد، یہی کام آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے عالمی اداروں نے اپنے ذمے لے لیا جو پالیسی اصلاحات کے عوض اور ان پر منحصر قرضے دینے کا کام کرتے ہیں۔ ان دونوں ادوار میں قصداً یہ کوششیں کی گئیں کہ نو آبادیاتی علاقوں کی عوام میں احساسِ کمتری پیدا کر کے انہیں مزید درآمد شدہ اشیاء کی خریداری پر مجبور کیا جائے۔

پیداوار کے اس طرز میں غیر عسکری سامان کی خریداری بھی عسکری ساز و سامان کی پیداوار کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ عسکری صنعت کا غیر فوجی (سویلین) صنعت کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ مثلاً، لوہے اور ایلومینیم کی مصنوعات کی بڑھتی ہوئی طلب، دھاتیں تیار کرنے والی فیکٹریوں اور بھٹیوں کی پیداوار کے پیمانے میں اضافے اور پھیلاؤ کا سبب بنتی ہے۔ اگر سِول صنعتوں کی طرف سے لوہے اور ایلومینیم مصنوعات کی مانگ بڑھتی ہے تو اس سے عسکری صنعتوں کو درکار مصنوعات کی قیمتوں میں بھی کمی واقع ہوتی ہے۔

تقابلی منفعت

جدید صنعت کی ترقی کا بڑا انحصار علاقائی طور پر مسابقت کرنے اور فضیلت حاصل کرنے پر ہے، جس کو بعض اوقات 'تقابلی منفعت' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس اصطلاح سے مراد مختلف علاقوں کی بعض مصنوعات کی پیداوار میں مہارت حاصل کر کے انہیں دیگر علاقوں کی نسبت کم قیمت پر تیار کرنے کی صلاحیت ہے۔ علاقائی موسم، توانائی کی قیمتیں، قدرتی وسائل کی دستیابی، علاقے میں موجود انفراسٹرکچر، خاص صلاحیتوں یا مہارتوں کے حامل افراد (کاریگروں) کی تعداد، اوران مصنوعات سے متعلقہ قوانین کی ساخت اور عملی ڈھانچہ، یہ تمام عوامل پیداوار کی لاگت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

تجارتی تعلقات کے حجم اور دائرہ کار کو بڑھانے سے اشیاء کی سستے داموں پیداوار ممکن ہو سکی، کیونکہ مزید علاقوں کو پیداوار اور تقسیم کے ایک ہی نیٹ ورک سے جوڑا گیا۔ مختلف علاقوں نے آلات اور تعلیم و تربیت میں سرمایہ کاری کی جس سے ان کی مخصوص خدمات کی فراہمی اور مصنوعات کی پیداوار میں آنے والی لاگت میں کمی واقع ہوئی۔ یہی عمل اور اس کی یہ تاثیر ابتدائی اسلامی سلطنت کی خوشحالی و ترقی کا بھی ایک سبب تھا، اسلامی مملکت کے مختلف علاقوں کے مابین تجارتی آزادی کے سبب تجارت کو وسعت ملی، جس کے نتیجے میں بہتر علاقائی تخصص حاصل ہوا۔ جیسے جیسے مسلمان تقسیم ہوتے گئے، تجارت میں رکاوٹیں پیدا ہوتی گئیں جس کا نتیجہ مسلمانوں کے معاشی نقصان اور جمود کی شکل میں نکلا۔

جتنے زیادہ لوگ اور ممالک جدید عالمی معاشی نظام میں شریک ہوں گے، اتنی ہی پیداواری لاگت میں کمی واقع ہو گی اور زیادہ جدید ٹیکنالوجی کی تیاری ممکن ہو سکے گی۔ مغربی صنعت اور ٹیکنالوجی کی موجودہ صورتحال یہود و نصاریٰ کے زیرِ قبضہ عالمی تجارتی نیٹ ورکس کے حجم کا ایک مظہر ہے۔

خام مال تک رسائی

کوئی ٹیکنالوجی جس قدر پیچیدہ ہو گی، اتنا ہی زیادہ اس کا انحصار مختلف ممالک میں تیار ہونے والے اجزاء اور خام مال پر ہو گا۔ مثلاً آئی فون میں استعمال ہونے والے پرزے ۴۳ مختلف ممالک میں بنتے ہیں، پھر یہ پرزے جن اجزاء اور مواد سے بنتے ہیں وہ مزید کئی ممالک سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ جتنی زیادہ کوئی ٹیکنالوجی پیچیدہ ہو گی، اس کا عالمی 'نقشِ قدم' (footprint) اتنا ہی بڑا ہو گا[7]۔

(بقیہ: صفحہ نمبر 131 پر)

[6] مغربی اقتصادیات کی توجہ کا محور تقریباً کلیتاً پیداوار کو آخری حد تک بڑھانا ہے، اس حقیقت سے قطع نظر کہ پیداوار کے یہ خطوط اکثر کھپت کی ضرورت اور طلب کو یکسر نظر انداز کیے ہوئے اور ان سے لاتعلق ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی معاشی نظام جنون کی حد تک اس کوشش میں مبتلا ہے کہ کسی بھی طرح صارفین کی طلب بڑھائی جائے خواہ اس کی قیمت انفرادی و اجتماعی ماحولیاتی صحت ہی کیوں نہ ہو۔

[7] یعنی اس ٹیکنالوجی کی تیاری میں دنیا کے مختلف علاقوں سے جو کوئی پرزہ یا مواد استعمال ہو گا، وہ اس علاقے کا نقش لیے ہوئے ہو گا۔ گویا کہ اس ٹیکنالوجی کا نقش دنیا کے کئی ممالک پر محیط ہو گا۔

اکیسویں صدی میں

جمہوری نظام تباہی کے دہانے پر!

(سورۃ العصر کی روشنی میں)

حضرت الأمیر، مولانا عاصم عمر شہید رحمۃ اللہ علیہ

کلمہ توحید کا تقاضا؛ تمام نظاموں (ادیان) سے برأت

معبود و عبادت کی تعریف جان لینے کے بعد جاننا چاہیے کہ کلمہ توحید کا اپنے ماننے والوں سے پہلا مطالبہ تمام معبودانِ باطلہ اور تمام نظاموں کا انکار اور ان سے برأت ہے، اس کے بعد ایمان باللہ ہے، جیسا کہ کلمہ کی ترتیب خود بتارہی ہے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

"کوئی معبود نہیں، کسی کی عبادت نہیں، اللہ کے سوا، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں"۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [البقرۃ:۲۵۶]

"دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا، اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے گا، اس نے ایک مضبوط کڑی کو تھام لیا جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں، اور اللہ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے غیر اللہ کے انکار کو بیان کیا، اس کے بعد اللہ پر ایمان کا ذکر کیا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، عَلَى أَنْ يُعْبَدَ اللَّهُ ، وَيُكْفَرَ بِمَا دُونَهُ ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔[1]

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

۱۔ یہ کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے علاوہ کا انکار کیا جائے،

۲۔ اور نماز قائم کرنا،

۳۔ اور زکات ادا کرنا،

۴۔ اور حج کرنا،

۵۔ اور رمضان کے روزے رکھنا"۔

إلا الذين آمنوا: صرف وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے کہ معبود صرف وہی ہے، نماز میں بھی صرف اسی کی عبادت کی جائے گی اور تجارت و معاملات اور حکومت و عدالت میں بھی اس کے علاوہ کسی کو معبود نہیں بنایا جائے گا۔

وہی حاکم ہے اور وہی خالق ہے...

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ [الأعراف:۵۴]

نہ اس کی صفتِ خلق میں کوئی شریک، نہ اس کی صفتِ امر و حاکمیت میں کوئی شریک...... تشریع یعنی قانون سازی صرف اسی کا حق ہے۔ اس میں کسی کی شرکت اس کے علاوہ کو معبود بنانا ہے جو کہ صریح کفر ہے...... کیا آئینی (شرعی) ہے اور کیا غیر آئینی (غیر شرعی)...... کیا قانونی (حلال) ہے اور کیا غیر قانونی (حرام)...... یہ اس کی صفت ہے...... اس کا اختیار کسی اور کو نہیں...... اسی کا حکم و قانون بغیر پارلیمنٹ میں پیش کیے نافذ ہو کر عمل کیے جانے کے قابل ہے۔ اس کے علاوہ ہر آئین و نظام باطل ہے۔ سو اس کا نازل کیا قانون اس بات سے پاک ہے کہ پہلے جمہوریت کا دارالندوہ (کفارِ مکہ کی پارلیمنٹ جس میں بیٹھ کر وہ قانون سازی کیا کرتے اور پھر اسے مذہبی رنگ دینے کے لیے بتوں کی جانب منسوب کر دیتے) اس پر بحث کرے...... اس پر ووٹنگ کرے کہ قرآن کا قانون ریاست کے آئین کا حصہ بننے کے قابل ہے یا نہیں (معاذ اللہ)؟ اس کو منظور کیا جائے یا پارلیمنٹ اس کو رد کر دے...... پھر چاہے تو ریاست کی دیوی کا دارالندوہ اسے رد کر دے اور اللہ کا نازل کردہ قانون جسے محمد ﷺ کو دے کر بھیجا گیا، (العیاذ باللہ) پارلیمنٹ سے نکال باہر کیا جائے...... پھر بھی پارلیمنٹ مقدس ٹھہرے...... اس کے تقدس کے حلف اٹھائے جائیں...... اس کی عظمت و وقار کے واسطے دیے جائیں۔

گویا جمہوریت نام ہے اللہ کے اختیار کو پارلیمنٹ کے ظالموں، اوباشوں، شرابیوں اور زانیوں کے ہاتھ میں دے دینے کا...... کہ وہ جسے چاہیں حلال (قانونی) کہیں اور جسے چاہیں حرام (غیر قانونی) قرار دیں۔

[1] صحیح مسلم (۱/ ۳۴) دار الجیل

اللہ کے قرآن کو پارلیمنٹ کی منظوری کا محتاج بنانا، یہ اس کی پاک ذات کے ساتھ کھلا کفر ہے...... اس کا مذاق و استہزاء ہے...... رحمۃ للعالمین ﷺ کے لائے دین کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور اس سے بڑی توہین اور کیا ہو سکتی ہے...... اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو گا۔

اللہ کے محکم قانون کو پارلیمنٹ کی منظوری کا محتاج بنانے کے نظریے کے ساتھ اللہ پر ایمان کس فقیہ کے ہاں قابلِ قبول ہو سکتا ہے، سوائے ان کے جن کا علم بکتا ہے تھوڑے سے مال و متاع کے بدلے، یا جو زندگی کی سانسیں باقی رکھنے کے لیے مقتدر طبقے کی ہر بات ماننے پر مجبور ہو گئے۔

تاریخِ انبیاء اس بات پر گواہ ہے کہ انبیاء اور ان کے مخالفین کے مابین اصل تنازع اسی بات پر رہا کہ انبیاء اس بات کی دعوت دیتے تھے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں عبادت کو صرف ایک اللہ کے لیے خاص کیا جائے، مذہبی رسومات کے ساتھ ساتھ معاملات میں بھی دیگر معبودوں کے بجائے ایک اللہ ہی کے احکامات کی اطاعت کی جائے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب دین کے اس شعبے کی دعوت دی تو ان کی قوم کے مقتدر طبقے کو بڑا اچنبھا ہوا اور کہنے لگے:

﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ﴾ [هود: ۸۷]

"وہ کہنے لگے: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے تھے، ہم انھیں بھی چھوڑ دیں اور اپنے مال و دولت کے بارے میں جو کچھ ہم چاہیں، وہ بھی نہ کریں؟ واقعی تم تو بڑے عقل مند، نیک چلن آدمی ہو"۔

یعنی یہ قوم بھی اس بات پر حیران تھی کہ شعیب علیہ السلام کا دین ہمارے مالی نظام اور دنیاوی معاملات میں مداخلت کیوں کر رہا ہے؟

آج بھی حق و باطل کے مابین یہی لڑائی ہے۔ دہشت گردی کی عالمی جنگ ایسے ہی دیوانوں کے خلاف ہے جو مذہبی رسومات کے ساتھ ساتھ معاملات میں بھی ایک اللہ کے نازل کردہ آئین کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

صرف دینِ اسلام... مشترکہ دین قبول نہیں

الذین آمنوا: جو ایمان لائے ایک اللہ پر اور ایمان لائے اس پوری شریعت پر جو محمد ﷺ کو دے کر بھیجی گئی، جو اللہ کے ساتھ کسی دورِ جدید کے بت کو معبود نہیں بناتے...... جو مسجد میں بھی ایک اللہ ہی کو معبود مانتے ہیں اور معیشت و تجارت، حکومت و عدالت اور نفع و نقصان میں بھی اللہ کے علاوہ ہر معبود کا انکار کرتے ہیں۔

وہ صرف اللہ کے نازل کردہ دین پر ہی ایمان رکھتے ہیں...... اسلام کے ساتھ وہ کسی اور دین (نظام) کو نہیں مانتے اور نہ مشترکہ دین کو مانتے ہیں کہ کچھ اسلام سے لے لیا اور کچھ اس کے علاوہ سے لے کر ایک نیا دین بنا لیا۔

حق و باطل کے مابین اس جھگڑے میں باطل کی طرف سے طاقت کے زور پر حق کی دعوت کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے لیے ہر قسم کا ظلم روا رکھا جاتا ہے۔ ظلم و ستم اور دھونس و دھمکیوں میں ناکامی کے بعد باطل کی جانب سے مذاکرات، بقائے باہمی، مفاہمت و مصالحت اور اتحاد و ہم آہنگی کے خوشنما نعروں کے ذریعہ حق و باطل کو گڈ مڈ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کے خلاف جزیرۃ العرب کی سب سے بڑی قوت قریش کے مقتدر طبقے نے جب یہ دیکھا کہ اسلام کو جبراً دبانے کی ہر کوشش ناکام ہوتی جا رہی ہے، تو انھوں نے بھی اب صلح جوئی، مصالحت اور بقائے باہمی کے نام پر وحدتِ ادیان کے ڈول ڈالنے شروع کیے۔ ان کی جانب سے صلح کی مختلف تجاویز رحمۃ للعالمین ﷺ کے سامنے پیش کی جانے لگیں۔

صلح کی پہلی پیش کش

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایک دن کفارِ مکہ میں سے پانچ لوگ... عبد اللہ بن امیہ مخزومی، ولید بن مغیرہ، مِکْرَز بن حَفْص، عَمْرو ابْن عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قيس العامري اور عاص بن وائل... آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لائیں تو اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے کر آئیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس پیش کش کو یوں بیان فرمایا:

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ﴾ [یونس: ۱۵]

"اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں: اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ، یا اس میں تبدیلی کر دو"۔

لہٰذا ہمارے اور آپ کے درمیان صلح کی یہی ایک صورت ہے کہ نفرت آمیز اور امن و بھائی چارگی کو خراب کرنے والی باتیں بند کی جائیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس قرآن کے

علاوہ کوئی اور قرآن لے کر آئیے، جس میں لات و منات اور عزیٰ کی عبادت ترک کرنے کی بات نہ ہو[2]۔ یا اسی قرآن میں تبدیلی کیجیے...... اس سے ایسی باتیں نکال دیجیے جن میں ہمارے نظام اور معبودوں کی برائی کی گئی ہے، ہم سے ہماری پارلیمنٹ (دارالندوہ) کے منظور کیے گئے آئین و قانون اور نظام کو ترک کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، ہمارے نظام کی جن چیزوں کو اس نے حرام کہا انھیں حلال قرار دیا جائے، ہم نے جو معبود بنائے ہیں، جنھیں ہم نے بھاری اکثریت کے ساتھ قانون سازی کا حق دیا ہے یہ قرآن انھیں حرام کہتا ہے، انھیں باطل و طاغوت کہتا ہے، چنانچہ اس میں ترمیم کی جائے اور جنھیں حلال کہا انھیں حرام کہا جائے[3]۔

لیکن معبودِ حقیقی نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا:

﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾[یونس: ۱۵]

”اے نبی ﷺ! انھیں بتادیجیے، میرے لیے ممکن نہیں کہ میں اس میں اپنی جانب سے تبدیلی کردوں، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ بلاشبہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں“۔

آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی نہ کفر کا مزاج ہی بدلا نہ کفر کے باغیوں کے انداز بدلے...... ساری دنیا کا کفر...... دیسی ہو یا ولایتی، ایک اللہ کو معبود ماننے والوں سے ایسا ہی مطالبہ کر رہا ہے کہ قرآن کی ایسی باتوں کو نہ بیان کیا جائے جو کافروں کو بری لگتی ہیں، جن میں کفر کے بنائے عالمی اور مقامی معبودوں (نظام و طرزِ زندگی اور ریاست کے آئین) کی برائی ہوتی ہے، جمہوری نظام کو باطل کہا جاتا ہے، اور اس کفری نظام کو ختم کر کے صرف ایک اللہ کا نازل کردہ نظام نافذ کرنے کی بات کی جاتی ہے۔

لمحۂ فکریہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانِ مبارک سے اعلان کرادیا کہ میں اس میں کچھ تبدیلی نہیں کرسکتا، یہی قرآن ہے جو مجھ پر وحی کیا گیا ہے، ماننا ہے تو اسی کو ماننا ہوگا، مصالحت کی کوئی اور صورت ناممکن ہے۔

لیکن آج کے مذہبی مصالحت کاروں کو دیکھیے...... آئے روز مختلف نعروں کے ساتھ کس طرح کفر و اسلام کو ایک کرنے کے نام پر میلے ٹھیلے سجائے جاتے ہیں، ان کے مابین اتحاد و یگانگت اور مصالحت و ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی قومیت کے بت کے نام پر، کبھی جمہوریت کے نام پر، تو کبھی ریاست کی دیوی کے تقدس کی خاطر، تو من شدی من تو شدم کے راگ الاپے جاتے ہیں۔

واللہ المستعان! عقل اس وقت حیران رہ جاتی ہے جب ان میلوں اور بازاروں میں وہ لوگ بھی نظر آتے ہیں جنھیں علمِ دین کی جانب منسوب سمجھا جاتا ہے...... کفر و اسلام کے مابین اتحاد و ہم آہنگی...... اللہ اور بتوں میں اتحاد و اتفاق...... جس کے بارے میں امام الانبیاء ﷺ کی زبانِ مبارک سے اعلان کرادیا گیا...... قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ...... لیکن ان علم فروشوں کی اللہ پر جرأت دیکھیے...... کس ڈھٹائی کے ساتھ ایسی کانفرنسوں میں شرکت کرتے ہیں اور پھر تصویریں بنوا کر دنیا کو بھی اپنی اس جرأت پر گواہ بناتے ہیں...... یہ علم کا بوجھ لادنے والے ان میلوں میں جاتے ہی اس لیے ہیں کہ اپنی لفاظی و قلم کو بیچ کر یہ بھی دنیا کا مال و متاع خرید سکیں...... اللہ کی آیات کی بولی لگا کر اپنے پیٹوں کو جہنم کی آگ سے بھر سکیں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[البقرۃ: ۱۷۴]

”حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کرلیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کے سوا کچھ نہیں بھر رہے، قیامت کے دن اللہ ان سے کلام بھی نہیں کرے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے“۔

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾[البقرۃ: ۱۷۵]

”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو خرید لیا ہے ہدایت کے بدلہ میں اور عذاب کو نجات کے بدلہ میں، اور یہ لوگ جہنم کی آگ کے لیے کس طرح تیار ہیں!“۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

[2] یعنی ایسا قرآن جس میں لات و عزیٰ اور منات کی عبادت کو ترک کرنے کا مطالبہ نہ ہو۔ لَيْسَ فِيهِ تَرْكُ عِبَادَةِ اللَّاتَ وَالْعُزَّى وَمَنَاةَ (تفسير البغوي - طيبة (۴/ ۱۲۵)

[3] دیکھیے تفسیر طبری اور تفسیر بحر العلوم ابو اللیث السمرقندیؒ فی تفسیر ہذہ الآیۃ

آلِ ہنیہ کے لیے پیغامِ تعزیت وتہنیت

قیادتِ عامہ، مرکزی القاعدہ

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۔(البقرۃ:۲۱۴)

”(مسلمانو) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں (یونہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہیں اس جیسے حالات پیش نہیں آئے جیسے ان لوگوں کو پیش آئے تھے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ ان پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں، اور انہیں ہلا ڈالا گیا، یہاں تک کہ رسول اور ان کے ایمان والے ساتھ بول اٹھے کہ 'اللہ کی مدد کب آئے گی؟' یاد رکھو! اللہ کی مدد نزدیک ہے۔“

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندوں کو نیک بخت لوگوں کی راہ دکھائی اور اپنی بہترین مخلوق میں سے بہترین شہداء کو چنا، جس نے اپنے کلمے کی سربلندی اور اپنے دین کی نصرت کے لیے تکالیف پر صبر کرنے اور اپنی راہ میں رباط کرنے کو اپنے بندوں کے لیے محبوب بنایا۔

اور بے پایاں رحمت و سلامتی ہو اس ذاتِ والاصفات پر جس نے اللہ کی راہ میں بار بار قتل ہونے کی تمنا کی اور آپ کے بہترین و چنیدہ آل و اصحاب پر جو اہلِ عقل و بصیرت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت اور اعلیٰ درجے کی عنایت ہے کہ اس حقیر دنیا سے اپنے بندے کی روانگی کو شہادت جیسی عزت والی صورت عطا کرے۔ یہ بات بھی مخفی نہیں کہ جب کسی انسان کو ایسی موت آئے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمنا کی (یعنی شہادت کی موت) تو یہ موت عزت و عظمت اور اللہ کا انتخاب ہے۔ جس موت کی تمنا خود سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہو اس موت کی عزت و خوبصورتی کے کیا کہنے!! قتلِ شہادت...... جس کا ہر مرابط دل و جان سے خواہاں ہے۔ کیسا عظمت و بڑائی سے بھرپور قتل ہے! پس سرحدِ اسلام پر ڈٹے جس بھی مرابط کو یہ نعمت مل جائے تو اس کی خوش بختی کے کیا کہنے! اور بے شک ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ آلِ ہنیہ کے ہمارے محبوب افراد اس 'نبوی تمنا' کو پانے میں پیچھے رہنے والے نہیں تھے، اللہ تعالیٰ محترم شیخ ابو العبد اسماعیل ہنیہ کو اجرِ عظیم سے نوازے اور ان کی بہترین غم خواری کرے، ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ اپنے اہل خانہ کی جدائی سے انہیں جتنا غم و نقصان لاحق ہوا ہے اس سے کئی گنا زیادہ انہیں اپنی رضا اور سکون سے نوازے، اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ سے سوالی ہیں کہ وہ محترم شیخ کو، آپ کے اہل خانہ اور ساتھیوں کو ڈھیروں صبر اور رضا بالقضا سے بہرہ ور کرے۔

اور ہمارا یہ گمان ہے کہ اللہ کی تیار کردہ دائمی نعمت، خیر کثیر اور اللہ کی ملاقات کے ساتھ ان شہداء کی یہ عید فانی دنیا میں اپنے اہل خانہ کے درمیان ہزاروں عیدوں سے بہتر ہے۔

پس اے آلِ ہنیہ! آپ صبر سے کام لیں، بے شک جنت میں آپ کا ملاپ ہو گا، ہم اللہ تعالیٰ سے امید کرتے ہیں کہ وہ آپ کو اہلِ تقویٰ کا امام بنائے، اس معزز امت پر آپ کے ہاتھوں سے خیر کے دروازے کھول دے، آپ کے افعال و اقوال کو وہ رخ دے جو اسے پسند ہے یعنی اللہ کا کلمہ بلند اور اس کی شریعت قائم ہو جس میں اسلام اور اہلِ اسلام کا بھلا ہی بھلا ہے۔

ہم فلسطین میں رباط میں مصروف اپنے ان بھائیوں سے بھی تعزیت اور غم خواری کرتے ہیں جن کے اہلِ خانہ، رشتہ دار اور دوست شہید ہوئے ہیں، اللہ سے دعا گو ہیں کہ ان کی صفوں کو متحد کرے، ان کے نشانوں کو درست کرے، ان کے رائے کو مضبوط کرے، ان کے زخمیوں اور مریضوں کو شفا و تندرستی دے، ان کی عزتوں کی حفاظت کرے، ان کے شہداء کو قبول فرمائے اور مرنے والوں پر رحم فرمائے۔

اے اللہ! ہمیں اپنے بھائیوں کی ایسی نصرت کی توفیق دے جو آپ کی رضا کا باعث ہو اور ہمیں اپنی رضا کے کاموں میں استعمال فرمالیں۔

اے اللہ! غزہ میں ہمارے بھائیوں کی نصرت کے لیے ہمارے جان، مال اور اولادوں کو قبول کرلے، یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور اس کی خاطر ہمیں اپنی راہ میں کٹ مرنا نصیب کردے اے رحیم و کریم!

اے اللہ! ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں ان لوگوں میں شامل نہ فرما جو تیرے مجاہد بندوں کی نصرت سے ہاتھ کھینچنے والے ہیں، پیچھے ہٹنے والے ہیں، دوسروں کو بھی سست کرنے والے اور ان کی راہ میں روڑے اٹکانے والے ہیں، آمین!

والحمد للہ رب العلمین

شوال ۱۴۴۵ھ

اپریل ۲۰۲۴ء

☆☆☆☆☆

پیامِ غزّہ: تصویر کے دو رُخ

استاد اسامہ محمود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا وحبيبنا نبي الملاحم نبي الرحمة محمد وآله وصحبه أجمعين، أمابعد!

یہ دن بھی امت کو دیکھنا پڑا

کون سا ظلم ہے جو غزہ میں ڈھایا نہیں گیا؟ امت محمد ﷺ کے نونہالوں کو نشانہ لے لے کر شہید کیا جارہا ہے، تقریباً پانچ مہینوں کے اس عرصہ میں پندرہ ہزار تک صرف بچے شہید کیے گئے اور بچوں کے لقمۂ اجل بننے کی یہ تعداد اس حد تک زیادہ ہے کہ جنگوں کی جدید تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی[1]۔ شہداء اور زخمیوں کا شمار لاکھ سے تجاوز کر گیا ہے اور جس میں ستر فی صد سے زیادہ خواتین اور بچے ہیں۔ یہ اپنی نوعیت کی منفرد جنگ، بلکہ امت محمد ﷺ کا قتل عام اس لیے ہے کہ باوجود یہ کہ اسرائیل اور اس کے ہم نواؤں کے پاس ایسی ٹیکنالوجی موجود ہے کہ اگر یہ چاہتے تو کوئی ایک بھی خاتون، بچہ یا عام فرد شہید نہ ہوتا، مگر یہاں تو عوام اور ان کے رہائشی مکانات، ہسپتالوں اور مساجد پر چن چن کر بمباری کی جاتی ہے[2] اور اس سب پر کسی سے خوف وشرم بھی نہیں محسوس کی جاتی، بلکہ قہقہوں کے ساتھ خود ہی ان جرائم کی فلم بندی کی جاتی ہے۔ پھر جن پر ظلم کے یہ پہاڑ توڑے جارہے ہیں، انہیں نہ باہر چھوڑا جارہا ہے کہ وہ کسی محفوظ جگہ منتقل ہوں اور نہ ہی اتنی خوراک ان کے لیے اندر جانے دی جارہی ہے جس سے جسم وجان کا رشتہ وہ برقرار رکھ سکیں؛ نتیجتاً جو بموں سے شہید نہیں ہوئے، وہ بھوک سے شہید ہورہے ہیں اور ایسے کرب ناک مناظر اب میڈیا پر آرہے ہیں کہ بچے بلک بلک کر شہید ہورہے ہیں اور بڑے نڈھال ہوکر راستوں میں گر رہے ہیں۔

بے بسی کی یہ انتہا کیوں؟

حیرانگی اس پر نہیں کہ یہودی یہ کررہے ہیں؛ وہ قوم جو انبیاء کی قاتل ہے، آسمانی کتب کی تکذیب اور ان میں تحریف کرنے والی ہے؛ جس کی تاریخ ہی اللہ کی ناشکری وبغاوت اور فصل و نسل کی تباہی سے عبارت ہے...... اور جو اللہ سے عداوت اور دل کی سختی کے باعث 'مغضوب علیھم' قرار پائی ہے، اس سے اسی کی توقع ہے۔ تعجب اس پر بھی نہیں کہ وہ طاقت جو دنیا میں فتنہ وفساد کی جڑ ہے اور جس کے بل بوتے پر یہ شیطانی ریاست قائم ہے آج اسی کی مدد و ہتھیار سے یہ بدترین مظالم ہورہے ہیں...... تعجب کی بات اگر کوئی ہے تو وہ یہ کہ دو ارب نفوس پر مشتمل امت مسلمہ کیوں اس حد تک گر گئی کہ اس کی نظروں کے سامنے اس کے بہترین لوگوں پر روح فرسا مظالم ڈھائے جارہے ہیں اور وہ بے حس وحرکت اس سب کا تماشہ دیکھ رہی ہے؟ کیوں یہ امت اُس بنیادی صفت سے آج محروم اور اہم ترین ذمہ داری سے آج غافل ہوگئی جو اس پر شرعاً، عقلاً اور اخلاقاً فرض ہے اور جس کی ادائیگی ہی کے سبب اس کا وجود قائم رہ سکتا ہے اور ادا نہ کرنے کی پاداش میں ذلیل ورسوا ہوکر تباہی وبربادی اس کی یقینی ہے!!! جہاد فی سبیل اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اس ذمہ داری سے جب منہ موڑا گیا، اللہ کے لیے محبت اور اللہ ہی کی خاطر نفرت دلوں سے جب نکالی گئی اور چار دن کی زندگی کی محبت کو آخرت کی دائمی زندگی پر ترجیح دی گئی تو ایسے حکام وافواج ہم پر مسلط ہوگئے جن کا وجود دشمنان امت کی غلامی سے عبارت ہے اور جنہیں مسلط ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اسلام کی بیخ کنی، اہل اسلام کے خلاف جنگ اور دشمنان اسلام کی بندگی کریں۔ آج ان افواج وحکام کی خدمات کا 'ثمرہ' ہے کہ صہیونی شیاطین اس حد تک دنیا میں محفوظ ہوگئے کہ وہ ہماری عزت مآب ماؤں اور بہنوں پر شیر بن رہے ہیں اور یہ بدترین دن بھی امت کو دیکھنا پڑا کہ پانچ مہینوں سے محصور و مجبور ماؤں بہنوں کی دلوں کو چھلنی کرنے والی فریادیں سنائی دے رہی ہیں مگر کوئی نہیں جو حصار توڑ کر اس ظلم کا راستہ روک سکے، بلکہ اس کے برعکس انتہائی درد اور افسوس کی بات یہ ہے کہ جن کا حصار توڑنا اور مدد کرنا امت پر فرض تھا، آج انہی کو محصور رکھنا، ان کے قاتلوں تک امداد پہنچانا اور ان مظلومین کو بھوک وپیاس میں مبتلا رکھ کر اپنے آقاؤں کے سامنے جھکنا امت ہی کے حکام وافواج کے حصے میں آیا اور بے شرمی وبے حیائی اس حد تک پہنچ گئی کہ مصری حکومت صہیونی آقاؤں ہی کے حکم پر مسلمانان غزہ پر قحط مسلط کیے ہوئے ہے مگر امریکہ واسرائیل نے اہل ایمان کے زخموں پر نمک پاشی کی خاطر اس ظلم کو اکیلے مصری فوج کے سر ڈال دیا اور غلامی وگراوٹ کی انتہا دیکھیے کہ مصری صدر نے اس الزام کی تردید نہیں کی بلکہ آقا کے طبع نازک پر ناگوار گزرنے کے خوف سے اس کو بھی قبول کر لیا۔[3]

[1] روس اور یوکرین جنگ میں، کہ جس میں دونوں فریقوں کی طرف سے خطرناک مہلک ہتھیار استعمال ہورہے ہیں، اکیس مہینوں میں پانچ سو بچے ہدف بنے ہیں جبکہ غزہ کی جنگ کے اندر صرف ساڑھے تین ماہ کے اندر چودہ ہزار بچے شہید ہوئے ہیں۔

[2] ابھی تک دولاکھ پچاس ہزار گھر بمباری کا نشانے بنائے گئے ہیں، ایک ہزار مساجد شہید ہوئیں، ۲۶۶ سکول، ۲۶ بڑے ہسپتال اور ۵۵ میڈیکل کلینک بمباری کا نشانہ بنائے گئے ہیں، شہداء کی تعداد آج ۲۶ فروری تک ۳۰ ہزار سے تجاوز کر چکی ہے جبکہ زخمی ۷۵ ہزار سے بڑھ گئے۔

[3] ظلم کی انتہا دیکھیے کہ رفح بارڈر کے ایک پار مصر میں ہزاروں ٹرک خوراکی سامان سے لدے کھڑے، ہفتوں سے غزہ میں داخل ہونے کا انتظار کررہے ہیں، انہیں مصری فوج نے روکا ہوا ہے جبکہ اسی بارڈر / دیوار کی دوسری

انتہائی حساس مرحلہ!

امت کی تاریخ کا یہ مرحلہ دو علیحدہ پہلو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، ایک پہلو انتہائی خوف ناک، آخری حد تک پریشان کن اور درد و کرب سے بھرا ہوا ہے جبکہ دوسرا امید افزا ہے اور اس کو دیکھ کر یہ نازک مرحلہ بھی اہل ایمان کے لیے ایسا فیصلہ کن موڑ بن جاتا ہے کہ یہ انہیں عزم و عمل پر تحریض دیتا ہے اور انہیں ان کی کامیابی کی نوید دیتا ہے۔ جہاں تک اس کی خوفناکی اور فرد و امت کے حق میں خطرناکی کا پہلو ہے تو وہ اب بہت واضح ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ دشمنانِ دین — جن میں صہیونی سرفہرست ہیں؛ نے جس دنیا کے بنانے کی منصوبہ بندی کی تھی اب وہ اُس مرحلے پر آگئی ہے کہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جنگ میں پہلے سیکولرازم اور انسانی حقوق کے نام کے جن نعروں، شعاروں اور اصولوں کو بطورِ آڑ استعمال کیا جاتا تھا اور جن کی چاہتے نہ چاہتے انہیں کسی نہ کسی قدر لاج بھی رکھنی پڑتی تھی، آج ان سہاروں کا لحاظ رکھنے کی انہیں ضرورت نہیں رہی اور اب اہل اسلام کو کچلنا اور اپنے آپ کو کسی قسم کے اصول و اخلاق کا پابند کیے بغیر بے رحمی کے ساتھ اس حد تک انہیں دبانا ان کے لیے ضروری ہو گیا ہے تا کہ وہ مایوس ہو کر، خود ہی اپنے حقوق سے پیچھے ہٹنے میں اپنی عافیت سمجھیں اور دین کے ساتھ لگاؤ، اس پر فخر اور اسے قائم کرنے کے خواب سینوں سے نکال باہر کریں اور انہیں یہ صہیونی عالمی نظام اس حد تک قوی اور ناقابل تسخیر نظر آئے کہ اسی ہی کو بس واحد ایسی زمینی حقیقت سمجھ لیں کہ فتنہ و فساد کی اس کی بھٹی میں چھلانگ لگا کر خود ہی غلامی و رسوائی کو قبول کر لیں۔ گویا یہ مرحلہ پچھلے مراحل سے مختلف ہے۔ اس سے قبل چہروں پر نقاب چڑھائے رکھنا اور اپنے ظلم اور اسلام دشمنی کو خوش نما پردوں کے پیچھے چھپانا لازمی تھا، جبکہ اس نئے مرحلے میں یہ طرزِ عمل ایسا تکلف بن گیا کہ جس کا خیال اگر رکھا جائے تو آگے کے منحوس مقاصد حاصل نہیں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نئے مرحلے میں غزہ کے اندر اور یہاں سے باہر عالم اسلام کے دیگر مناطق میں بھی، جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں ان کا مقصد اس کے سوا کوئی نہیں کہ مسلمانوں کی عزت نفس بالکل ختم ہو جائے، اسرائیل، امریکہ اور ان کے ہم نواؤں کی خدائی کے سامنے مسلمان سجدہ ریز ہو جائیں، انہیں کے ہاتھ میں وہ اپنی زندگی، رزق اور عزت سمجھیں اور فلسطین، پورے جزیرۂ عرب اور باقی عالم اسلام میں بھی شرک و فساد کی حکمرانی کو تسلیم کر لیں؛ ایسا ہو گا تو پھر جب مسجدِ اقصیٰ کو مسمار کر کے اس کی جگہ یہ اپنا ہیکل (مندر) کھڑا کریں گے، تو اتنی بھی کوئی مزاحمت نہ کر سکے گا جتنی کہ بابری مسجد کی جگہ پر رام مندر تعمیر کرتے وقت مسلمانانِ ہند نے کی۔

کٹائی صرف سروں کی نہیں!

اس منحوس منزل تک راستہ یا ماحول ہموار کرنے کے لیے کٹائی صرف سروں کی نہیں ہو رہی ہے، بلکہ اس سے زیادہ خطرناک دلوں کے اندر ایمان کی کٹائی بھی جاری ہے جو زیادہ مؤثر بھی ہے اور انتہائی پریشان کن بھی۔ اس جنگ میں بھی ان کے دست و بازو کا کردار عالم اسلام پر مسلط ان کے اُن غلاموں کا ہے جنہوں نے ظلم و جبر اور دجل و فریب پر مبنی اپنے نظام اس حد تک اب قوی کر دیے ہیں کہ بے خوفی اور ڈھٹائی کے ساتھ اپنے آقاؤں کی ہر ہر آرزو آج پوری کر رہے ہیں۔ زمین پر ان کی فتوحات دیکھیے کہ عین اس وقت جب غزہ کے اندر یہ بدترین مظالم ڈھائے جا رہے تھے اور دنیا بھر کے اہل ایمان کے دل غزہ کے ساتھ دھڑک رہے تھے اس وقت نزول وحی کی سرزمین، جزیرۂ عرب میں ہندوؤں کے ایسے پر شکوہ مندر کا افتتاح کیا جا رہا تھا کہ متحدہ عرب امارات کی حکومت کے مطابق پورے مشرقِ وسطیٰ میں اس جیسا بڑا مندر کہیں نہیں ہو گا جبکہ انہی ایام میں غزہ کے بالکل قریب پڑوس میں، مصری حکومت کی طرف سے ایک بہت بڑے یہودی عبادت خانے کا افتتاح کیا گیا۔ اسی طرح انہی دنوں جب غزہ کے اہل ایمان کو اپنے شہداء دفنانے تک کی فرصت نہیں دی جا رہی تھی اور گلی کوچوں اور ہسپتالوں میں شہداء بے گور و کفن پڑے تھے، سعودیہ اور دبئی میں حکومتی سرپرستی میں صہیونی فاحشاؤں کو لا کر ناچ گانے کے کنسرٹ منعقد کیے گئے اور ان میں اسرائیلیوں کے قومی گانے گائے گئے۔ اللہ کے دین سے یہ ساری بغاوتیں اور اسلام کو سرزمین اسلام سے نکالنے کی یہ نمائشیں تو بڑی بے باکی اور بے شرمی کے ساتھ منعقد کی گئیں مگر دوسری جانب صہیونی جرائم کے خلاف احتجاج تک پر پابندی لگائی گئی ہے اور امت محمد ﷺ پر یہ دن بھی آیا کہ کفریہ ممالک میں تو غزہ کے مظلومین کے حق میں مظاہرے ہوئے مگر سعودیہ، مصر اور عرب امارات میں اس قسم کی سرگرمیوں پر پابندی کے سبب کوئی ایک مظاہرہ بھی نہیں ہوا۔ حکام عرب کی طرف سے غزہ کی جنگ و محاصرے میں جو کردار ادا کیا گیا، یہ صرف اس کا اظہار نہیں ہے کہ یہ صہیونیوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑے شریکِ جنگ ہیں بلکہ اس نے یہ بھی واضح کیا کہ صہیونی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں انہیں مسلمان عوام کی طرف سے ایسی کسی مزاحمت کا خوف نہیں کہ جس کا انتظام انہوں نے پہلے سے نہ کر رکھا ہو۔

امت کا ایمانی روحانی وجود ہدف ہے!

اس مرحلے میں اسلام سیاسی و فکری طور پر صرف ہدف نہیں ہے کہ اس لحاظ سے انہیں کسی بہت بڑی غیر معمولی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا ہے، جہادی تحریک کے خلاف جاری جنگ کے نتیجے میں وہ اپنے زعم میں اس خطرے کو ایک خاص حد تک قابو کر چکے ہیں، اس لیے

طرف، غزہ میں انتہائی چھوٹے سے علاقے رفح میں سترہ لاکھ مسلمان بھوک سے باقاعدہ تڑپ رہے ہیں اور سیکڑوں بچے بھوک ہی کے سبب شہید بھی ہو چکے ہیں۔

موجودہ مرحلے میں اس جنگ کا بنیادی ہدف معاشرتی سطح پر اسلام کا ایمانی اور روحانی وجود ختم کرنا ہے کہ اسی سے سیاسی وفکری غلبے کو تقویت ملتی ہے اور یہی مقصد ہے کہ جس کے لیے حرمین شریفین کی زمین میں فسق وفجور اور فحاشی و عریانی کو عرصہ دراز سے باقاعدہ حکومتی سرپرستی میں انتہائی منظم انداز سے فروغ دیا جارہا ہے۔ اسی طرح حرم شریف اور روضۂ رسول ﷺ تک بھی یہود وہنود کی نجس رسائی آسان کی گئی اور انہیں اجازت دی گئی ہے کہ وہ حدود حرم میں دکانیں اور مارکیٹیں لے کر کاروبار کریں۔ ان کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ارض حرمین میں ایک طرف بے حیائی کے مظاہر انتہائی سرعت کے ساتھ پھیل رہے ہیں جبکہ دوسری طرف مساجد کے اندر تلاوت واعتکاف تک پر پابندیاں لگائی جارہی ہیں۔

صہیونی عزائم

غرض قتل عام وتباہی اور ظلم وجبر میں یہ جتنے بے خوف اور بے باک ہوگئے ہیں وہ غزہ میں نظر آیا؛ ہندوستان میں اس کی تیاری آخری مراحل میں ہے اور اس کی ریہرسل عرصہ سے جاری ہے جبکہ عالم اسلام میں حکام وافواج کی صورت میں ان کی ٹھونکی گئی میخوں کے باعث امت کی بے بسی یا بے حسی سے بھی انہیں مزید اطمینان ہوگیا ہے؛ نیز معاشرتی اور ثقافتی تباہی کی صورت میں ایمانی وروحانی تباہی کے میدان میں جو فتوحات انہیں مل رہی ہیں، اس سب سے لگ رہا ہے کہ آنے والے ایام میں صہیونی مزید زور لگائیں گے اور جنگ کے ان دونوں میادین میں تیزی لانے کی کوشش کریں گے۔ المناک یہ ہے کہ جس منزل تک پہنچنے کے لیے یہ سب کچھ کیا جارہا ہے، وہ کوئی خفیہ ایجنڈا نہیں بلکہ ان کا اعلانیہ مقصد ہے اور ہمارے حق میں انتہائی خطرناک ہے، اس کے ہوجانے کے خدشہ سے ہی مجاہدینِ فلسطین نے طوفان اقصیٰ برپا کیا؛ یہ مقصد مسجدِ اقصی کی مسماری اور اس کی جگہ یہودی مندر کی تعمیر ہے، خاکم بدہن، اگر مسجد اقصی کو کچھ ہوگیا، اس بدترین قیامت کا دیکھنا بھی ہماری غفلت اور اعمالِ بد کے باعث اگر امت کے حصے میں آگیا (والعیاذ باللہ) تو پھر تصور کیجیے کہ ہم مسلمانوں کا دنیا میں کیا حشر ہوگا اور آخرت میں ہم اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے؟ یہ سب سوچ کر معمولی ایمان رکھنے والے کا دل وروح بھی کانپ جاتی ہے۔ یہ باتیں مبالغہ نہیں کہ جنہیں ناممکنات سمجھ کر نظر انداز کیا جاسکے، غزہ میں جو کچھ ہوتا ہوا امت نے بلا رکاوٹ ڈالے دیکھ لیا، کیا آج سے صرف چند سال پہلے اس کا تصور کیا جاسکتا تھا؟ ایمان وکفر کی سرحدات ختم کرنے کے لیے عالم عرب و اسلام کے گلی کوچوں میں جو کچھ کروایا جارہا ہے کیا یہ سب کچھ دیکھ کر بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ باتیں بعید از قیاس ہیں؟

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے

واقعہ یہ ہے کہ ہم اہل ایمان اپنی حقیقت سے غافل ہیں مگر یہود وہنود اور ان کے ہم رکاب عبادِ صلیب اس امت کی اہمیت سے بے خبر نہیں۔ اس کرۂ ارض پر وہ کسی مسلمان کو اس کے ایمان کی حقیقت سمیت برداشت نہیں کرسکتے ہیں، اس لیے کہ اس کے ایمان اور اس کے دین کو ہی وہ اپنی شیطانی دنیا کے لیے خطرہ تصور کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ امتِ خیر کی بنیادی صفت اور اہم ذمہ داری امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ ہے اور ان کی اپنی کتابوں سے بھی واضح ہے کہ اسلام نے بالآخر ان کے فتنہ وفساد کو ختم کرنا ہے۔ پھر جس طرح فرعون کو اس کے کاہنوں نے بتادیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے سبب اس کی بادشاہی تباہ ہوگی، مگر اس کے باوجود بھی وہ آخری حد تک اپنی اُس تباہی کو روکنے کی کوشش کرتا رہا اور اس کے لیے ہزاروں لاکھوں بچوں کو اس نے خون میں نہلایا...... بالکل اسی طرح عصرِ حاضر کے ان صہیونیوں کو اس امت کی حقانیت اور اس دین میں موجود اُس طاقت کا علم ہے جو ان کے ظلم وظلمات کی تباہی کا پیش خیمہ بنے گی، مگر اس کے باوجود یہ تسلیم ہونے والے نہیں بلکہ انہوں نے اہل ایمان کے خون کے دریا بہانا اور ان کے لیے دین وعزت کے ساتھ زمین پر چلنا ناممکن بنانا اپنا اولین ہدف بنایا ہوا ہے اور یہی وہ مقصد ہے کہ جس کے لیے واشنگٹن سے لندن اور دہلی سے تل ابیب تک سب دشمنان خدا متفق ومتحد ایک لشکر بن کر ایک ہی منصوبے پر انتہائی عرق ریزی اور جامعیت (sophistication) کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ شیطان انہیں اُسی طرح کامیابی کی امید دلاتا ہے جس طرح ابوجہل کے لشکر کو آخری وقت تک حوصلہ وامید دلاتا رہا۔ پھر ایسے وسائل وہتھیار ان کے پاس ہیں اور قوت واختیار میں ایسی وسعت وتاثیر بھی اللہ نے انہیں دے دی ہے کہ انہیں بہت حد تک امید ہے کہ وہ اس نور کو بجھالیں گے، مسجد اقصی کو مسمار کرلیں گے، نیل سے فرات تک گریٹر اسرائیل بنادیں گے اور عالم عرب سے لے کر برصغیر اور پوری دنیا میں وہ شیطانی حکومت قائم کرلیں گے کہ جس کا خواب ان بندگان شیطان کو ان کے شیاطین نے کتابوں میں تحریف کرواکر سمجھادیا ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ

حالات کا یہ رُخ، اس انداز سے دیکھنا ڈراونا ہے کہ اس میں دین ودنیا دونوں کے لیے خطرہ ہی خطرہ ہے اور ہونے کے لحاظ سے اب ایسا بعید از حقیقت بھی نہیں کہ واقعات سے یہ بات عیاں ہے کہ اس کے لیے کس حد تک جامع تیاری کی گئی ہے اور کس طرح ایک ایک رکاوٹ ومزاحمت کو غیر مؤثر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مگر یہ واحد اور بالکل اٹل حقیقت نہیں بلکہ ایک دوسری حقیقت بھی ہے، دیکھنے کا ایک دوسرا زاویہ، تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہے اور اس کو دیکھنے سے اللہ کے اذن سے دلوں میں ایمان بڑھتا ہے۔ بس یہ دیکھنے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ ہم واقعی اہل ایمان ہوں اور اللہ کے ساتھ اپنی جان ومال کا صحیح معنوں میں سودا کرنے والے ہوں، اس لیے کہ اس پہلو سے دیکھیے تو صرف وہ افراد ہی اس خطرناک فتنے میں محفوظ رہ پائیں گے جنہیں جان، مال، اولاد اور دنیا ومافیہا سے زیادہ اپنے ایمان وآخرت کی فکر ہو، جو اللہ کو راضی کرنا اپنا مقصد وہدف رکھتے ہوں، پھر اس کے لیے عزم وعمل اپنا راستہ سمجھتے ہوں اور قدم

قدم پر وہ صفات اپنے اندر ڈالنے کا تہیہ رکھتے ہوں جو سورۂ عصر نے ایمان و عمل صالح کے بعد وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر سے تعبیر کی ہیں۔

ایمان افروز مرحلہ

رحمانی حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اس مرحلے میں اہل ایمان پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں اگر انہیں بہر صورت اٹھانے کا تہیہ کر لیا جائے، اللہ سے اس فرض کی ادائیگی میں مدد و نصرت مانگ کر، اس پر توکل کے ساتھ میدان عمل میں اترا جائے تو یقین جانیے کہ یہ مرحلہ خوفناک سے زیادہ ایمان افروز ثابت ہو گا، یہ غم و خوف کے باعث بیٹھنے، گرنے اور ذلت و رسوائی کے ساتھ ایمان کے بغیر چلے جانے کی بجائے ایمان کی حفاظت کے لیے اٹھنے اور آخری دم تک لڑنے کی تحریض دیتا ہے، بلکہ یہ، یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ نفوس و ارواح خوش نصیب ہیں جنہیں امت محمد ﷺ کو در پیش اس نازک وقت میں دین متین پر عمل اور اس کی نصرت کے لیے رب کریم نے موقع دیا ہے اور اپنے عباد و جنود میں شامل کر کے بندگانِ خدا کی ہدایت و نصرت اور تاریخ کے بدترین مجرموں کا تکبر و غرور خاک میں ملانے کے عظیم کام میں حصہ ڈالنے کے لیے چن لیا ہے۔ جب عزم ہو کہ ایمان کے ساتھ اس دنیا سے جانا ہے، ایمانی مطالبات پورا کرنے کے لیے بہر صورت کھڑا رہنا ہے اور اس راہ میں جو بھی پیش آئے گا پیچھے نہیں ہٹوں گا، نشیب کی طرف نہیں دیکھوں گا بلکہ اللہ کو اپنا آپ سپرد کر کے اس سے مدد مانگوں گا، بندے کے ذمہ اطاعت و سپردگی ہے، چلتے رہنے کا عزم و کوشش ہے اور اسی کا اللہ سے وعدہ کیا جائے، عزم ہو کہ اس عہد کو نبھاؤں گا، پھر اللہ جہاں رکھے جیسے رکھے یقین ہو کہ اسی میں میرے لیے خیر ہو گی...... ساتھ یہ امید و دعا بھی ہو گی کہ اللہ نفس و شیطان اور بندگان شیطان کے حوالے نہیں کرے گا بلکہ قدم قدم پر نصرت و محبت سے نوازے گا...... جب یہ ایمان و یقین اور یہ آس و امید دل میں بسائی اور اتاری جائے تو پھر صہیونیوں کے ظلم و جبر میں یہ بے باکی، آخری حد تک یہ درندگی اور اہل ایمان کا دنیا بھر میں یہ ضعف، بے بسی اور آہ و زاری، یہ سب دیکھ کر ایسی مایوسی نہیں آئے گی جو خوف اور بے عملی کو جنم دے اور دنیا و آخرت کی ناکامی اور تباہی کا باعث ہو جائے بلکہ یہ سب پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ اٹھنے اور مقابلہ کرنے پر ابھاریں گے، اس لیے کہ اللہ کی کتاب بتاتی ہے کہ دشمنان اسلام اسلام کے خلاف جس سطح کی بھی جنگ کر رہے ہیں یہ اللہ کی بادشاہی سے باہر نکل کر نہیں کر رہے ہیں ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ﴾ ”اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے“، یہ سب اللہ کی مشیت سے ہو رہا ہے اور اس سارے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ ایک طرف ان شیاطین کی خباثت و بدبختی کھول کر رکھ دے، اور دوسری طرف اہل ایمان کا امتحان لے کہ کون حق کی نصرت کرتا ہے اور کون اللہ کے بجائے غیر اللہ کی ترہیب و ترغیب دیکھ کر راہ حق چھوڑ دیتا ہے؛ ﴿وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ﴾ ”اگر اللہ چاہتا تو خود ان سے انتقام لے لیتا، لیکن (تمہیں یہ حکم اس لیے دیا ہے) تاکہ تمہارا ایک دوسرے کے ذریعے امتحان لے“۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے چودہ سو سال پہلے اعلان کیا ہے کہ وہ دین اسلام کے اس نور کو پورا کر کے رہے گا، چاہے کافر اس کو ختم کرنے کے لیے جتنی بھی کوشش کریں؛ فرمایا:

﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (سورۃ التوبۃ: ۳۲)

”یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں، حالانکہ اللہ کو اپنے نور کی تکمیل کے سوا ہر بات نامنظور ہے، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بری لگے۔“

اللہ رب العزت کا اعلان ہے:

﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ○ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ○ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (سورۃ الصافات: ۱۷۱ تا ۱۷۳)

”اور ہمارا (یہ) قول ہمارے بندگان مرسل کے لیے پہلے سے مقرر ہو چکا ہے کہ بے شک غالب وہی کیے جائیں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان کو خوش خبری دی ہے کہ اس دین کی نصرت کرنے والا ایک گروہ ہمیشہ رہے گا، دشمن کی قوت و طاقت اور اپنوں کا انہیں چھوڑ جانا، یہ ان پر اثر نہیں کرے گا، وہ غالب ہو گا، کوئی اس کو ختم نہیں کر پائے گا، یہاں تک کہ قیامت آ جائے، فرماتے ہیں:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي قَائِمَةً بِأَمْرِ اللهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ عَلَى النَّاسِ (صحیح مسلم)

”میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم کو قائم کرتی رہے گی؛ جو ان کو بے یار و مددگار چھوڑنا چاہے گا یا مخالفت کرے گا، ان کا کچھ بھی نقصان نہ کر سکے گا اور وہ لوگوں پر غالب رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم (یعنی قیامت) آ جائے۔“

مگر ان تمام بشارتوں کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۱۴)

”کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے تھے، انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور ہلامارے گئے، یہاں تک کہ کہنے لگے رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے، کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ جان لو! اللہ کی مدد قریب ہے۔“

گویا اللہ نے اپنے دین کو غالب کرنے اور دائمی جنتوں میں بسانے کے لیے جن عباد الرحمان کا انتخاب کرنا ہے، اللہ چاہتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی نظر و دل کا مرکز مکمل طور پر اللہ بن جائے، اسی کی خاطر وہ کھڑا رہے اور اسی کے لیے دکھ و غم وہ برداشت کرے، آزمائشوں کے ایسے پہاڑ ان پر توڑے جاتے ہیں کہ ان میں موجود اعلیٰ ترین اور بہترین افراد بھی مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ کہہ کر چیخ اٹھتے ہیں اور ایسی ہی حالت کے بعد جب ہر طرف مایوسی ڈیرے ڈالنے والی ہوتی ہے، اللہ زبان حال سے فرما دیتا ہے: أَلَآ إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيبٌ!

پھر قابل توجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کو اللہ نے آزمائش والی یہ آیات نازل فرما کر بتا دیا تھا کہ تم پر یہ حالت آئے گی اور پھر جب وہ وقت آیا، سختی آگئی، اسلام و مسلمانوں کا وجود خطرے میں پڑ گیا، تو جو ظاہر بین تھے، اسباب و ظواہر کے جو اسیر منافقین تھے، انہوں نے کہا ﴿مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُۥٓ إِلَّا غُرُورًا﴾ ”اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں“، مگر جن کا ایمان اللہ پر تھا، ان کا ایمان بڑھ گیا اور وہ پکار اٹھے:

﴿هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُۥ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُۥ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّآ إِيمَٰنًا وَتَسْلِيمًا﴾

”یہ تو وہی چیز پیش آئی جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کر رکھا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسول نے بالکل سچ کہا۔ اور اس چیز نے ان کے ایمان و اطاعت ہی میں اضافہ کیا“۔

اسی کا اللہ نے وعدہ کیا تھا!

دشمن کی طاقت، حق کے خلاف دشمن کے منصوبوں و حملوں کو دیکھ کر صحابہ کرام کا ایمان بڑھتا تھا، وہ نئے عزم اور قوی ایمان کے ساتھ میدان عمل میں اتر جاتے تھے اور اس یقین کے ساتھ ڈٹ جاتے تھے کہ اللہ کی نصرت جلد یا بدیر آ کر رہے گی۔ امت کے ہر فرد، ہر مومن کو حالیہ آزمائشوں کو بھی اسی نگاہ سے دیکھنا چاہیے اور یہی طرز عمل اپنانا چاہیے، اس لیے بھی کہ ان آزمائشوں کے متعلق بھی قرآن و احادیث خاموش نہیں ہیں۔ آج جو کچھ ہو رہا ہے، اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث اٹھا کر جب ایک مومن دیکھتا ہے تو بہتی آنکھوں اور کٹتے دل کے ساتھ بھی وہ بول اٹھتا ہے کہ ﴿هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُۥ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُۥ﴾، وہ دیکھتا ہے کہ عین وہی ہو رہا ہے جو چودہ سو سال پہلے ہمیں بتایا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

يُوشِكُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمُ الْأُمَمُ كَمَا تَدَاعَى الْقَوْمُ إِلَى قَصْعَتِهِمْ، ”وہ وقت آنے والا ہے کہ (کافر) قومیں (تم کو مٹانے کی غرض سے) ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جس طرح کھانے والے ایک دوسرے کو پیالے کی طرف بلاتے ہیں“، فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ کہنے والے نے کہا: ”کیا اس دن ہماری قلتِ تعداد کی وجہ سے ایسا ہوگا؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا! وَلَكِنَّهُ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ، ”نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے قلوب سے تمہارا رعب نکال دیں گے، اور تمہارے قلوب میں وہن (ایک طرح کا ضعف اور سستی) ڈال دیں گے“، قَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الْوَهَنُ؟ ”کسی نے عرض کیا: ”حضور! یہ وہن کیا چیز ہے؟“ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَ كَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ! فرمایا: ”دنیا کی محبت اور موت سے بے زاری و نفرت!“[4]۔ نیز ایک دوسری روایت میں ہے کہ حُبُّكُمُ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَتُكُمُ الْقِتَالَ[5]، ”دنیا کی محبت اور قتال سے بے زاری و نفرت“۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ہمیں خبر دی تھی کہ:

إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ (سنن ابی داود)

”جب تم بیع العینہ کرنے لگو گے اور گائے بیل کی دُمیں پکڑے رہو گے اور کھیتوں پر خوش رہو گے اور جہاد کو ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ذلت طاری کر دے گا؛ یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ۔“

علَم کبھی گرے گا نہیں!

گویا آپ ﷺ نے امت کی ذلت و پستی کی آخری کھائی دکھا دی ہے کہ اس میں تم نے گرنا ہے اور گرنے کے اسباب بیان کر کے یہ بھی بتا دیا کہ اس سے نکلنے کا راستہ کیا ہے۔ پھر اللہ کا فضل ہے، احسان ہے کہ ایسا بھی نہیں کہ صرف تم تنہا ہو گے اور کوئی دوسرا نہیں جس نے اندھیروں کے خلاف اٹھ کر جنگ لڑنی ہے...... اگرچہ اکیلے تنہا بھی...... اگر اللہ کی رضا و تائید ساتھ ہو...... نصرتِ دین کی سعادت کوئی کم خوش نصیبی نہیں، مگر دل کی خواہش ہوتی ہے کہ حق کا قافلہ کبھی رکے نہیں، دین و جہاد کا جھنڈا کبھی گرے نہیں اور دشمنان دین کو کبھی اس قافلۂ خیر کو ختم کرنے کا موقع نہ ملے تو یہ اطمینان بھی نبی کریم ﷺ نے دلا دیا کہ دشمنان دین جتنا بھی اس جہاد کو ختم کرنا چاہیں گے، یہ ختم نہیں ہوگا! وہ اسے محدود کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ

[4] أبوداود والبيهقي في دلائل النبوة/ مشكوة

[5] مسند أحمد

مزید پھیلے گا؛ اسے دبائیں گے یہ ابھرے گا، کسی کے چھوڑ جانے، اس کی مدد و تائید سے ہاتھ کھینچ لینے یا اس کی مخالفت کرنے اور اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے سے بھی کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ ،اس کی دعوت مرے گی نہیں زندہ رہے گی، یہ غالب رہے گا اور آگے بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے اور فتنہ وفساد ختم ہو کر پوری دنیا میں اللہ وحدہ لاشریک کی حاکمیت قائم ہو جائے۔

وقت بیٹھنے کا نہیں کھڑے ہونے کا ہے!

یہ دیکھ کر اپنے حال و مستقبل کے لیے فکر مند شخص مایوس نہیں ہوتا، اس کے دل میں حوصلہ بڑھتا ہے، امید بڑھتی ہے کہ حالات چاہے جیسے بھی ہوں مگر اللہ کی رحمت کا دامن تھاما جائے، اس کی محبت حاصل کرنے اور اس کے مستحق بننے کی سعی کی جائے، جہاد و قتال کے اُن میادین میں اترا جائے جن میں اترنا عرصہ دراز سے فرض عین ہو چکا ہے...... تو یہی نازک صورتِ حال کامیابی و کامرانی اور نصرتِ امت اور قربت الٰہی کا سنہری موقع ثابت ہو گی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، ''جتنی آزمائش بڑی ہوتی ہے اتنا اس کا اجر زیادہ ہوتا ہے''، اور آپ ﷺ نے فرمایا: عِبَادَةٌ فِي الهَرْجِ وَالْفِتْنَةِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ[6]، یعنی ''مصیبت اور فتنے میں عبادت میری طرف ہجرت کے مترادف ہے''۔ سبحان اللہ! یہ حدیث بتاتی ہے کہ جس نے فتنوں اور مصائب کے طوفانوں میں اللہ کی عبادت کا دامن تھامے رکھا، جہاد و قتال کا راستہ نہیں چھوڑا، اللہ نے جو طاقت، صلاحیت اور مواقع دیے انہیں مسلمانوں کی خیر وصلاح اور دفاع و نصرت میں لگا لیا، تو چاہے جس قدر بھی مصائب و فتن ہوں، انہیں اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کی قربت اور درجات میں بلندی کا سبب اللہ بنائیں گے، اس کا اجر اُن سے زیادہ ہو گا جنھوں نے یہ درد، غم اور امت مظلومہ کی یہ کلیجے پھاڑ ڈالنے والی صورت حال نہ دیکھی ہو...... پس یہ وقت دل پکڑ کر بیٹھنے کا نہیں بلکہ کھڑے ہونے اور کھڑے رہنے کا ہے؛ بے کاری اور مایوسی کا نہیں، عزم و عمل، دعوت و قتال اور صبر وثبات کا ہے اور اس یقین کے ساتھ میدان میں اترنے کا ہے کہ میری کوشش واخلاص ضائع نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ میرا اشار اُن خوش نصیبوں کے ساتھ کرے گا جن کی تشکیل و تیاری، جہاد و قتال اور آگے بڑھنے سے ہی ذلت و آزمائش کی یہ رات ختم ہو گی اور جن کے ساتھ اللہ رب العزت نے اپنے رضوان اور دائمی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے۔

امت مسلمہ کے خطرناک بدخواہ

محترم بھائیو! موجودہ حالات کے تناظر میں ایک موضوع ایسا ہے کہ جس پر تذکیراً کچھ عرض کرنا ضروری لگ رہا ہے۔ حدیث میں امت مسلمہ کی مغلوبیت اور اس کی ذلت و رسوائی کا سبب اوپر ذکر ہوا۔ یہی سبب متعدد آیاتِ قرآن میں بھی اللہ نے مختلف پیرایوں میں یاد کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اگر اس بیماری سے چھٹکارا نہیں پاؤ گے تو دو سزاؤں کے لیے تیار رہو؛ دردناک عذاب اور استبدال؛ یعنی تمہاری جگہ کسی اور کو لایا جائے گا! پھر اہل ایمان میں سے جن اقوام کو اٹھا کر اللہ نصرت دین کا موقع دیں گے اور عزت و قوت سے نوازیں گے ان کی صفات بھی اللہ نے بیان کی ہیں جن میں اہم صفات اللہ کے ساتھ محبت اور دنیا کی پرواہ کیے بغیر جہاد فی سبیل اللہ ہیں۔

پس جب اللہ کی کتاب اور آپ ﷺ کی سنت و سیرت بہت ہی جلی اور واضح انداز میں بتاتی ہیں کہ امت محمد یہ ﷺ کی رسوائی، زوال اور مغلوبیت کا سبب 'وہن' ہے، دنیا کی محبت اور جہاد و قتال سے نفرت ہے، ایسے میں جو لوگ امت محمد ﷺ کو اس بیماری میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں اور جن کے علم و ہنر اور سعی و مہم کا مقصد ہی یہ ہو کہ کیسے نوجوانان امت کے دلوں میں دنیا کی محبت اور جہاد سے نفرت پیدا کی جائے، وہ کس قدر بدنصیب اور امت مرحومہ کے حق میں کس حد خطرناک ہوں گے! دوسری طرف، جو اس بیماری سے امت کو نکالنے کے لیے قربانی دیں گے وہ اس امت کے حق میں کس حد تک عظیم رحمت ثابت ہوں گے اور ہماری طرف سے کس قدر محبت، عزت اور مدد و نصرت کے مستحق قرار پائیں گے۔ اور بڑی بات یہ کہ وہ اللہ کے ہاں کس حد تک عظیم مقام کے حامل ہوں گے۔ پھر جب اللہ کے ہاں وہ محبوب ہوں گے تو وہ لوگ پھر کس حد تک بدنصیب اور عزت و شرف سے عاری ہوں گے جو ایسے عظیم الشان اللہ کے اولیاء کے خلاف دلوں میں نفرت و حقارت بٹھاتے ہوں۔

مجاہدینِ غزہ کا اصل کارنامہ

مجاہدین غزہ امت کے محسن ہیں، یہ مجاہدین اور غزہ کے عوام پورے عالم اسلام کے لیے نمونہ عمل ہیں؛ یہ اس لیے بھی عظیم اور آخری حد تک لائق احترام ہیں کہ یہ جانتے تھے کہ اسرائیل کیا ہے اور امریکہ کی کتنی طاقت ہے، انہیں ان دونوں کی اسلام دشمنی اور تکبر کا بھی یقین تھا، یہ بھی معلوم تھا کہ امت مسلمہ کے رگ وپے میں کس طرح وہن کی بیماری سرایت کر گئی ہے اور ہمارے حکام وافواج کا بھی انہیں ادراک تھا کہ یہ ذلت و رسوائی کی آخری حد کو پار کرتے ہوئے صہیونیوں سے بڑھ کر صہیونی ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ اسرائیلیوں پر نائن الیون کریں گے تو اس کی کیا قیمت چکانی پڑے گی؛ دشمن کیا ردعمل دکھائے گا اور کہاں کہاں سے کون ان کی طرف آنے والی مدد روکے گا۔ اس سب کچھ کا انہیں اندازہ تھا اور کیوں نہ ہو تا کہ اس دشمن کی درندگی وہ پوری زندگی سہتے آئے تھے۔ مگر اس سب کے باوجود انہیں یہ بھی علم تھا کہ جہاد فرض عین ہے، اور مسجدِ اقصیٰ کی آزادی اور اسرائیل کو اپنی زمین سے نکالنے کے لیے یہ جہاد اگر ابھی نہیں ہوا، تو پھر کبھی نہیں ہو سکے گا۔ انہیں فلسطین کے اندر وباہر، پورے جزیرہ عرب میں جہاد و مزاحمت بلکہ ایمان و اسلام کو ختم کرنے کی وسیع اور مؤثر جنگ آنکھوں سے نظر آرہی تھی...... ایسے میں انہیں کیا کرنا چاہیے تھا؟ شریعت انہیں کیا راستہ بتاتی ہے؟ یہی کہ جتنی

[6] المعجم الصغير

استطاعت ہو، اور جس قدر ممکن ہو اچھی تیاری کی جائے اور پھر دشمن پر حملہ کیا جائے، اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ اللہ کا یہ حکم انہیں مخاطب ہے کہ:

﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا﴾ (سورۃ النساء: ۸۴)

”لہٰذا (اے پیغمبر) تم اللہ کے راستے میں جنگ کرو، تم پر اپنے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہاں مومنوں کو ترغیب دیتے رہو، کچھ بعید نہیں کہ اللہ کافروں کی جنگ کا زور توڑ دے۔ اور اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست ہے اور اس کی سزا بڑی سخت۔“

یہی کچھ مجاہدین غزہ نے کیا؛ انہوں نے امت کی بیداری کے لیے اپنی خوشیاں دفن کر دیں اور اللہ کے دشمنوں پر ایسی ضربیں لگائیں کہ جو ان کی تاریخ میں کبھی انہیں نہیں لگی تھیں اور اس انداز سے ان کے سروں پر یہ ایمانی کلے برسے کہ ریاستِ شیطان کا مستقبل خود اس کی قیادت کے سامنے عین الیقین حد تک تاریک نظر آیا، اور پھر جس استقامت و اولوالعزمی کے ساتھ پانچ ماہ انہوں نے مقابلہ کیا اور ابھی تک کر رہے ہیں، دنیا کی سب سے بڑی طاقت صہیونی اتحاد کے مقابل چند سو مجاہدین نے جو استقامت اور شجاعت دکھادی، اس سے نہ صرف یہ کہ کفارِ عالم کے سامنے دین اسلام کی عظمت اور اہل اسلام کی بڑائی و کرامت واضح ہوئی بلکہ اس سے امت محمد ﷺ کو بھی نشیب سے فراز کا راستہ دکھائی دیا اور جس بیماری سے شفایابی کی اس مریض امت کو ضرورت تھی اہل غزہ نے خون دے کر اور کلیوں جیسے معصوم خوبصورت بچے قبر میں دفنا کر اس کا انتظام کیا۔

غزہ امت کے لیے نصائح واسباق اور تحریض وترغیب کی پوری داستان لیے ہوئے ہے؛ اپنے پیاروں کے کفن میں ملفوف لاشوں کے سامنے ان کی زبان سے حسبنا اللہ و نعم الوکیل جب سنا گیا تو دیکھنے والوں کو دین اسلام کی حقیقت نظر آئی، اور ایمان و صبر کے یہ پیکر دیکھ کر کتنے سارے کفار کو قرآن عظیم الشان کھولنے کی دعوت مل گئی، انہوں نے ڈھونڈا کہ وہ کیا چیز ہے کہ سب کچھ سے محروم ہو کر بھی یہ محروم نہیں، اور اتنی بڑی آزمائش سے گزر کر بھی وہ جھکنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ پہاڑوں کی طرح جم کر کھڑے اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔ یہ سب دیکھنا تھا کہ مغرب میں چند مہینوں کے اندر ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اس سے کہیں زیادہ نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا۔

پھر بڑی بات یہ ہے کہ اہل غزہ کے صبر و جہاد کی بدولت رسول اللہ ﷺ کے کتنے ایسے امتی ہیں کہ جن کے سامنے حق وباطل واضح ہوا، دینِ اسلام کی نصرت کا غم و فکر ان کے قلوب میں پیدا ہوا اور بڑی بات یہ کہ ان کے دلوں سے وہن کی بیماری نکل گئی اور اللہ نے انہیں جہاد و شہادت کی محبت عطا کر دی ...... یہ مجاہدین فلسطین کی ایسی بڑی کامیابی ہے کہ جو دیگر تمام کامیابیوں کے اوپر بھاری ہے، اس لیے کہ جس بیماری نے امت کو اپاہج کر رکھا تھا اور جس کے باعث اس پر حقیر ترین اور غلیظ ترین مخلوق مسلط ہو گئی ہے، مجاہدین غزہ نے عین اسی بیماری کا علاج مہیا کیا۔

برطانوی میگزین 'The Economist' میں 'A religious revolution is under way in the Middle East' کے عنوان سے ایک مضمون نشر ہوا؛ مضمون نگار نے لکھا: جزیرۂ عرب کی معاشرت تبدیل کرنے کے لیے بڑی محنت کی گئی، اس کے نتائج کھلی آنکھوں سے دکھائی دے رہے ہیں؛ طلاقوں کی تعداد میں اضافہ اور غیر قانونی جنسی تعلقات کا تناسب مغربی ممالک سے بھی تجاوز کر چکا اور نظر آرہا تھا کہ دینی تحریکات اپنی موت آپ مر رہی تھیں مگر طوفان اقصیٰ کے باعث دینی تحریکات کو نشاۃ ثانیہ کا موقع مل گیا اور نوجوان پھر سے دین و جہاد کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ یہ رپورٹ بھی بتا رہی ہے کہ امت محمد کی تباہی کا جو 'وائرس' امت میں عام ہو چکا تھا اہل غزہ نے اس کا علاج اپنے جنازے اٹھوا کر اور پورا غزہ ملبے میں تبدیل کروا کر فراہم کر دیا۔

کیا مجاہدین غزہ بھی قصوروار ہیں؟

یہ تفصیل اس لیے عرض کرنی پڑی کہ بعض دل کے مریض اہل غزہ کی آزمائش دیکھ کر مجاہدین غزہ کو الزام دینے لگے ہیں؛ 'فرماتے' ہیں جب حماس کو دشمن کی قوت و غضب کا اندازہ تھا اور اسرائیل کے مقابل اپنی کمزوری بھی ان کی نظر میں تھی تو پھر کیوں اسرائیل پر حملہ کیا؟! کہتے ہیں: غزہ کی تباہی کا ذمہ دار صرف اسرائیل نہیں، حماس بھی اس میں برابر شریک ہے! ...... یہ باتیں کوئی پہلی دفعہ نہیں ہوئیں، یہ تب بھی ہوئی تھیں جب غزوہ احد میں صحابہ کرام شہید ہوئے تھے، کہا گیا تھا: ﴿لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا﴾، ”ہماری بات مانتے تو کبھی اس طرح نہ مارے جاتے“! اللہ نے مومنین کی طرف سے جواب دیا کہ یہ موت سے بچنے کو کارنامہ سمجھتے ہیں؟ ﴿قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾۔ ”کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال دینا“۔

اس وقت بھی اس طرح کی باتیں ہوئی تھیں جب آپ ﷺ غزہ بدر میں چند سو صحابہ کو لے کر لشکرِ جرار کے خلاف نکلے، تب انہوں نے کہا: ﴿غَرَّ هَؤُلَاءِ دِينُهُمْ﴾، ”انہیں ان کے دین نے (نعوذ باللہ) پھنسادیا، دھوکے میں ڈال دیا، تب بھی اللہ نے انہیں خاموش کیا، فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ”جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں تو وہ جان لیں کہ اللہ عزیز اور حکیم ہے“۔

اللہ نے راہ جہاد کے ساتھ موت کو نتھی کرنے اور پھر اس طرح منفی سوچنے سے منع کیا ہے، فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۵۶، ۱۵۷)

”اے اہل ایمان! تم ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جنھوں نے کفر کیا اور جنھوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں جبکہ وہ زمین میں سفر پر نکلے ہوئے تھے یا کسی جہاد میں شریک تھے (اور وہاں ان کا انتقال ہو گیا) کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے ’نہ قتل ہوتے (یہ بات اس لیے ان کی زبان پر آتی ہے) تاکہ اللہ اس کو ان کے دلوں میں حسرت کا باعث بنا دے اور دیکھو اللہ ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔“

یعنی زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، مگر جہاد فی سبیل اللہ میں قتل ہو جانے کی صورت میں جو مغفرت ملتی ہے وہ پوری دنیا کی نعمتوں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اللہ کو تو یہ بھی پسند نہیں کہ جہاد میں قتل ہونے والوں کو مردہ کہا جائے اور اس موت کے لیے شوق و تڑپ میں کہیں کمی آ جائے، اس لیے فرمایا:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۴)

”اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔“

یہ باتیں کرنے والے لوگ اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو جان بچانے ہی کو کامیابی سمجھتی ہے، چاہے ذلت و رسوائی اور ایمان سے محرومی کا وبال بدلے میں ملتا ہو؛ جبکہ اللہ کی راہ میں جان دے دینے کو یہ ہلاکت کہتی ہے، چاہے اس کے باعث پوری کی پوری امت میں روحِ جہاد پیدا ہو اور اسلام و نفاق کے بیچ فرق واضح ہو! جبکہ سبحان اللہ! اللہ کا دین ایسا نہیں؛ ہزاروں لاکھوں کے لشکر پر اگر ایک مجاہد بھی یہ سوچ کر چڑھائی کر دیتا ہے کہ اس سے دوسرے اہل ایمان کے دلوں سے دشمن کا رعب ختم ہو، تو ایسی ’جذباتیت‘ کو بھی یہ دین عظیم کامیابی سے موسوم کرتا ہے اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایسے جلیل القدر صحابی اس مجاہد کی فضیلت سنانے کے لیے میدان میں اتر آتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ ہلاکت دشمن کے خلاف اکیلے میدان میں کودنے میں نہیں، بلکہ جہاد چھوڑ کر دنیا کی طرف جھکنے اور اسی کے غم و فکر میں خود کو ہلکان کرنے میں ہے۔

کامیابی ناکامی کا پیمانہ

اس دین کا تو مزاج ہے کہ حق کی شہادت کی خاطر پوری کی پوری قوم جب آگ کے گڑھوں میں جل کر راکھ ہوئی تو اللہ کی کتاب نے اس ’اجتماعی موت‘ کو بھی ﴿ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ﴾ ”یہ بہت بڑی کامیابی ہے“، سے موسوم کیا اور تا قیامت کامیابی و ناکامی کا پیمانہ بتا کر امت کو اسی راستے پر چلنے کا سبق دیا۔ اگر تو یہ عالی شان دماغ اُس وقت ہوتے تو اُس وقت بھی یہ ان اہل ایمان کی ’تباہی‘ کا الزام کافر بادشاہ اور اس کی قوم کو نہ دیتے بلکہ قصوروار ان اہل ایمان کو قرار دیتے کہ انہوں نے کیوں ایسے وقت کلمہ حق پڑھا، بلکہ شاید آگے بڑھ کر یہ مبصرین یہ مشورہ بھی پیش کرتے کہ آگ دیکھ کر اس میں چھلانگ لگانا کہاں کی دانش مندی ہے؟ کیا مسئلہ ہے اگر ایمان سے پھرا جائے، بادشاہ کے کفر و ظلم پر خاموشی، بلکہ رضامندی اختیار کی جائے اور دیگر اہل ایمان کے خلاف جنگ میں شرکت بھی کرنی پڑے تو اس میں بھی کیا مضائقہ ہے، کہ اس سے قوم کی زندگی تو بچ جائے گی[۷]۔ اللہ کے دین میں کامیابی و ناکامی صرف مادی پیمانوں سے نہیں ناپی جاتی؛ اس دین میں معنوی کامیابی کی اہمیت مادی کامیابی سے زیادہ ہے اور یہی معنوی کامیابی ہی ہے جو مادی کامیابیوں کا پھر راستہ ہموار کرتی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح اصحاب اخدود نے معنوی کامیابی کو ترجیح جب دی اور جس طرح فرعون کے دربار میں نو مسلم ساحروں نے اپنے اسلام کا اعلان کر کے فرعون کی تعذیب کے لیے اپنا آپ پیش کیا، یوں پھر نتیجے میں یہ دونوں گروہ قیامت تک کی دعوت و عزیمت کی تحریکوں کے لیے نمونہ عمل بن گئے۔ اس دین میں اجر و ثواب اور اللہ کی رضا و خوشنودی اعلیٰ مقاصد ہوا کرتے ہیں اور انہی کو تحریض دینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، نہ کہ دنیا کی مادی کامیابی کو اہم ترین ٹھہرایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

مَا مِنْ غَازِيَةٍ ، أَوْ سَرِيَّةٍ ، تَغْزُو فَتَغْنَمُ وَتَسْلَمُ ، إِلاَّ كَانُوا قَدْ تَعَجَّلُوا ثُلُثَيْ أُجُورِهِمْ ، وَمَا مِنْ غَازِيَةٍ ، أَوْ سَرِيَّةٍ ، تُخْفِقُ وَتُصَابُ ، إِلاَّ تَمَّ أُجُورُهُمْ (صحیح مسلم)

”جس غزوہ یا لشکر کے لوگ جہاد کریں پھر وہ مال غنیمت حاصل کر کے سلامتی سے واپس آ جائیں تو انہیں ثواب کا دو تہائی حصہ اسی وقت مل جاتا ہے اور جس غزوہ یا لشکر کے لوگ خالی واپس آئیں اور نقصان اٹھائیں تو ان کا اجر و ثواب پورا پورا باقی رہ جاتا ہے۔“

---

۷ اضطرار کے ساتھ کلمۂ کفر کہنے کا مسئلہ بالکل الگ ہے اور کفر و ظلم کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی طور پر سمجھوتہ کرنے کا معاملہ دوسرا ہے، یہاں اس دوسرے معاملے کا ذکر ہے۔

رسول اللہ ﷺ سمجھاتے ہیں کہ جس لشکر نے جہاد کیا، خود کوئی نقصان نہیں اٹھایا، دشمن کا نقصان کیا، فتح یاب ہوا اور غنائم لے کر واپس لوٹا اُس کو اس کے اجر میں سے تیسرا حصہ دنیا میں ہی مل گیا مگر جو لشکر ہزیمت و آزمائش سے دوچار ہوا اور فتح کے بجائے شہادتوں اور نقصان کا سامنا کیا، اُس کو پورا کا پورا اجر مل گیا۔ یہ ہے اللہ کا دین اور رسول اللہ ﷺ کی امت، یہاں نصرت و کامیابی کی تعریف وہ قطعاً نہیں جو اہل کفر و نفاق کے ہاں ہوتی ہے۔

اہل ایمان و اہل نفاق کا فرق

واقعہ یہ ہے کہ اس امت کے اہل ایمان اور اہل نفاق کے بیچ بڑا فرق ہی کامیابی و ناکامی کی تعریف اور اس کے پیمانے مقرر کرنے میں ہے۔ اہل ایمان اللہ کی راہ میں، اللہ کے دین کی نصرت اور امت کے دفاع کی خاطر لٹنے اور کٹنے کو کامیابی سمجھتے ہیں مگر اہل نفاق جان بچانے اور بچا کر دنیا کے حقیر سامان ملنے کو اپنا کارنامہ کہتے ہیں۔ اہل ایمان دین و امت کے دفاع و غلبہ کی خاطر قربانی دینے والوں کی اعلیٰ ظرفی، عظمت اور بلند نظری کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں، انہیں اپنے لیے نمونہ عمل بتاتے ہیں اور قربانی و اقدام کے اس عملِ عظیم سے پیچھے رہ جانے پر حسرت و حزن کا شکار ہوتے ہیں مگر اہل نفاق دینِ متین کی خاطر مصائب کا سامنا کرنے اور اس کے لیے محنت و انفاق کرنے والوں کی ناقدری اور تحقیر کرتے ہیں، ان کے اس فعل عظیم کا مذاق اڑاتے ہیں اور انہیں سادہ لوح و بے وقوف بتا کر ان کے نفسِ مقصد کی اہانت کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کو ہادیٔ امت ﷺ نے امت مسلمہ کی بدترین بیماری سے موسوم کیا اور جسے امت کی ذلت و رسوائی اور ان کی جانوں اور عزتوں کے کفار کی نظروں میں بے وقعت ہونے کی وجہ بتایا، اہل نفاق عین اُس بیماری کو امت کی زندگی اور اس کی صحت مندی بتاتے ہیں، یوں جس بیماری کے سبب امت قبر میں پاؤں لٹکائے ہوتی ہے اہل نفاق اُسی بیماری میں امت کو مبتلا کرنے میں بندگان شیطان کی مدد کرتے ہیں۔

دین و ایمان زیادہ اہم ہے!

یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کے خلاف جنگ اور اسلامی تہذیب و ثقافت پر غلامانِ صیہون کی طرف سے رکیک حملوں پر ایسے اہل نفاق کو کوئی رنج نہیں تھا، اسرائیل و امریکہ کے مظالم اور ارض اسلام پر جارحیت ختم کرنے کے لیے انہوں نے کبھی نہیں سوچا، اسلام آئے روز مغلوب سے مغلوب تر جبکہ کفر و نفاق کو تقویت مل رہی تھی، ان کے نزدیک یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں تھا مگر جب اہل ایمان نے کتاب اللہ کے حکم پر کھڑے ہو کر دین اسلام اور مقدسات کا دفاع کیا تو آج ان کی توپوں کا رُخ دشمنان دین کے بجائے مجاہدین کی طرف ہو گیا۔ اس طرز عمل اور طریق فکر کا باعث یہ ہے کہ ایسی مخلوق کے نزدیک ایمانوں کی تباہی کی کوئی اہمیت نہیں رکھتی، مگر جانوں کی تباہی اہم ترین ہوا کرتی ہے، ان کے ہاں دین و عزت سے محرومی آسان ہے مگر جان و مال کی قربانی مشکل ہے، حالانکہ اللہ کا دین ضروریات خمسہ (دین، جان، عقل، عزت اور مال) کی حفاظت لازم قرار دیتا ہے تو ان میں اہم ترین پھر دین کو ٹھہراتا ہے کہ دین پر اگر آنچ آرہی ہو تو باقی چار اسی کی حفاظت کی خاطر قربان کیے جائیں گے اور تاریخ نے دکھا دیا ہے کہ کسی قوم نے جب دین کی خاطر جان و مال کی قربانی دی ہے تو ان کا سب کچھ محفوظ ہو گیا لیکن جان و مال بچانے کے لیے دین کو اگر قربان کیا گیا تو پھر نتیجے میں کچھ بھی سلامت نہیں رہتا؛ افغانستان کی مثال ابھی حال ہی کی ہے کہ کیسے جب دین کا دفاع کیا گیا اور کفر کا غلبہ تسلیم نہیں کیا گیا تو اللہ نے ایسی فتح، عزت اور امن سے اس قوم کو نوازا کہ عصر حاضر میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اہل غزہ کامیاب ہیں!

اہل غزہ کامیاب ہیں، غزہ ان کے ہاتھوں میں رہے یا نہ رہے—اللہ سے دعا ہے کہ کبھی بھی ان کے ہاتھوں سے نہ نکلے، لیکن اگر خدانخواستہ اللہ کو کچھ اور منظور ہوا اور وقتی طور پر ان کے ہاتھوں سے یہ نکل بھی گیا تو اللہ کی قسم وہ کامیاب ہیں؛ ناکام تو ہم ہیں کہ ہم دوا رب کی امت اپنا فرض پورا نہیں کر سکی، ان کی مدد نہیں کر سکی اور ان سے اُن مصائب کو نہ ہٹا سکی جو ہماری ہی نصرت و دفاع کی خاطر ان کے اوپر آن پڑے ہیں۔ مجاہدین غزہ کی کامیابی کا اس کے ساتھ قطعاً اور قطعاً تعلق نہیں کہ وہ اس مرحلے میں صہیونیوں کو غزہ سے نکالتے ہیں یا نہیں، وہ اس لیے ناکام نہیں کہ انہوں نے طوفان اقصیٰ برپا کر کے اُس عظیم لشکر کو تقویت دی اور اس کی تشکیل میں اپنا اور اپنی اولاد کا قیمتی خون دیا جس نے آج نہیں تو کل تل ابیب فتح کرنا ہے، واشنگٹن کو زیر و زبر کرنا ہے اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز فتح پڑھنی ہے۔ نفاق و کفر کی نگاہیں بہت کوتاہ ہوا کرتی ہیں مگر اہل ایمان کی نگاہ کبھی کمزور نہیں ہوتی؛ اللہ کی قسم! ہمیں رتی برابر شک نہیں کہ اس نشیب کے بعد، اہل غزہ کی قربانی و ثبات کی بدولت، بہت تیزی کے ساتھ فراز و اونچائی کا سفر شروع ہو گا اور اُس کامیابی، کامرانی اور عظمت و غلبے والے سفر میں غزہ کے اندر بہایا خون اُن فاتحین کے عزائم کے لیے ایندھن کا کردار ادا کرے گا۔ غزہ میں بہے یہ آنسو، یہ آہیں اور بھوک و خوف کے مارے بچوں کا یہ بلک بلک کر رونا، اُس لشکر جرار کے جذبے اور حوصلے بلند کرنے کا باعث بنے گا۔ اہل غزہ کی یہ قربانی اور ثبات تا قیامت اہل ایمان کے لیے ہدایت و رہنمائی کا باعث ہو گا جبکہ کفر و نفاق والوں کے لیے یہ ہمیشہ ہی آگ و تباہی ثابت ہو گا۔ اہل غزہ خوش نصیب ہیں کہ اللہ نے انہیں انتہائی عظیم، انتہائی قیمتی ایسا تحفہ امت کو دینے کے لیے چنا کہ جس کی اس امت کو واقعی ضرورت تھی اور جس کے باعث زمین و آسمان کے اہل خیر ان پر رشک کرتے ہیں۔ پھر خوش نصیب ہیں غزہ سے باہر وہ اہل ایمان جو اہل غزہ کی قربانی اور ان کی شجاعت و اقدام کو اپنے لیے نمونہ عمل بنائیں اور جہاد و قتال، صبر و ثبات اور ایمان و ہدایت کا جو جھنڈا اہل غزہ نے اونچا کیا، اس کو تھام لیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر 100 پر)

فلسطین: امن و جنگ کے ۷۵ سال

فضیلۃ الشیخ سیف العدل (محمد صلاح الدین زیدان)

فلسطینی مجاہدین نے دعوتی، سیاسی اور عسکری میدانوں میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، آج تک کوئی قوم یا اسلامی تحریک ان کی نظیر پیش نہیں کر سکی۔

خصوصاً اپنے مسلمان قیدیوں کی رہائی کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے فرمان فکوا العاني[1] (قیدیوں کو چھڑاؤ) کو من و عن عملی جامہ پہنایا۔ اس کے علاوہ دشمن کے مقابل جس جنگی اخلاقیات کا مظاہرہ کیا ہے وہ قابل تقلید اور مستحسن اقدام ہے۔

فلسطینی مجاہدین کی تمام تر عسکری، نشریاتی، دعوتی اور جنگی اخلاقیات کو دیکھتے ہوئے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کے تمام تر اقدامات میں قدم قدم پر توفیق اور نصرت الٰہی شاملِ حال ہے۔ اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب نیتیں صاف اور دل اللہ کی رضا و خوشنودی کے علاوہ کسی دنیاوی غرض سے ملوث نہ ہوں۔

مجاہدین نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور لاچار قیدی جن میں عورتیں، بچے اور بوڑھے شامل تھے، ان کو آزاد کروایا۔

ان قیدیوں میں ایک عورت نے انتہائی دلگیر انداز میں نعرہ لگایا:

تلوار کے مقابلے میں تلوار ہی کارآمد ہے!

ہم محمدی جوانوں کے مہمان ہیں!

جب اس نعرے کو ارد گرد کھڑے افراد نے سنا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں، یہ مرحلہ تو ان لاچار قیدیوں کا تھا، اب مرحلہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو آزاد کرایا جائے، دست بدعا ہوں کہ اللہ رب العزت اس سیاسی و عسکری مہم میں بھی انہیں کامرانی سے ہمکنار کرے۔

حالیہ غزہ کی جنگ میں فلسطینی مجاہدین سے ایسے تجربات اور دروس سیکھنے کو مل رہے ہیں جو اس فن کے ماہرین کے یہاں بھی نایاب و نادر ہیں۔ انہوں نے اپنے قول و عمل سے ثابت کیا کہ یہ حالیہ غیر متوازن جنگ کے ماہر ہیں اور ان کا کوئی ثانی نہیں۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ گوریلا جنگوں کی تاریخ میں ایسی سرزمین جو بالکل ہموار ہو، جہاں چھپنے کی کوئی جگہ نہ ہو، اسلحہ اور دیگر وسائل محفوظ کرنے کے لیے گودام نہ ہوں، نہ ہی کوئی جدید ٹیکنالوجی ہو، جس علاقے کا کل رقبہ 9X40 کلو میٹر ہو، جو گاڑی کی رفتار سے فقط ایک گھنٹے میں طے کیا جا سکتا ہو، جس کے باشندے بے سروسامان ہوں نہ ہی کوئی حفاظتی حصار ہو اور نہ کوئی جدید اسلحے اور ٹیکنالوجی سے مسلح ہوں، ایسی حالت میں ان کا مقابلہ دنیا کی بہترین فوج سے ہو رہا ہے جو جدید اسلحہ، ریڈار، جنگی جہازوں، ہیلی کاپٹروں و دیگر جنگی ساز و سامان سے لیس ہے، یہ مقابلہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ اور اس جنگ میں اول الذکر منتشر، بے سروسامان جماعت کیسے جنگ میں کامیاب ہے؟!!

یہ ایک انتہائی دوررس، دور اندیش منصوبہ تھا جس کی تکمیل میں دو دہائیاں صرف ہوئیں، مجاہدین غزہ نے جدید سیٹلائٹ سسٹم اور جاسوسی کے ہمہ گیر جال کی موجودگی میں کیسے اور کب زیرِ زمین خندقیں کھودیں؟ کیسے ممکن ہو سکا کہ وہ اپنے اسلحے تیار کر سکیں؟

اپنی اسلحے کی فیکٹریوں کو اتنے زبردست جنگی حصار میں کیسے قائم رکھ سکے......؟ ایک طرف اسرائیلی حصار جبکہ دوسری جانب خائن مصری فوج کا محاصرہ......! مالی امداد کہاں سے آئی جبکہ تمام اطراف سے یا تو یہودی تھے یا نام نہاد یہود کے آلۂ کار مسلمان ممالک!!!

ان کے لیے کیسے ممکن ہو سکا کہ ممکنہ جنگ کے لیے وافر مقدار میں میزائیل اور گولہ بارود کا بندوبست کریں اور یہ کہ کہاں ان تمام وسائل کو محفوظ کیا......؟

بے شک یہ اللہ کی غیبی مدد و نصرت ہے جسے چاہتا ہے اپنی مدد و حفاظت عطا فرماتا ہے۔ یہ اسلام کا عظیم رشتہ اور مضبوط کڑا ہے جس نے انہیں اپنے رب سے جوڑے رکھا ہے، یہ ایک انسانی عزم

[1] عَنْ أَبِي مُوسَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُكُّوا الْعَانِيَ وَأَجِيبُوا الدَّاعِيَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ

مصمم ہے جو دستیاب وسائل اور حالات کا درست تجزیہ کر کے اپنے رب پر توکل کرتے ہوئے عمل کے میدان میں کود پڑتا ہے۔

ان مجاہدین نے زیر زمین خندقیں کھود کر میدان جنگ کو وسیع کر دیا۔ اپنی مرضی کا میدانِ جنگ سجا کر دشمن کو وہاں کھینچ لائے، دشمن جب میدان میں پہنچا تو یہ لوگ زمین کے نیچے سے نکل نکل کر دشمن پر ایسی ضربیں لگانے لگے جیسے کھجور کی کونپلیں نکلتی ہیں، یقیناً زمین ان کے لیے بہترین ٹھکانہ ثابت ہوئی، جہاں وہ رہتے، بستے اور وہیں سے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ یہی اللہ کی سنت ہے جب ظاہری اسباب ختم ہو جائیں تو کمزوروں اور ضعفاء کا رب انہیں مدد و نصرت کے طریقے الہام فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الحج: ۵۴)

”تاکہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ جان لیں کہ یہی (کلام) برحق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، پھر وہ اس پر ایمان لائیں، اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں، اور یقین رکھو کہ اللہ ایمان والوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔“

غزہ کی جنگ میں یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ اس جنگ میں وہ چھوٹی چھوٹی غیر منظم بے سروسامان تنظیمیں ہی یہود کے بالمقابل غالب اور فاتح ہیں، باقی اسرائیل کی برتری فقط شہری جنگ تک ہی محدود ہے اور ان کی فضائی قوت جنگ کے شعلوں کو مزید بھڑکانے، نہتے عوام کا قتل کرنے اور تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں، خصوصاً جب یہ قوت صہیونیوں کے ہاتھ میں ہے۔

یقیناً طوفان الاقصیٰ ایک تاریخی عسکری سبق ہے اور گزشتہ ادوار کے مقابلے میں ایک بڑی تبدیلی ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ جنگ جہاد سے پیچھے رہ جانے والے شکست خوردہ لوگوں کے لیے بھی اتمام حجت ہے، اسی طرح تمام عربی اور اسلامی ممالک کے لیے بھی یہ جنگ باعثِ ذلت اور عار ہے۔

فلسطینی مجاہدین نے فرضیت جہاد کے بعد وہی کیا جو ان کے بس میں ہے، اپنی استطاعت سے زیادہ کا ان سے پوچھا جا سکتا ہے نہ ہی وہ اس کے مکلف ہیں۔ اس کے مکلف تو فوجوں کے مالک اور محلات میں بیٹھے عیاش حکمران ہیں جو فرضیتِ جہاد کے فتوے صادر ہونے کے بعد بھی اہلِ غزہ کی مدد و نصرت تو کیا کرتے، الٹا دشمنانِ اسلام کی ہمنوائی و پشتیبانی میں مگن ہیں۔ باوجود اس کے کہ قطر میں موجود امریکی فوجی اڈے کے پڑوس میں عالمی جمعیت علماء المسلمین نے بالاتفاق یہ فتویٰ جاری کیا کہ تمام اہل حل و عقد بشمول اسلامی ممالک کے سربراہوں پر فرض ہے کہ وہ صہیونیوں کے جرائم کا سدباب اور اہلِ غزہ کے نہتے مسلمان بھائیوں کی ہر ممکن مدد کریں۔

مغرب کی پوری تاریخ جس کی صف اول میں برطانیہ اور امریکہ ہیں وحشت ناک جرائم سے بھری پڑی ہے۔ اس حوالے سے نہ کسی دین کی پاسداری کا خیال ہے اور نہ ہی کسی مذہب و نسل سے درگزر سے کام لیتے ہیں۔ امریکہ کے اصلی حقیقی باشندوں کے قتل عام سے لے کر بت پرست جاپان اور پروٹسٹنٹ عیسائی جرمنی کے شہروں کو ملیامیٹ کرنے تک، افغانستان کی تباہی سے لے کر آج فلسطین میں اپنی لے پالک صہیونی ریاست کے ذریعہ مسلمانوں کی نسل کشی تک یہ سب کا سب ان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہے۔ ان کا دین اپنی خاص مصلحت میں ہے ان کے یہاں اخلاق کا کوئی دائرہ کار ہے نہ ہی کسی قدر کی پابندی......

آج عالم اسلام میں موجود مغربی دلدادہ اور ان کی آزادی، مساوات کی طرف دعوت دینے والے بھی حیرت زدہ ہیں اور اپنے مغربی آقاؤں کے اس مکروہ چہرے پر پردے ڈالنے سے عاجز ہیں بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ مسلمان ملکوں میں مغرب زدہ ٹولہ آج جمہوریت اور عالمگیریت کے مزعوم بت اور دینِ جدید سے نالاں ہیں۔

رہے ان کے مغربی آقا، تو ان کے اپنے کرتوتوں کی بنا پر چہرے سیاہ، ان کے دل مسلمانوں سے بغض و عناد سے بھرے ہوتے ہیں۔ ان کی جانب سے منعقد کی گئی سلامتی کونسل (حقیقت میں ظالم و وحشی کونسل) میں کسی بھی طرح سے فلسطین میں جاری ظلم و بربریت

روکنے کی قرارداد اس وقت تک پاس نہیں کی جاسکتی جب تک ان کے خلاف بعینہٖ اسی طرح کا ردعمل آ نہیں جاتا، اس کے بغیر یہ لوگ اپنے ظلم وعدوان سے باز نہیں آسکتے، یہی فطری راستہ ہے ایسے مظالم اور تباہی کو روکنے کا۔

آج ہم جس صورتِ حال کا غزہ میں مشاہدہ کر رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ استعمار کا کمزوروں کے خلاف یہی وطیرہ رہا ہے۔ اہلِ غزہ سنہ اڑتالیس سے قبل بھی یہی جہاد کرتے رہے تھے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ استعمار کی پوری تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ مظاہروں، مذمتی قراردادوں اور جلسے جلوسوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کا واحد راستہ اور منصفانہ حل جہاد فی سبیل اللّٰہ کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ یہود نے اپنے اندر ایسے فرقے پالے ہوئے ہیں جو خود اپنی تباہی کا سامان لیے ہوئے ہیں۔ ان کے مابین موجود اختلافات اور عداوت اس حد تک پہنچی ہوئی ہے جو کسی سے مخفی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ. (الحشر: ۱۴)

”یہ سب لوگ اکٹھے ہو کر بھی تم سے جنگ نہیں کریں گے، مگر ایسی بستیوں میں جو قلعوں میں محفوظ ہوں، یا پھر دیواروں کے پیچھے چھپ کر۔ ان کی آپس کی مخالفتیں بہت سخت ہیں۔ تم انہیں اکٹھا سمجھتے ہو، حالانکہ ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عقل نہیں ہے۔“

یہود ایسی قوم ہے کہ اپنے قرب وجوار میں رہنے والے ہر کسی سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ کبھی اپنے ہمسایوں سے امن وآشتی سے پیش نہیں آتے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ. (المائدۃ: ۶۴)

”اور یہودی کہتے ہیں کہ: اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں اور جو بات انہوں نے کہی ہے اس کی وجہ سے ان پر لعنت الگ پڑی ہے، ورنہ اللہ کے دونوں ہاتھ پوری طرح کشادہ ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ اور (اے پیغمبر) جو وحی تم پر نازل کی گئی ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کر کے رہے گی، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لیے عداوت اور بغض پیدا کر دیا ہے۔ جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور یہ زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، جبکہ اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

یہود اگرچہ اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کے دعوے دار اور ان کی نسل سے ہیں۔ تمام انسانوں اور یہود میں کوئی امتیاز نہیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ عام انسانوں خصوصاً مسلمانوں پر اپنی برتری، دھونس اور تکبر کا اظہار کرتے ہیں اور یہ باور کرواتے ہیں کہ وہی اللہ کے منتخب اور برگزیدہ قوم ہیں، حالانکہ وہ اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے غیض وغضب کے مستحق ہیں لیکن ابلیس لعین کی مانند اپنے حسد، تکبر اور گھمنڈ میں غلطاں ہیں۔ یہ ایسی گمراہی ہے جس سے اللہ کے ارادے اور مشیت کے سوا کوئی نہیں نکل سکتا۔

غزہ میں موجود اللہ کی فوج مجاہدین اور شیطان کی فوج صہیونیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ فتح وکامرانی یہی نہیں کہ دشمن پر غلبہ حاصل ہو جائے بلکہ حقیقی فتح اور کامرانی اخلاقیات اور اقدار کی ہے، بارہا ایسا ہوا ہے کہ طاقت ہونے کے باوجود افواج انسانیت اور اخلاقیات کا لحاظ کرتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتی ہیں۔

جنگی اخلاقیات ہی وہ بیش قیمت زیور ہے جس سے حقیقی بہادر رہنما متصف ہوتے ہیں اور اپنے دشمن سے غیرت اور شرافت کی حد میں رہتے ہوئے برسرپیکار ہوتے ہیں، اہلِ غزہ اپنے صہیونی دشمن اور ان کے قیدیوں سے بعینہٖ اسی پیمانے اور اسی انداز سے مقابلہ کر رہے ہیں۔

دوسری طرف صہیونیوں نے جنگ کے میدان اور مسلمان قیدیوں سے جو سلوک اختیار کیا وہ انتہائی گھٹیا اور شرمناک ہے، ان سے گلہ بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہی ان کی حقیقت اور جبلت ہے۔ ان کی قید میں اسیروں سے جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے وہ ان کی کم ظرفی، کمینہ پن اور بدبختی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اور ایسی نسل کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے جس پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور ان کے مابین اختلاف و تفرقہ ڈال دیا گیا۔ یہ لوگ ہر وہ کام سرانجام دے رہے ہیں جو اللہ کے غیض و غضب اور پھٹکار کو دعوت دے رہا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ان کی سرکشی میں مزید بڑھاوا دے رہا ہے تاکہ جب ان کو اپنے عذاب میں جکڑے تو بچنے کا کوئی آسرا نہ ہو۔ ان کے سیاہ کارنامے اور کرتوت کو وہی لوگ پسند کرتے اور سند جواز عطا کر رہے ہیں جو ظلم و سرکشی میں ان ہی کے ہم پلہ ہیں جیسے امریکہ اور برطانیہ و دیگر یورپی غلام۔

ان مقبوضہ ملکوں اور ان کی عوام کے ساتھ یہی ان کا فلسفہ اور طرزِ عمل ہے تو کیا یہ ظالم و حشی درندے صہیونیوں کو ان جرائم سے روکنے کی کوشش کر سکتے ہیں؟

ان اقوام میں کوئی انسانیت نام کے اصول ہیں نہ ضابطے...... ان کے تمام تر اقدامات اور سرگرمیاں درندوں جیسی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ يَعۡقِلُوۡنَ اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا. (الفرقان: ۴۴)

”یا تمہارا خیال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ نہیں! ان کی مثال تو بس چار پاؤں کے جانوروں کی سی ہے، بلکہ یہ ان سے زیادہ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔“

جہاں تک عرب اور دیگر مسلم حکمران ہیں تو وہ اپنی فطرت کے مطابق اپنے اوپر عائد فریضہ سے چشم پوشی اور راہ فرار اختیار کر رہے رہیں۔ کیا غزہ میں جاری بمباری، قطر میں موجود امریکی اڈے عدید سے نہیں ہو رہی......؟ کیا اس تمام تر تباہی کا گولہ بارود ترکی کے امریکی فوجی اڈے انجرلیک اور سعودیہ، امارات کے اسلحہ خانوں سے نہیں پہنچ رہا......؟ ابھی بھی ترکی حکومت یہود کی تمام تر ضروریات چاہے وہ ملبوسات ہوں یا خوراکی مواد اور دیگر ضروریاتِ زندگی پوری تندہی سے پوری کر رہی ہے۔

ایک طرف تو یہ پالیسی ہے جبکہ دوسری جانب مگرمچھ کے آنسو بہا کر جلسے جلوس اور مظاہروں میں اسرائیل کے خلاف لمبے لمبے بیانات داغے جا رہے ہیں۔ مظاہرے تو عوام کی طرف سے کیے جاتے ہیں تاکہ اپنی حکومت کو ضروری اقدامات اٹھانے پر مجبور کیا جائے، نہ کہ حکومتیں، حکومت بھی وہ جو غزہ کے مجاہدین کو اکیلا چھوڑے ہوئے ہے، دوسری طرف یہودیوں کو مسلسل ضروریاتِ زندگی پہنچائی جا رہی ہیں۔ کیا ایسی حکومت سے توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ مجاہدین سے تعاون کرے؟ یا سفیروں کو ملک بدر کرے؟ یا سفارتی تعلقات منقطع کرے؟ ایسی حکومتوں کے بارے میں شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

میں نے اپنے بھائیوں کو اپنے لیے ڈھال جانا
ہاں وہ تھے مگر دشمنوں کے لیے
میں نے انہیں قاتل تیر سمجھا
ایسے ہی تھے مگر میری جان کے لیے
انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم جہدِ مسلسل میں ہیں
میں نے کہا: جی ہاں! میری تباہی کے واسطے

عسکری اور اسٹریٹجک اعتبار سے مجاہدینِ فلسطین اخلاقی میدان میں فاتح بن کر ظاہر ہوئے ہیں۔ اس اخلاقی جنگ میں ساری دنیا نے متعصب مغربی صہیونی دجالوں کا قبیح چہرہ بخوبی دیکھ لیا کہ ان کے تمام نشریاتی اداروں نے کیسے انسانیت کی دھجیاں اڑائیں، اپنے تیئں لگائے جانے والے انسانی، نسوانی، حیوانی اور بچوں کے حقوق کا پول اپنے ہاتھوں کھول دیا۔ اس دوران غیر جانبدار میڈیا کے ذریعہ ہر عام و خاص کو پتہ چلا کہ مغرب نے اپنے عوام اور تمام دنیا کو کیسے جھوٹے پروپیگنڈوں کے ذریعے اپنا ہمنوا بنایا ہوا ہے...... کیسے مغربی میڈیا حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے...... یہ تو بالکل ابتدائی اور سطحی ذرائع سے علم میں آیا...... جہاں تک اندرونِ خانہ منصوبے اور حقائق ہیں وہ اس سے کافی زیادہ ہیں۔

اقوامِ متحدہ کی عبادت گاہ[2] میں جب تمام دنیا کی طرف سے اسرائیلی وحشت و درندگی بند کرنے کے مطالبے نے زور پکڑا تو امریکہ، برطانیہ اور فرانس نے اس مطالبے کو رد کرتے ہوئے اسرائیلی مظالم کی حمایت کی اور اس ظلم کو جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ کچھ دن بعد فرانس نے اپنے فیصلے سے رجوع اور برطانیہ نے خاموشی اختیار کر لی، مگر امریکہ اپنے فیصلے پر قائم رہا۔ وہی امریکی جو متعصب مجرمین کی اولاد، اوباش، انسانی خون کے تاجر، دنیا کے امن کو اپنے کیمیاوی ہتھیاروں اور بموں سے سبوتاژ کرنے والے وحشی درندے ہیں۔ اس پالیسی نے ان کے نام نہاد آزادی، انصاف، مساوات اور انسانی حقوق کے تمام نعرے خاک میں ملا کر اپنی حقیقت دنیا کو آشکارا کر دی۔ اسی بنا پر ہم ان کی طرزِ زندگی، ان کی تہذیب کے خلاف بر سرپیکار ہیں تاکہ یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز آ جائیں۔ اس فیصلے کے نتیجے میں تمام مسلمان اہلِ غزہ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، سوائے معدودے چند یہود نواز سیاسی اور صحافتی افراد کے جن کا اوڑھنا بچھونا ہی مغرب کی کاسہ لیسی ہے۔

۷ اکتوبر کے معرکے میں مجاہدین کا اہم ہدف[3] فلسطینی قیدیوں کو اسرائیلی جیلوں سے نکالنا تھا، دوسرا یہ کہ میڈیا پر اس کارروائی کو صحیح یا غلط قرار دیے بغیر اپنے اہداف تک پہنچنا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام تر معاملات پیچھے رہے گئے اور جنگ کے تمام فوائد مجاہدین کے حق میں تمام ہوئے، خصوصاً دنیا پر مجاہدین کی جنگی اخلاقیات کی پاسداری کا سکہ بیٹھ گیا۔ اس کے بعد دشمن اپنے حلیفوں کے ساتھ مجاہدین کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھنے کو بے چین ہو گیا اور اس مرحلے کا اختتام اس بات پر ہوا کہ مکمل جنگ بندی، فلسطینی قیدیوں کی رہائی اور مسجدِ اقصیٰ سے متعلق آئے روز ہونے والے بے حرمتی کے خاتمے تک مجاہدین کے ہاتھوں قید کسی بھی اسرائیلی کو رہا نہیں کیا جائے گا۔

جہاں تک تباہی کی بات ہے تو اس حوالے سے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ آئے روز کی ذلت، موت کے خوف اور دین کے متعلق دل آزاری کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

مجاہدین بارہا اس بات پر زور دے رہیں ہیں کہ اس جھگڑے کا حل مذاکرات ہیں نہ کہ عسکری کارروائیاں...... کیا مجاہدین اپنے اس مطالبے میں کامیاب ہو سکیں گے؟

---

[2] مجاہدین کے نزدیک اس ادارے اور اس کی ذیلی شاخوں کی کوئی حیثیت نہیں، ہم تو ان سرکشوں کو انہی کے بنائے ہوئے قوانین اور عدالتوں میں، ان ہی کے دینِ جدید جمہوریت کے تناظر میں پیش کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا اپنا من گھڑت دین اس حوالے سے کیا رہنمائی کرتا ہے۔ یہ وہ دین ہے جس میں اقدار ہیں نہ اخلاقیات نام کی کوئی چیز، اس کا مقصد استعمار کے مقبوضہ ملکوں کی عوام کو غلام بنانا، ان کا استحصال، ان کے حقوق چھیننے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ عالمی ادارہ کبھی بھی خود مختار فیصلے نہیں کر سکتا الا یہ کہ اس کے تمام ارکان کو مساوی حقوق حاصل ہو جائیں اور یہ تب ہو سکتا ہے جب ویٹو کا حق ختم کر دیا جائے۔ اور اگر ایسا ہوا بھی تو تمام ایٹمی ممالک اس کی رکنیت سے نکل جائیں گے اور یہ ادارہ برائے نام ہی رہ جائے گا کیوں کہ ہر وہ معاہدہ جس میں ان کی ترقی یافتہ ایٹمی ممالک کو امتیاز حاصل نہ ہو، یہ ممالک کبھی بھی اس کا حصہ نہیں بن سکتے۔

[3] جنگ کی اسٹریٹجی میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں، مگر مرحلہ وار اہداف میں ضروری ہے کہ اس حوالے سے خوب سوچ بچار اور غور وخوض سے کام لیا جائے، اس لیے اس باب میں بہتر مشورہ دینا اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے کہتا ہوں کہ مکمل فلسطین کی آزادی کے لیے اہداف متعین کیے جائیں نہ کہ اضافی اور مقاصدِ حقیقی سے ہٹ کر دیگر امور کو زیرِ نظر رکھا جائے۔ کیونکہ صہیونی دشمن کی مکاری، غدر و خیانت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ یہ دشمن صرف قوت اور طاقت کی زبان سمجھتا ہے، یہ اپنے سے طاقتور قوت کے سامنے جھکتا ہے اور بس۔ باقی ۷ اکتوبر کے تمام کارنامے بلا اختلاف محمود اور مطلوب تھے، ہیں اور رہیں گے۔ جہاں تک مجاہدین کی استطاعت تھی، انہوں نے بے دریغ قربانی دی۔ اللہ کے یہاں بھی اپنی استطاعت سے بڑھ کر کچھ نہ کرنے پر معذور و ماجور ہیں، انہوں نے اقصیٰ کی حفاظت میں بالکل بھی سستی و لاپروائی نہیں دکھائی اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیاں، شہادتیں اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اس کا بہترین نعم البدل عطا فرمائے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی تمام تر کارروائیاں جنگی اخلاقیات کے دائرے میں اور فلسطین کی حقیقی آزادی کے لیے سنگِ میل ثابت ہوں گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہودی قوم تحریف شدہ تورات کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ عرب خصوصاً اہلِ فلسطین کو ختم کرنے، ان کو نیست و نابود کرنے کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتی ہے، یہود اپنی حکومت کے ساتھ اہلِ غزہ کی تباہی میں برابر کے شریک ہیں، جیسا کہ خبیث لینڈسی جراہم کیونکہ بقول رکن امریکی کانگریس لینڈسی جراہم: ''یہ مذہب اور عقیدے کی جنگ ہے''۔ نیتن یاہو کی حکومت ختم کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آئندہ حکومت مسلمانوں کی خیر خواہ ہوگی۔ کیونکہ یہود کی پوری تاریخ وحشت و درندگی سے عبارت ہے۔ تاریخ میں ایسی کون سی یہودی حکومت رہی ہے جو مسلمانوں کی ہمدرد اور خیر خواہ تھی؟

بائیڈن کی نیتن یاہو سے ناراضگی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ صہیونیت کے خلاف ہے کیونکہ وہ تو ان کا فرمانبردار، ان کے مفادات کا پاسدار اور ان کا غلام ابن غلام ہے، ذاتی اختلافات اس حوالے سے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ نیتن یاہو ان کے لیے اب ایک ناکارہ جوتے کی مانند ہے جس سے استفادہ ممکن نہیں۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ اس پر جنگ چھیڑنے کا الزام لگا کر جان چھڑا لیں کیونکہ نیتن یاہو اس جنگ میں بری طرح ناکام ہوا ہے، اپنے قیدیوں کو نکالنے میں ناکامی، فلسطینی قیدیوں سے انسانیت سوز سلوک، غزہ میں وحشت و بربریت کا انتہا کو پہنچنا جس کی وجہ سے اس نے اپنے آپ اور اپنے آقاؤں کو اپنی عوام کے سامنے شرمندہ کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس جنگ کا ہدف اپنے قیدیوں کو رہا کروانا ہے تو پھر اتنے بڑے پیمانے پر بمباری اور آپریشن کا کیا مقصد......؟ بستیوں کی بستیاں ملیامیٹ کرنے کا کیا ہدف ہے ......؟ اتنے بڑے پیمانے پر بمباریاں، ہلاکتیں...... اس سب کے باوجود یہودی اپنے اہداف میں کامیاب ہو سکے ہیں؟ کیا وہ مزعومہ کامیابی حاصل کر پائے جو حقیقت میں انسانیت کے ماتھے پر بدنما داغ ہے؟

کیا فلسطینیوں کی نسل کشی سے مستقبل میں خطہ پُرامن رہ سکتا ہے؟ کیا اس ظلم کے نتیجے میں مسلمان صہیونی یہودی وائرس کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے منظم، ہمہ جہت اور فیصلہ کن تیاریاں نہیں کریں گے؟

درج بالا اور دیگر بہت سے سوالات ہیں جو آئندہ حالات کا نقشہ پیش کرتے ہیں کہ سرزمینِ انبیاء (مشرقِ وسطیٰ) میں یہود کو ختم کیے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا، یہ ایک اٹل فیصلہ ہے۔ اس حوالے سے مسلمان یہود اور عیسائی، تمام ادیانِ سماویہ کے ماننے والے اس فیصلہ کن مرحلہ کو اپنے عقیدے کا حصہ گردانتے ہیں۔ آج جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ مستقبل کی جنگوں کا پیش خیمہ ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

> ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا۝اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا۝ (الإسراء: ۶-۷)
>
> ''پھر ہم نے تمہیں یہ موقع دیا کہ تم پلٹ کر ان پر غالب آؤ، اور تمہارے مال و دولت اور اولاد میں اضافہ کیا، اور تمہاری نفری پہلے سے زیادہ بڑھا دی۔ اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنے ہی فائدے کے لیے کرو گے، اور برے کام کرو گے تو بھی وہ تمہارے لیے ہی برا ہو گا۔ چنانچہ جب دوسرے واقعے کی میعاد آئی (تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کر دیا) تاکہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ ڈالیں، اور تاکہ وہ مسجد میں اسی طرح داخل ہوں جیسے پہلے لوگ داخل ہوئے تھے، اور جس جس چیز پر ان کا زور چلے، اس کو تہس نہس کر کے رکھ دیں۔''

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح الجامع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا الْيَهُودَ حَتَّى يَقُولَ الْحَجَرُ وَرَاءَهُ الْيَهُودِيُّ يَا مُسْلِمُ هَذَا يَهُودِيٌّ وَرَائِي فَاقْتُلْهُ.

”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک تم یہود سے جنگ نہ کر لو، اس دوران پتھر بھی پکاریں گے، اے مسلم! میری اوٹ میں یہودی چھپا ہے، اسے قتل کر ڈالو۔“

عالمی صہیونی تحریک کے حوالے سے خوب جان لیں کہ وہ جنگ، قتل اور اپنے دشمنوں کو تہِ تیغ کرنے سے کبھی بھی نہ رکیں گے یہاں تک کہ انہیں اپنا باج گزار غلام نہ بنالیں۔ آج اگر غزہ کی باری ہے جسے مسلم حکمرانوں نے اکیلا بے سروسامان دشمن کے مقابل چھوڑ دیا ہے تو کل دیگر خطوں کی باری ہو گی۔ اس موقع پر ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں مختلف محاذ کھول دیں تا کہ ان کی توانائیاں منتشر ہو کر ضائع ہو جائیں اور انہیں ایک گوریلا جنگ میں پھنسا دیں۔ نہ یہ کہ ہم پر یہ مقولہ ثابت ہو: ”پھر پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت“۔

جو لوگ حکمت اور مصلحت کے نعرے لگا رہے ہیں، وہ اپنے گھروں تک جنگ کے شعلے پہنچنے کے منتظر ہیں، یقیناً وہ خسارے میں ہیں۔ باقی رہے ہمارے حکمران تو ان کا انجام دنیا اور آخرت دونوں میں بد سے بدترین ہو گا۔

نشریاتی اداروں کا چہرہ

متعصب صہیونی حکومت نے دونوں اطراف سے رہائی پانے والے قیدیوں اور ان کے اہلِ خانہ کے نشریاتی اداروں کو دیے گئے بیانات اور انٹرویو شائع کرنے پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔ لیکن مجاہدین کے اہل خانہ نے اپنے قیدیوں کی رہائی پر تقریبات بھی منائی اور کھل کر ذرائع ابلاغ کو اپنے اوپر روا رکھے جانے والے غیر انسانی سلوک کا ذکر بھی کیا۔ رشتہ داروں کی رہائی پر اہل خانہ نے مجاہدین کا شکریہ ادا کیا۔ دوسری جانب یہودی قیدیوں کے اہل خانہ نے تقریبات منائی نہ ہی ذرائع ابلاغ کو بیانات دیے، کیونکہ انہیں ہمارے اخلاق اور حسن سلوک سے ڈر لگتا ہے۔ ہم صہیونی حکومت کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ رہا ہونے والے اپنے یہودیوں کو کھل کر میڈیا پر آنے دیں تا کہ دودھ کا دودھ، پانی کا پانی اور تمام عالم کو حق و باطل کا پتہ چل جائے۔

اس کے باوجود یہودی دجالی میڈیا نے دھڑلے سے قیدیوں کی وکالت کرتے ہوئے، یہودی عورتوں کی ۷ اکتوبر کو مجاہدین کے ہاتھوں اغوا کی بے بنیاد خبریں نشر کیں۔ اس طوفانی یلغار میں جب مجاہدین اپنے رب سے فتح یا شہادت کی دعائیں مانگ رہے تھے اور ایک گھمسان کی جنگ کا نظارہ پوری دنیا نے دیکھا۔ کیا ایسے میں ممکن ہے کہ مجاہدین عورتوں کے اغوا کے متعلق سوچ سکیں؟

سوشل میڈیا اور خود صہیونی چینلز پر ہونے والے پروگرام اور مباحثوں میں خود یہودیوں نے اپنے مکروہ چہرے سے نقاب اتار دیا ہے۔ مزید برآں آزاد سوشل میڈیا اور مسلمانانِ عالم نے اپنے اپنے حلقہ احباب اور ذرائع ابلاغ میں جلتی پر تیل کا کام کیا، جو آنے والے دنوں میں یہودیوں کے لیے وبالِ جان اور مسلمانوں کو مسجدِ اقصیٰ کی حفاظت کے لیے مہمیز فراہم کرے گا۔ اس پورے سرکل نے عالمی میڈیا کو بھی صہیونیوں کے خلاف کر دیا۔

صیہونیوں نے اپنے کالے کرتوتوں سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ انسانی جسم میں ایک ناسور کی مانند ہیں جس کا قلع قمع کرنا اور صفحۂ ہستی سے مٹانا از حد ضروری ہے۔ ہٹلر نے جو کچھ بھی ان کے ساتھ کیا آج اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان کے خبثِ باطن اور بدکرداری سے باخبر تھا، کاش کہ وہ ان کی جڑ ہی کاٹ ڈالتا۔

نازی جرمنی اور ہٹلر کی جانب سے صہیونیوں پر روا رکھے جانے والے سلوک بلکہ پوری تاریخِ انسانی میں جو تعامل ان کے ساتھ ہوا یہ لوگ بالکل اس کے مستحق تھے بلکہ اس سے زیادہ کے۔ آج صہیونیوں (امریکہ، برطانیہ، فرانس، اٹلی، جرمنی) نے اپنے مظالم اور شرمناک کردار سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ انسان نما درندے ہیں جو دوسرے کے خون کے پیاسے اور غیروں کے وسائل پر قابض ہیں۔ پوری دنیا پر قبضہ کر کے ان کے دنیا اور دین کو تباہ کر دیا۔ یہ قوتیں اپنی امداد بھی اپنے مقاصد جیسے مقبوضہ ملکوں کی عوام کو غلام اور اپنا دست نگر بنانے، ان کے وسائل کو ہڑپ کرنے، ان کی تہذیب و تمدن کو تہ و بالا کرنے، الحاد و بے حیائی کو فروغ دینے، معاشرے کو مادر پدر آزاد بنانے کے لیے دیتی ہیں۔ جان لیجیے کہ یہ قوتیں جسمانی اور روحانی ہر اعتبار سے انسانیت کی قاتل ہیں۔ اس (صہیونی) گروہ میں شامل ہونے کے لیے یہودی ہونا ضروری نہیں، کیونکہ صہیونیت ایک عالمگیر سوچ اور فکر کا نام ہے، جس میں بائیڈن جیسے یورپی و امریکی اور دیگر بین الاقوامی احمق شامل ہو سکتے ہیں۔

مجاہدینِ اسلام نے اپنی حقیقت اور حقانیت پوری دنیا کو آشکارا کر دی ہے اور ان سے متعلق پھیلائے گئے تمام شکوک و شبہات ریت کا ڈھیر ثابت ہوئے ہیں۔ مجاہدین نے اپنے اور امت مسلمہ کے مابین بوئے گئے نفرت کے بیج جڑ سے اکھاڑ پھینکے ہیں۔ کتنے ہی قیدی مجاہدین کے ہاتھوں ان کے حسنِ سلوک کے سبب اسلام قبول کر چکے ہیں۔ باقی رہا صہیونیوں کا معاملہ تو یہ فقط آج جھوٹے دجال اور فریب کار کے مترادف ٹھہر چکا ہے۔

یہ ہے اس پورے معاملے کا نچوڑ اور لب لباب! ہم مسلمان پورے عالم کی ہدایت، امن اور سلامتی کے خواہاں ہیں اور یہ امتیاز پوری تاریخ انسانی میں سوائے مسلمانوں کے اور کسی کے پاس نہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کا مقصدِ اصلی اللہ کی رضا ہوتی ہے، اسی لیے ہم آج کل کے رائج مفادات اور مصلحتوں کو نظر انداز کر کے انسان اور انسانیت کے خیر خواہ ہیں۔

الحَنِین

ایک ایسا لفظ ہے جو بچپن، ۷ سال سے کم عمری کی طرف لے جاتا ہے، اپنی بنیاد کی طرف، خوابوں کی دنیا کی طرف، جہاں آوازیں رنگوں میں بدل جاتی ہیں، جہاں مناظر خوشنما اور دلکش ہوں، جہاں ہوائیں معطر ہوں، ایسی دنیا جہاں پریشانی کا گزر نہ ہو، جہاں تمام تر سوچیں بچپن کی حسین یادوں تک ہی محدود ہوں، جہاں ہر واقعہ سے متعلق الفاظ ہمارے دل پر نقش ہو جاتے ہوں، جہاں کے مشاہدے وقت گزرنے پر ختم اور مٹتے نہ ہو، جب بھی ہمیں اکیلا پن اور دل بوجھل ہونے کا احساس ہو تو ان کا استحضار ہو، ان مشاہدات کے ذریعہ ہی ہم اپنی مشکلات پر قابو پائیں۔

اس پس منظر میں نونہالانِ غزہ کے دلوں پر کیا نقش ہو رہا ہے؟ مستقبل میں وہ ان مناظر کو کس طرح یاد کریں گے؟ کیسے اور کیوں ان کے ہاتھوں پیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا؟ کیسے انہوں نے اپنی آنکھیں اور انگلیاں گنوائیں؟ کیسے وہ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں سے جدا کیے گئے؟ کیسے اور کیوں انہیں اپنے دوستوں، ہمسایوں، گھر اور سکول سے ہاتھ دھونا پڑے؟

یقیناً ان کے چہرے خون سے لت پت ہوئے، ان کے پھول جیسے نازک جسموں کو زخموں سے چور چور کیا گیا...... یہ کیسی یادیں ہیں جو ان کے دلوں پر نقش ہوئیں......؟ اور جوانی کو پہنچنے پر انہیں کیا یاد دلائیں گی......؟ کیا اپنے غم تازہ کرنے کے لیے ان یادوں کو دہرائیں گے؟ یا پھر اپنے دشمن سے انتقام کے واسطے ان واقعات اور مظالم کو یاد کریں گے......؟

شیخ سیف العدل (محمد صلاح الدین زیدان)

روئے سحر

قاضی ابواحمد

وہ بھی پھولوں اور پھلوں سے لدی اک وادی تھی، اس وادی میں انسان بستے تھے...... وہ انسان جو اللہ ہی کو اپنا الہ و معبود جانتے و مانتے تھے...... وہ انبیاء کی سرزمین تھی اور اس پر بسنے والے انبیاء کے وارثین تھے...... وہ وارث کہ جنہوں نے ان عظیم نبیوں کی تعلیمات کے اس پورے سلسلے کو، کہ جس کی انتہا خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی، دل و جان سے قبول کیا اور اپنایا...... پھر وہی ہوا جو ایسے فرزانوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ وقت کے فرعون کو ان کی للّٰہیت ایک آنکھ نہ بھائی اور وہ سب کے سب مجتمع ہو کر انہیں تہس نہس کرنے کے درپے ہو گئے۔ اہلِ غزہ پر متواتر چھ ماہ سے آزمائشوں کی تاریک رات چھائی ہوئی ہے، جو ساتواں ماہ شروع ہونے پر بھی چھٹتی دکھائی نہیں دیتی۔ انہیں اللہ رب العزت کی ذکر کردہ ہر نوع کی آزمائش سے آزمایا گیا، خوف، بھوک، جان و مال کے نقصانات، املاک اور کھیتیوں کی تباہی حتیٰ کہ وہ زبانِ حال سے کہہ اٹھے:

پھولوں کی جہاں پہ بستیاں تھیں کوندا سا ادھر لپک رہا ہے
جس شاخ پہ اپنا آشیاں تھا اب شعلہ وہاں بھڑک رہا ہے
ٹھوکر سے جو سر کے بل گرا میں خوش ہو کے عدو تھرک رہا ہے
انبوہ وہ امن دشمنوں کا مستی میں بہک بہک رہا ہے

ہمہ نوع و ہمہ پہلو آزمائشوں کے بوجھ تلے ان کی حالت ایسی ہو گئی کہ انسان کی زبان اس کے بیان سے قاصر ہو جائے اور اللہ رب العزت کا کلام ہی ان حالات کی درست ترجمانی کرے:

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝﴾ (سورۃ الاحزاب: ۱۰)

”یاد کرو جب وہ تم پر تمہارے اوپر سے بھی چڑھ آئے تھے اور تمہارے نیچے سے بھی اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچنے لگے تھے۔“

ایسی حالت ہو گئی کہ جس میں اہلِ ایمان یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ شاید اللہ رب العزت نے بھی انہیں تنہا چھوڑ دیا ہے اور اب کہیں سے ان کے لیے نصرت نہ آئے گی اور مصائب کا یہ طوفان ان کی کمر توڑ ڈالے گا اور انہیں اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے ہی پڑیں گے، مگر اللہ ان کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم تنہا نہیں آزمائے جا رہے، تمہارے لیے اسوہ موجود ہے، آزمائشوں کے یہ سیلاب تم سے پہلے اہلِ ایمان پر بھی آئے اور ایسے وقت میں آئے جب کہ ان کے درمیان اس وقت کے اللہ کے نبی موجود تھے اور انہیں بھی یہ محسوس ہوا کہ ان کے لیے یہ بوجھ ناقابلِ برداشت ہوا چاہتا ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ...﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۱۴)

”کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تمہارے اوپر وہ حالات و واقعات وارد نہیں ہوئے جو تم سے پہلوں پر ہوئے تھے پہنچی ان کو سختی بھوک کی اور تکلیف اور وہ ہلا مارے گئے یہاں تک کہ (وقت کا) رسول اور اس کے ساتھی اہلِ ایمان پکار اٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟“

اس وقت اللہ نے انہیں اپنی مدد و نصرت کی خوش خبری دی اور فرمایا:

﴿اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۝﴾

”آگاہ ہو جاؤ! یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے۔“

اللہ رب العزت کی رحمت و کرم سے اہلِ غزہ سے بھوک اور قحط کی آزمائش کسی قدر دور ہو گئی ہے مگر ظالموں کا ظلم تاحال جاری ہے۔ یہ ظلم تھمے گا اور ضرور تھمے گا، یہ نہ سمجھو کہ ان ظالموں کی دراز رسی کبھی نہیں کھینچی جائے گی...... اللہ تو انہیں اس لیے چھوٹ دے رہے ہیں تاکہ یہ اپنے ظلم و سرکشی میں مزید آگے بڑھیں اور پھر اللہ کے یہاں یہ اپنے بچاؤ کے لیے کوئی حجت نہ پائیں۔

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ۬ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ﴾ (سورۃ ابراهیم: ۴۲)

”اور یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں، اللہ اس سے غافل ہے۔ وہ تو ان لوگوں کو اس دن تک کے لیے مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی“۔

یہ جو تم پر بیت رہا ہے یہ تو محض وقتی امتحان ہے، آزمائش ہے جس میں ثبات کا صلہ ایسا حسین و بہترین ہے کہ جو کسی انسان کے سان گمان میں بھی کبھی نہ آیا ہو گا۔ اللہ رب العزت کی سنت ہے کہ اہلِ ایمان پر گزرنے والی آزمائشوں پر جامع اور بلیغ تبصرہ فرماتے ہیں مگر ان کی تفصیل میں نہیں جاتے...... مگر ان آزمائشوں کے اختتام پر جو انعام ان کے لیے اللہ رب العزت نے

تیار کر رکھا ہے، جو مقام ان کے لیے مقرر فرمایا ہے، جو درجات ان کے لیے پسند فرمائے ہیں...... ان کی وضاحت خوب کھول کھول کر فرماتے ہیں تاکہ مومن کی نگاہ راستے کی کٹھنائیوں سے ہٹ کر منزل کی راحت پر مرکوز رہے اور اس کی راہ میں آنے والے پتھر روڑے اس کی راہ کھوٹی نہ کر سکیں۔ ایک طرف تو مومنین کے دل مضبوط کرنے کے لیے فوز عظیم، فوز کبیر، خوف و حزن سے دائمی نجات کے پروانے، اللہ رب العزت کی ناراضگی کا خوف زائل ہونے اس رب ذوالجلال کی دائمی رضا کے پروانے، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت اور جنتوں کی بے بہا لا منتہا نعمتوں اور راحتوں کے تذکرے ہیں اور دوسری طرف مومنین کے دلوں کی ٹھنڈک، ان کے دلوں کی جلن و کڑھن دور کرنے کے لیے فراعین وقت اور ان کے متبعین کا بدترین انجام، ان کے چہروں کا آگ میں الٹ پلٹ کیے جانا، جہنم کا ایندھن بنائے جانا، منہ کے بل گھسیٹے جانا، زقوم و پیپ پر مشتمل ان کے طعام و شراب اور اللہ کی شدید پکڑ اور دائمی عذاب کا ذکر بھی فرماتے ہیں تاکہ مومن کا دل قرار پکڑ سکے کہ ان ظالموں میں سے ایک بھی اللہ کی پکڑ سے محفوظ و مامون نہ رہ سکے گا۔ پھر ظالموں پر اللہ کے عذاب کا وعدہ محض آخرت کے لیے نہیں ہے بلکہ دنیا میں بھی اللہ رب العزت ان پر پے در پے عذاب بھیج کر انہیں نشان عبرت بناتے رہتے ہیں۔

عدو دیں کا خیال تھا کہ قتل و خونریزی، قحط، جان و مال کے نقصان، خوف، دربدری، بے سکونی، غم و ھم کے ہجوم تلے یہ اہل ایمان اپنا ایمان چھوڑ بیٹھیں گے اور محض روٹی کے چند لقموں اور سر پر تنی خیمے کی چادر پر قناعت کر لیں گے...... مگر وہ جانتا نہ تھا کہ اس وادی کے ایک ایک معصوم سے لے کر ہر ہر پیر و جواں کے دل میں ایمانی غیرت کا جوالا مکھی ہے جو ذرا سی چوٹ لگنے پر ابل پڑتا ہے۔ وہ ان کے جسموں پر ظلم کر سکتے ہیں مگر ان کے دلوں میں موجود ایمانی چنگاری کو بجھا نہیں سکتے وہ ان کی نگاہیں ان کے مقصد سے ہٹا نہیں سکتے۔

اس راکھ میں اب بھی میرا ایماں اخگر کی طرح دہک رہا ہے
اس خاکِ خراب میں بھی مقصد موتی کی طرح دمک رہا ہے

اہل غزہ پر سلام ہو کہ اس قدر سختیوں کے بیچ بھی انہوں نے امید کا دامن نہیں چھوڑا، اللہ پر ایمان، اسی پر بھروسے اور اسی پر توکل کے سہارے انہوں نے یہ جارحیت سہی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ خواہ اہل دنیا کو محض جلی لاشیں، بھڑکتے شعلے، ملبے کے ڈھیر، خون کی ندیاں دکھائی دیتی ہوں اور وہ اہل غزہ کو مظلوم مگر نادان گردانتے ہوں مگر عند اللہ ان کے لیے اجر عظیم ہے ان شاءاللہ اور اس دنیا میں بھی ان کی یہ قربانی رائیگاں نہیں جائے گی، ان کا یہ خون، ان کے یہ زخم سوئی ہوئی امت کے لیے صبح نو کا پیغام لائیں گے ان شاءاللہ۔

اس پردۂ شب کے پیچھے دیکھو
پھر روئے سحر جھلک رہا ہے

☆☆☆☆☆

بقیہ: قصہ 'سرخ گائے' (Red Heifer) کا

لیکن اگر ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے مسجد اقصیٰ کی شہادت کی کوئی روایت نہیں ملتی تو اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ یہ حتمی امر ہے کہ مسجد اقصیٰ شہید نہیں کی جائے گی۔ اس لیے 'دی ٹیمپل انسٹی ٹیوٹ' جیسے اداروں اور سخت گیر یہودی و صیہونی تنظیموں کے منصوبوں اور حرکات و سکنات پر نظر رکھنا بھی ہمارے لیے ضروری ہے۔ ان کی سرخ گائے کی قربانی ہو بھی جائے تب بھی یہ ضروری نہیں کہ مسجد اقصیٰ شہید کر دی جائے گی اور نہ ہی ان کا 'مسیح' فوراً ظاہر ہو جائے گا۔ لیکن غزہ میں جاری ان کا ظلم اور نہ ختم ہونے والی بمباری کو سات ماہ پورے ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ باقی مقبوضہ فلسطین میں بھی یہودیوں کی غیر قانونی آبادکاریاں اور مسلمانوں پر حملے تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ وہاں کے مسلمان اپنے خون سے فلسطین کی تاریخ رقم کر رہے ہیں۔ سب کچھ گنوا کر بھی عزیمت کا پہاڑ بنے ڈٹے ہوئے ہیں۔ جبکہ مسلم ممالک کے خائن منافق حکمران سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اندھے بنے ہوئے ہیں۔

نیتن یاہو اور اس کی حکومت نے فلسطینیون کو عمالقہ (Amalek) سے تشبیہ دی ہے۔ عمالقہ یہودیوں کے عقیدے میں وہ قوم تھی جس کے متعلق ان کی کتابوں میں حکم ہے کہ اس قوم کے ہر مرد، عورت، بچے یہاں تک کہ ان کے جانوروں تک کو بھی قتل کر دیا جائے۔ یہ جنگ ان کے لیے ایسی ہی مقدس جنگ ہے جیسی مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی صلیبی جنگیں تھیں۔ ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ان سے مقابلہ کرنے اور قبلۂ اوّل کی حفاظت کے لیے پوری دنیا کے مسلمان علماء، دینی اور جہادی تنظیمیں متحد ہو کر ایسی تحریک برپا کر دیں کہ جس کے ذریعے یہود اور ان کے آلۂ کاروں اور امریکہ سمیت سب حریفوں کو سبق مل سکے۔ ساری دنیا کے مسلمانوں کا متحد ہو کر عملی اقدامات اٹھانا ہی فلسطینی بھائیوں اور قبلۂ اوّل کی آزادی کا ضامن ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

قصہ 'سرخ گائے' (Red Heifer) کا

شاہین صدیقی

قرآن مجید کی سب سے طویل سورت سورۃ البقرہ ہے جس میں بنی اسرائیل کے گائے ذبح کرنے کے واقعے کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ جب بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے گائے کی قربانی کا حکم دیا تو انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے سوال در سوال شروع کر دیے۔ بالآخر کسمساتے ہوئے انہیں گائے کی قربانی کرنی ہی پڑی۔ اسی واقعے کا ذکر عیسائیوں کی بائبل کی کتاب Book of Numbers میں بھی آیا ہے اور یہودیوں کی تورات و تلمود میں بھی تفصیلی ذکر موجود ہے۔

غزہ پر اسرائیل کے وحشیانہ حملے کے ۱۰۰ دن پورے ہونے پر ۱۴ جنوری کو حماس کے ترجمان ابو عبیدہ نے ایک ویڈیو خطاب کیا۔ اس خطاب میں انہوں نے ۷ اکتوبر کے محرکات ذکر کیے، جن میں سے ایک محرک مقبوضہ بیت المقدس میں یہودیوں کا پانچ 'سرخ بچھیاں' (red heifer) لے کر آنا بھی تھا۔

اس بات کا ذکر کرنے کا مقصد امتِ مسلمہ کو متنبہ کرنا ہے کہ یہود اپنے شیطانی ارادوں کی تکمیل کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں اور امتِ مسلمہ کو بھی قبلۂ اوّل کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہو جانا چاہیے۔

'سرخ گائے' کی قربانی سے متعلق سازشی نظریہ (conspiracy theory)

ابو عبیدہ حفظہ اللہ کے 'سرخ گائے' سے متعلق بیان کے بعد مین سٹریم میڈیا اور سوشل میڈیا پر یہ موضوع زیرِ بحث آیا اور اب تک موضوعِ بحث ہے۔ اہم سوال یہ ہے کہ یہودیوں کی اس رسم کا قبلۂ اوّل مسجدِ اقصیٰ سے کیا تعلق؟ اس سوال کے جواب کے لیے یہودیوں کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے جنات کے ذریعے پہلا ہیکل تعمیر کروایا، حالانکہ قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ دنیا میں خانہ کعبہ کے بعد دوسری مسجد مسجد اقصیٰ بنی پھر حضرت سلیمانؑ نے اسی مقام پر مسجد کو دوبارہ تعمیر کروایا جسے یہودی ہیکل سلیمانی کہتے ہیں۔ ۵۸۶ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے اسے تباہ کر دیا۔ اس کے ۷۰ سال بعد یہودیوں نے اس مقام پر ہیکل تعمیر کیا، جسے رومیوں نے ۷۰ء میں تباہ کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں مسجد تعمیر کروائی اور پھر مقامِ اسراء پر اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان نے قبۃ الصخرہ تعمیر کروایا۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ مسجد اور قبۃ الصخرہ یہودیوں کے ہیکل کے مقام پر تعمیر کیے گئے ہیں۔ متشدد یہودیوں اور صہیونیوں[1] کے منصوبوں میں سے اہم ترین منصوبہ تیسرے ہیکل کی تعمیر ہے، جس کے لیے یہودی صدیوں سے منصوبہ بندی اور کوششیں کرتے چلے آرہے ہیں۔

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد مشرقی بیت المقدس (یروشلم) یہودیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ جس کے بعد انتہا پسند یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے اور اس کی جگہ ہیکل تعمیر کرنے کی منصوبہ بندی تیز کر دی اور ایسی تنظیمیں اور ادارے تشکیل دیے گئے جن کا واحد مقصد ہیکل کے منصوبے کو آگے بڑھانا ہے۔ ان میں ایک اہم ادارہ 'دی ٹیمپل انسٹی ٹیوٹ' (The Temple Institute) ہے، جو نہ صرف اس منصوبے کو مرکزی دھارے میں لے کر آیا ہے بلکہ ہیکل کی تعمیر، تزئین و آرائش اور وہاں مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لیے لوازمات تک تیار کر چکا ہے۔ جن پتھروں سے ہیکل تعمیر کیا جائے گا وہ پتھر، ہیکل میں رکھے جانے والے مقدس برتن و اشیاء، قربان گاہ، حتیٰ کہ وہاں کام کرنے والے یہودی ربیوں کے لباس تک تیار کیے جا چکے ہیں ایک ٹیمپل میوزیم بھی بنایا گیا ہے جہاں یہ چیزیں نمائش کے لیے موجود ہیں۔

یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ جب تیسرا ہیکل تعمیر ہو جائے گا تو ان کے مسیح (مسیح دجال) کا ظہور ہو گا اور ساری دنیا پر یہودیوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ لیکن یہودیوں کا ہیکل بنانے کا منصوبہ ان کی توہم پرستانہ روایات میں 'سرخ گائے' کی قربانی سے جڑا ہے۔

انجیل کی کتاب "Book of Numbers" اور تلمود کی تعلیمات کے مطابق یہ ایسی گائے ہونی چاہیے جو:

> "بے عیب ہو، اس پر کوئی داغ نہ ہو، کنواری ہو، اسے جوتا نہ گیا ہو، کھروں سمیت مکمل طور پر سرخ ہو، کوئی ایک بال بھی دوسرے رنگ کا نہ ہو اور قربانی کے وقت اس کی عمر ۳ سال کے لگ بھگ ہونی چاہیے۔"

یہودیوں کی تاریخ میں حضرت موسیٰؑ سے لے کر دوسرے ہیکل کی تباہی تک ۹ گائیں ذبح کی جا چکی ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ جب دسویں گائے ذبح کی جائے گی تو وہ ان کے مسیح (دجال) کے ظہور کا پیش خیمہ ہو گا۔

---

[1] صہیونی صرف یہودی نہیں ہوتے بلکہ ان میں یہودیوں کے حامی اوینجیلیکل (Evangelical) عیسائی اور ہر وہ شخص شامل ہے جو یہودیوں کے عزائم کی تکمیل چاہتا ہے۔

بہت سی یہودی تنظیمیں دہائیوں سے ایسی سرخ گائے کی تلاش میں تھیں، لیکن مطلوبہ شرائط پر پوری نہ اترتی تھیں۔ ۲۰۲۲ء میں امریکہ کی ریاست ٹیکساس میں ایسی پانچ سرخ بچھیائیں دریافت کی گئیں۔ انہیں پانچ لاکھ ڈالر کے عوض خرید کر اسرائیل لایا گیا اور ان کی حفاظت کے پیشِ نظر انہیں کیبوتز کے علاقے میں ایک خفیہ فارم میں رکھا گیا ہے۔

اپریل ۲۰۲۴ء میں یہ بچھیائیں تین سال کی ہو گئی ہیں اور اب شرائط کے مطابق ایک سال کے اندر اندر ان کی قربانی کرنا ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے دی ٹیمپل انسٹی ٹیوٹ نے ایک قربان گاہ بھی بنائی ہے۔

گائے کی قربانی کے لیے مسجدِ اقصیٰ کے مشرق میں تقریباً ۸۰۰ میٹر کے فاصلے پر کوہِ زیتون (Mount of Olive) کو چنا گیا ہے تاکہ قربان گاہ سے ہیکل بنانے کی جگہ (مسجد اقصیٰ) صاف نظر آئے۔ اس مقام سے مسجد اقصیٰ تک ایک پل تعمیر کیا جائے گا۔ قربانی کرنے والے شخص کے لیے لازمی ہے کہ وہ حضرت ہارونؑ کی نسل سے ہو۔

یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر وہ شخص جس نے کسی مردے کو چھوا ہو، یا قبرستان گیا ہو، یا کسی مردے کو دفنایا ہو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ مسجد اقصیٰ کی سرزمین چونکہ ان کے لیے بہت زیادہ مقدس ہے اس لیے انہیں وہاں جانے کی بھی اس اعتبار سے اجازت نہیں۔ سرخ گائے کی قربانی کے بعد اس کے گوشت اور ہڈیوں کو جلا کر اس کی راکھ کو پانی میں ملا کر اپنے مذہبی رہنماؤں اور ربیوں کو اس کے ذریعے پاک کیا جائے گا اور پھر وہی لوگ ہیکل کی تعمیر کریں گے۔

کیا مسجدِ اقصیٰ شہید کر دی جائے گی؟

سرخ گائے کے ملنے کے بعد سخت گیر یہودیوں اور نیتن یاہو کی دائیں بازو کی حکومت کی کابینہ کے ارکان میں بہت جوش و خروش پایا جا رہا ہے۔ ہیکل کی تعمیر کے لیے ان کے میڈیا پر بھی کھل کر بحث و مباحثہ جاری ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ ان کا شیطانی ارادہ مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے اس کی جگہ ہیکل تعمیر کرنا ہے لیکن انہیں اس بات کا خدشہ ہے کہ یہ ایک ایسا اقدام ہے جسے مسلمان برداشت نہیں کر سکتے اور یہ بہت بڑی جنگ کی وجہ بن سکتی ہے۔

لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ پچھلے کئی سالوں سے اسرائیل نے مسجد اقصیٰ کے نیچے کھدائی کا کام شروع کر رکھا ہے۔ اس حوالے سے اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ یہ 'آثار قدیمہ' کی کھوج میں کھدائی کی جا رہی ہے۔ لیکن یہی کھدائی ۲۰۲۳ء میں انتہائی خطرناک حد تک بڑھا دی گئی اور آثار قدیمہ کے ماہرین نے بھی اس حوالے سے تنبیہ کی کہ یہ مسجد اقصیٰ کی بنیادوں کو کمزور اور کھوکھلا کر رہی ہے۔ اور اس عمل کی وجہ سے مسجد اقصیٰ کی دیوار اور چھت میں دراڑیں بھی پڑ چکی ہیں۔

سرخ گائے کی پیشین گوئی مین سٹریم اور سوشل میڈیا پر پھیل جانے کی وجہ سے تمام دنیا کے مسلمانوں کی نظریں بیت المقدس پر مرکوز ہیں، اس لیے اسرائیلی حکومت نے اچانک اس سلسلے میں مکمل خاموشی اختیار کر لی ہے۔ ۲۲ اپریل سے یہودیوں کے پاس اوور (Passover) کا تہوار شروع ہو چکا ہے جو آٹھ دن تک جاری رہے گا۔ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ ممکن ہے سرخ گائے کی قربانی پاس اوور کے دنوں میں کر دی جائے، لیکن بظاہر ایسا ہوتا نظر نہیں آ رہا۔

۲۰۲۳ء میں پاس اوور کے موقع پر چند شرپسند یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کے احاطے میں جانور کی قربانی کی کوشش کی جس کے نتیجے میں پولیس اور مسجد میں موجود زائرین کے درمیان جھڑپیں ہوئیں اور یہودیوں کی یہ کوشش ناکام ہو گئی۔ رواں سال بھی پاس اوور کے موقع پر حماس کے ترجمان ابو عبیدہ نے بیت المقدس میں آباد فلسطینی مسلمانوں کو خصوصی پیغام دیا ہے کہ مسجد اقصیٰ کی حفاظت کے لیے وہاں موجود رہیں اور پہرہ دیں۔

بظاہر ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اسرائیلی حکومت نے حالات ناساز گار دیکھ کر قربانی مؤخر کر دی ہے اور وہ ایسے موقع کی تلاش میں ہیں جب خاموشی سے یہ رسم ادا کی جا سکے اور یہ سال کے کسی بھی وقت ممکن ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان گائیوں پر چند سفید یا سیاہ بال نمودار ہو جائیں اور پھر وہ قربانی کی شرط پر پوری نہ اتر سکیں۔

مسلمانوں کے لیے کرنے کے کام

چونکہ مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلہ اوّل اور تیسری مقدس ترین جگہ ہے اس لیے اس کی حفاظت صرف فلسطینی مسلمانوں کا نہیں بلکہ تمام امت مسلمہ کا فرض ہے۔ جہاں تک بات سرخ بچھیا (red heifer) کو ذبح کرنے سے منسلک عقائد کی ہے تو مسلمان اس طرح کی توہمات پر یقین نہیں رکھتے۔ ہمارے لیے آخری زمانے کی نشانیوں میں صرف وہی نشانیاں قابل یقین ہیں جو ہمارے نبی آخر الزماں ﷺ نے ہمیں بتائی ہیں اور ان نشانیوں میں کہیں مسجد اقصیٰ کی شہادت کا ذکر نہیں ملتا، واللہ اعلم!

اور یہ نشانیاں یہودیوں کی آخری زمانے کی نشانیوں سے نہ صرف یکسر مختلف ہیں بلکہ متضاد بھی ہیں، کہ جس کو یہود اپنا 'مسیح' مانتے ہیں وہ دنیا کا سب سے بڑا فتنہ 'دجال' ہے۔ اس لیے ان کی پیشین گوئیوں پر یقین کر کے مایوس ہونا اور مایوسی پھیلانا ہمیں زیب نہیں دیتا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 96 پر)

یہ جُہدِ دائم!

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

رمضان المبارک اور شوال کا ہلالِ عید حسبِ سابق تیزی سے گزر گیا۔ تاہم زاویۂ نگاہ غزہ کی جنگ نے ضرور بدل کر رکھ دیا۔ برصغیر کی اپنی مخصوص روایات ان مہینوں سے وابستہ ہیں۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اس مرتبہ دیکھا تو زیادہ گہری نسبت غزہ کے رمضان اور عید سے نظر آئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ۹ رمضان آئے۔ ۲ ہجری کا رمضان غزوۂ بدر سے جگمگاتا دیکھا۔ یوم الفرقان، حق وباطل مابین فیصلہ کن معرکہ۔ شوال ۲ ہجری کی عید اس فتحِ مبین کے بعد آئی۔ مسجد اقصیٰ میں دو لاکھ نمازیوں کی تکبیرات 'عیدِ آزاداں شکوہِ ملک ودین' کا عکس تھیں۔ مدینہ کی تکبیراتِ عید کا جمال وجلال تازہ ہو گیا۔ فلسطینی گولیوں اور بموں کی زد میں سہی، مگر حقیقی آزاد روحوں کا خطہ یا غزہ، قدس کا گرد ونواح ہے، یا افغانستان۔ باقی دنیا کی عید ہجوم مومنین ہے! کفر کی محکومیت میں دبی پسی روحیں! (ہمارے ہاں کاروبارِ زندگی معطل کر کے ہفتہ بھر 'کھا لے پی لے جی لے' کی چھٹیاں ہی چھٹیاں!)

یہ ایک الگ موضوع ہے، کہ دورِ نبویؐ کے رمضان، شوال غزوات وسرایا ہی میں گزرے۔ احد کی تیاری ۳ھ کے رمضان اور غزوہ ۷ شوال کو ہوا۔ غزوۂ احزاب کی خندق شعبان، رمضان میں کھودی، تیار کی گئی، شوال میں ۲۸ دن کا محاصرہ ہوا۔ دیکھ لیجیے وہاں کتنی مناسبت اس سال کی عید سے ہے جو دنیا نے قدس کے گرد ونواح میں دیکھی!

اسماعیل ہنیہ ہسپتال میں زخمیوں کی عیادت کے لیے گئے ہوئے تھے تو بروزِ عید تین بیٹوں اور تین پوتوں کی شہادت کی خبر انہیں سنائی گئی! اللہ کی رضا پر (پوری سکینت لیے) راضی ہونے اور بیٹوں کی عزیمت وشرف والی شہادت کو عظیم سعادت کہہ کر آگے کام پر چل دیے۔ 'اسرائیل ہمارے حوصلے توڑ نہیں سکتا!' اعلان تھا، جگر گوشوں کی جدائی پر! اس میں ان کا حافظ بیٹا بھی شامل تھا جس کی امامت کراتے ہوئے وڈیو موجود ہے۔ حضرت خبیبؓ کو مشرکین نے جب درخت پر لٹکا کر شہید کیا، تو اس مقتل کی طرف جاتے ہوئے وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

> 'جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کوئی غم نہیں کہ میں کس پہلو پر اللہ کے لیے پچھاڑا جاتا ہوں۔ یہ سب اللہ کی محبت میں ہے اور اگر وہ چاہے گا تو جسم کے کٹے ٹکڑوں پر برکت نازل کر دے گا۔'

آج فلسطینی شہداء کے کٹے ٹکڑوں کی برکت پوری دنیا میں بڑھ پھیل رہی ہے۔ مردہ روحوں کو ان کے خون نے تازگی بخش دی باذن اللہ! غزہ بھر میں ملبوں پر عید نماز پڑھی گئی۔ رفح میں نماز کے دوران ڈرون سرسراتے رہے تاکہ عدم تحفظ کا احساس مسلط رہے!

ایک ڈاکٹر کا کہنا تھا: ہمارے محلے کی مسجد تباہ کر دی گئی تھی سجدہ گزاروں سمیت۔ ہم اپنے عقائد پر ڈٹے ہوئے ہیں گہرے رنج وغم کے باوجود۔ دنیا خاموشی سے تک رہی ہے! ہم زمین کے حقیقی مالک ہیں اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ بچوں کو عید پر دف بجا کر خوشی کے گیت سنا کر، کھیل کھلا کر محظوظ کر رہے ہیں۔ فلسطینی اپنے بچوں کو ہر حال راضی بہ رضا رہنے اور غموں میں بھی مسکرانے اور جینے کا عزم دینے کا خوب اہتمام کرتے ہیں! یہی تمام تر نقصانات سہہ کر بھی حماس اور فلسطینیوں کی پر عزیمت کامیابی کی دلیل ہے جس کی گواہی دینے پر اب اسرائیلی مجبور ہو چکے۔

۱۱ اپریل کو معروف اسرائیلی اخبار 'ہیرٹز' میں سیاسی نامہ نگار خائم لیونسن (Chaim Levinson) نے مضمون لکھا ہے بہ عنوان: 'وہ کہہ گزرنا جو ناگفتہ بہ ہے': اسرائیل کو شکست ہو چکی ہے، ایک مکمل شکست!' جلی حروف میں لکھا ہے:

> 'جنگ کے مقاصد حاصل نہیں ہوں گے۔ یرغمال فوجی دباؤ سے نہیں واپس آئیں گے۔ نہ ہی سکیورٹی (تحفظ) لوٹائی جا سکے گی۔ اسرائیل کی بین الاقوامی تنہائی ختم نہ ہو گی۔ ہر اسرائیلی اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ ہم جنگ ہار چکے ہیں مگر یہ قبول کرنا بہت مشکل ہے... ہم خود سے جھوٹ بول رہے ہیں۔ ہم اپنا عالمی مقام کھو چکے ہیں... ہم سالہا سال ایک مضبوط، قوی قوم کا تاثر دیتے رہے۔ مضبوط فوج اور ذہین وفطین افرادِ کار کا۔ مگر اب ہم صرف ایک چھوٹا سا یہودی گاؤں بن کر رہ گئے ہیں جس کی ایک ایئر فورس ہے۔ (پورا غزہ بمباریوں سے ان بزدلوں نے نہتے معصوم عورتوں بچوں کو نشانہ بنا کر تباہ کیا۔) فوج پر تنقید شجرِ ممنوعہ ہے۔ (ہر ملک ہی میں یہ اصول لاگو ہے!) سو شکست کیونکر تسلیم کریں۔ رفح بھی (فتح کرنا) ایک بہت بڑا دھوکا، مغالطہ اور خوش فہمی ہے۔ حماس کا صفایا، خاتمہ ممکن نہیں۔ زندگی ۷ اکتوبر سے پہلے محفوظ تر تھی۔ اب آنے والے کئی سال تک ہمیں دھچکا محسوس ہوتا رہے گا!

نیتن یاہو خود شدید مخالفت، عوامی مظاہروں کی زد میں تھا۔ اسرائیل پوری دنیا میں عدم مقبولیت کی انتہا پر بلکہ نشانۂ نفرین، لعنت وملامت بنا واقعی مغضوب ہو چکا تھا۔ ایسے میں نیتن یاہو نے ایران کو چھیڑا اور ایک تیر سے کئی شکار کر ڈالے۔ یکم اپریل کو دمشق میں ایرانی قونصلیٹ پر حملہ کیا توجہ ہٹانے، ایران کو اکسانے کو! اسی دوران ۱۳ اپریل کو ورلڈ کچن (این جی او) قافلے پر حملہ کر کے ۷ امدادی کارکن مار ڈالنے پر اسرائیل اور نیتن یاہو شدید ترین تنقید کا نشانہ بنے۔ 'ورلڈ کچن' واقعے پر بائیڈن کا غصہ اتنا بڑھا کہ اس نے جنگ بندی کا 'ممنوعہ' مطالبہ دے مارا اور اس حملے کو لغو قرار دیا۔ ایسے میں نیتن یاہو ہر طرف سے گھر چکا تھا، ایران مدد کو آیا! اسرائیل پر حملے سے ۷۲ گھنٹے پہلے اس نے امریکا کو اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ یہ مکمل باہم مربوط ومنظم طے شدہ حملہ یوں ہوا کہ ۳۰۰ ڈرون اور میزائل مارے گئے مگر ۹۹ فیصد راستے میں ناکارہ بنا دیے گئے مل جل کر! امریکہ، جرمنی، اردن اور باقی خود اسرائیل نے، سو دنیا تو ہل گئی!

امریکی صدر جو کل تک نیتن یاہو پر گرج برس رہے تھے اب نہ صرف میزائل ناکارہ بنائے گئے، ۲۵ منٹ طویل فون پر زبردست پشت پناہی اور امداد کے وعدے کیے۔ موقع ملتے ہی پورا یورپ بلکہ پیرا گوئے، کولمبو، چلی، میکسیکو، روس، چین سبھی نے اسرائیل مظلوم ٹھہرا کر پیٹھ ٹھونکنا شروع کر دی۔ موسم بدل گیا یک لخت۔ غزہ پر ۶ ماہ میں جو تباہی مسلط ہوئی چہار جانب نگاہ ڈھونڈتی رہی کہ کوئی سر دھرا، سر پھرا تو ہو جو اٹھ کر غزہ کا بدلہ چکائے۔ نیتن یاہو کو لگام دے۔ مگر نامراد پلٹ آتی! اب نیتن یاہو پھنس گیا تو یہ فکسڈ میچ کا سا محتاط طے شدہ حملہ تھا، آج کی دنیا میں سبھی کچھ! ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔ اسرائیل کا حقیقی نقصان ہوتا تو ایران کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔ الجزیرہ کو انٹرویو دیتے ہوئے سابق اسرائیلی سفارت کار / ڈائریکٹر وزارتِ خارجہ ایلون لائیل نے کہا: 'کابینہ نے رد عمل دینے کا فیصلہ نہیں دیا۔ اب ہمیں غزہ میں اپنا کام پورا کرنا ہے۔ ہم ۲۴ گھنٹے میں اصل کام پر لوٹ جائیں گے۔ اسرائیل اس حمایت کو استعمال کر کے رفح واپس جائے گا۔ رفح کے بغیر فتح مکمل نہ ہو گی۔ یرغمالیوں کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ ہمیں حماس سے نمٹنا ہے۔' سو یہ دیکھنا کافی ہے کہ اس حملے کا فائدہ کس کو ہوا؟ پوری دنیا یکایک غزہ کا قتل عام بھول گئی۔ خوراک، امداد کی فراہمی پس پشت ڈال دی گئی۔ سکیورٹی کونسل بھی ہنگامی اجلاس کے لیے چل دی۔ دنیا بھر کا میڈیا اسرائیل پر یک زبان ہو کر اظہارِ ہمدردی کی بولیاں بولنے لگا۔ دنیا بھر میں اسرائیل کی تنہائی ختم ہو گئی!

میزائلوں کی بوچھاڑ میں سے صرف ۹ میزائل یوں بچ بچا کر گرے کہ مکھی بھی نہ مرے۔ ایک خالی سٹور کو چھو کر گزر گئے۔ ایک C-130 طیارے کو معمولی زخم آیا۔ اسرائیل (اس نورا کشتی میں) ایران کو حماس کا مددگار / قائم مقام قرار دے کر دنیا کو چکر دینے، عالمی ہمدردی سمیٹنے اور فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہے۔ اس حملے کے باوجود غزہ پر حملوں کا تواتر جاری ہے۔ اس دوران سیکڑوں فلسطینی شہید کر دیئے! یہ ہے غزہ کو پہنچنے والا فیض! اب اسرائیل نے اپنی ساکھ بچانے کو ایران پر نہایت محدود اور بے ضرر ڈرون حملہ کر کے کہانی ختم کر دی!

ضعیف فلسطینی ۶ ماہ سے دربدر ہوتا اپنی نسلوں کو صرف اللہ کا دامن مضبوط تھامنے کی تاکید کرتا ہے۔ ہر مقام پر بم اور میزائل ہمارے منتظر ہیں مگر ہم اپنی سرزمین کبھی نہ چھوڑیں گے۔

اللہ اعلیٰ واکبر! اللہ اقویٰ واقدر! حسبنا اللہ ونعم الوکیل!

یہ جُہدِ دائم، جہادِ پیہم
یہ کیشِ محکم ہے دیں ہمارا

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔(ادارہ)]

☆☆☆☆☆

بقیہ: پیامِ غزّہ: تصویر کے دورُخ

اور دنیا بھر میں اس عظیم خیر کی دعوت کو لے کر اُس قافلہ جہاد میں اپنا خون، پسینہ، صلاحیت اور وقت صرف کریں جس کا اٹھنا اللہ نے سات آسمان اوپر لکھ دیا ہے اور جس کے اٹھانے کے لیے ہی دنیا بھر میں مسلمانوں سے قربانی لے کر انہیں جھنجھوڑا جا رہا ہے۔

یہ تحریر اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اے ہمارے رب! اے رب المستضعفین! اہل غزہ کی نصرت فرما، وہ بھوکے ہیں، انہیں رزق عطا کر، وہ خوف زدہ ہیں، ان کا خوف امن میں تبدیل کر، ان کی بے عزتی کی گئی انہیں دنیا میں بھی عزت عطا کیجیے اور آخرت میں بھی، ان کی ہدایت میں اضافہ فرما، غیب سے ان کی نصرت فرما، یا اللہ! ان کے قدموں کو جما دے، ان کے دشمنوں پر ان کا رعب بٹھا دیجیے، یا اللہ! امت مسلمہ کی طرف سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیجیے، کفار ومنافقین کی سازشوں سے ان کی حفاظت فرما! جس نے یا اللہ انہیں اکیلے چھوڑا، انہیں تو اکیلا چھوڑ دے، جس نے ان کے خلاف مدد کی یا اللہ تو ان کے خلاف مدد کیجیے! یا اللہ! اہل غزہ سے ہماری محبت ہے، اس محبت کو قبول کیجیے اور ہمیں توفیق دے، موقع دے کہ ان کے ٹوٹے دلوں کے لیے مرہم بن جائیں، ان کے دشمنوں پر تیرے عذاب کا کوڑا بن جائیں اور اللہ شہادت کی موت سے ہمیں محروم نہ فرما، ہمارا خون قبول کیجیے، ہمیں اپنے عرش تلے، ان مجاہدین وشہداء کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی معیت میں اکٹھا فرما.....آمین یا رب العالمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

پرانا دشمن!

قاضی ابو احمد

تخلیقِ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت قائم ہونے تک انسان کا دشمن ایک ہی ہے...... ابلیس لعین! دورِ جدید میں بھی اس قدیم دشمن کی چالیں وہی ہیں...... دقیانوسی! اسی نے فرعون کو سکھایا کہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرو تا کہ کوئی موسیٰ پرورش نہ پا سکے۔ فرعون کے سپاہی گلی محلوں میں ننھے بچوں کو لیے لیے پھرتے اور انہیں دانستہ رلاتے تاکہ فطری ردِ عمل کے تحت ایک بچے کے رونے کی آواز سن کر بنی اسرائیل کے گھروں میں چھپائے گئے بچے بھی رونے لگیں اور سپاہی ان کی ٹوہ پا کر انہیں قتل کر ڈالیں۔

آج اس اکیسویں صدی میں...... جب ٹیکنالوجی نے اس قدر ترقی کر لی ہے...... اس جدید دور میں بھی قدیم دشمن کے داؤ پیچ قدیم ہی ہیں بس ان پر ٹیکنالوجی کا غازہ مل دیا گیا ہے۔ اہلِ غزہ پر اسرائیل نے قتل و خونریزی کی انتہا کر دی۔ ان کے معصوم بچوں کو نا صرف دیدہ و دانستہ قتل کیا بلکہ ان کے قتل پر باضابطہ خوشیاں بھی منائیں۔ اسرائیلی خبثاء اس حد تک اخلاق سے عاری ہیں کہ غزہ میں موجود ایک fertility clinic کو بھی تباہ کر دیا جس کے اندر موجود تقریباً چار ہزار جنین (embryos) اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی اسرائیلی جارحیت کا نشانہ بن کر دم توڑ گئے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اسرائیل اس قدر فلسطینی مسلمانوں کی نسل کشی پر آمادہ ہے کہ اب ڈرون سے نوزائیدہ بچے کے رونے کی آواز نشر کی جاتی ہے، انسانی ہمدردی اور مدد و نصرت کے جذبے سے مغلوب مسلمان اپنی پناہ گاہوں سے نکل کر بچے کی آواز کا منبع تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسے میں اسرائیلی ڈرون انہیں تاک تاک کر نشانہ بناتا ہے۔ جہاں اس حربے کا مقصد فلسطینی مسلمانوں کی نسل کشی ہے وہیں ان کے دلوں میں خوف اور اندیشوں کے ناگ کو اس قدر تقویت دینا ہے کہ جس سے مغلوب ہو کر وہ انسانیت اور انسانی ہمدردی نامی اخلاق سے ہی ہاتھ دھو بیٹھیں۔

اسرائیل غزہ میں جو کر رہا ہے اسے کسی بھی زبان اور کسی بھی اصطلاح میں جنگ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ صریح جارحیت ہے، علانیہ ظلم ہے جس کا نشانہ عام مسلمان جان بوجھ کر بنائے جا رہے ہیں۔ ایک ویڈیو کلپ میں واضح طور پر ایک فلسطینی مسلمان تنہا امدادی تھیلا اٹھائے جاتا دکھائی دیتا ہے...... ضمناً یہ کہ ایسے ویڈیو کلپ خود اسرائیلی ہی ریکارڈ کرتے ہیں اور خود ہی نشر کرتے ہیں کیونکہ وہ اس قدر بے حیا ہیں کہ انہیں اپنے مظالم پر پردہ ڈالنا بھی گوارا نہیں ہے...... وہ مسکین مسلمان جسے نجانے کتنی مشقت کے بعد امداد کا ایک تھیلا ملا ہو گا، وہ اسے اٹھائے اس امید پر ایک ایک قدم اٹھا رہا ہے کہ جب وہ یہ تھیلا لے کر اپنے لٹے پٹے، ملبے کا ڈھیر بنے گھر کے قریب پہنچے گا تو اس کے بچے خشک اور پپڑی زدہ ہونٹ لیے اس کے منتظر ہوں گے، اس کی بوڑھی ماں کی نگاہیں اسے دیکھ کر امید کی کرن سے جگمگا اٹھیں گی اور اس کی قحط زدہ بیوی اپنے بچوں کے لیے زندگی کی رمق امداد کے اس تھیلے میں تلاش کرے گی۔ مگر اسرائیلی وحشیوں کو یہ کب گوارا ہے کہ کسی فلسطینی کے پیٹ میں ایک لقمہ روٹی اور ایک گھونٹ پانی بھی چلا جائے جس سے اس کے زندہ رہنے کی امید بندھ جائے۔ وہ تو اس قوم کو جڑ سے ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اپنے اسی ایجنڈے کے تحت وہ مساعدہ لے جانے والے اس مسلمان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ وہ چاہتے تو ان کے ماہر نشانہ باز اپنی پہلی ہی گولی سے اس کی جان لے لیتے...... مگر نہیں...... ان کے لیے تو یہ ویڈیو گیم ہے...... انسانوں کو خوف و دہشت میں مبتلا کر کے محظوظ ہونا اور پھر ان کے قتل سے لطف اندوز ہونا۔ پس وہ اس کے دائیں بائیں گولیوں کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ مساعدہ لے جانے والا مسلمان لڑکھڑاتا ہے اور تھیلا اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے...... وہ مسکین اس قدر مجبور ہے کہ پھر بھی اپنی جان بچانے کے لیے فرار کا راستہ اختیار کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اپنے بچوں کی جان بچانے کے لیے پھر لپک کر مساعدے کا تھیلا اٹھاتا ہے...... اب کی بار اسرائیلی گولی اسے زخمی کر دیتی ہے، وہ گرتا ہے مگر پھر اٹھتا ہے اور تھیلا اٹھا کر چلنے کی کوشش کرتا ہے...... ڈگمگاتے قدم ابھی ذرا سا ہی آگے کو بڑھتے ہیں کہ اسرائیلی گولیاں اس کی چیتھڑے اڑا دیتی ہیں...... وہ زمین پر گر جاتا ہے اور مساعدے کا تھیلا اس سے کچھ دور پڑا رہ جاتا ہے...... اس کے بچوں کی آنکھوں میں امید کی جوت بجھ جاتی ہے...... اس کی بیوی بیوہ ہو جاتی ہے اور اس کی مفلوک الحال ماں کی آنکھیں بیٹے کی خون و خون لاش دیکھ کر پتھرا جاتی ہیں...... ویڈیو گیم ختم ہو جاتی ہے اور اس نا ختم ہونے والی خونی گیم کا اگلا درجہ شروع ہو جاتا ہے......

اہلِ غزہ پر بھوک اور افلاس مسلط کرنے اور مصنوعی قحط پیدا کرنے کا نتیجہ اطفالِ غزہ کے قتل کی صورت سامنے آیا۔ یزن نامی ایک بچے کی حالت دیکھ کر انسانیت خون کے آنسو روتی ہے۔ اس کی تصویر دیکھ کر یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ تادمِ تصویر یہ زندہ ہے۔

ایک تصویر سوا سالہ سند العربی کی تھی۔ اس معصوم نے ابھی اپنی مختصر سی زندگی میں دیکھا ہی کیا تھا کہ اسرائیلی بھیڑیوں نے اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ اسرائیلی بمباری میں زخمی ہونے والے اس بچے کے چہرے کے اندر اور باہر کی طرف دو سو...... جی ہاں دو سو سے زیادہ ٹانکے لگائے گئے، ان زخموں سے ان کی زبان کا کچھ حصہ بھی کٹ گیا، اس کی جان بچانے کے لیے اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا اور اس کے دائیں بازو میں راڈ ڈالی گئی...... یہ معصوم حماس کا لیڈر تھا...... یہ کتائب قسام کا بڑا کمانڈر تھا!!!

اس تصویر میں دکھائی دینے والے اس معصوم کا سب سے بڑا جرم اس کا مسلمان گھرانے میں پیدا ہونا تھا اور اسی جرم کی پاداش میں اسے جلا کر بھسم کر دیا گیا۔

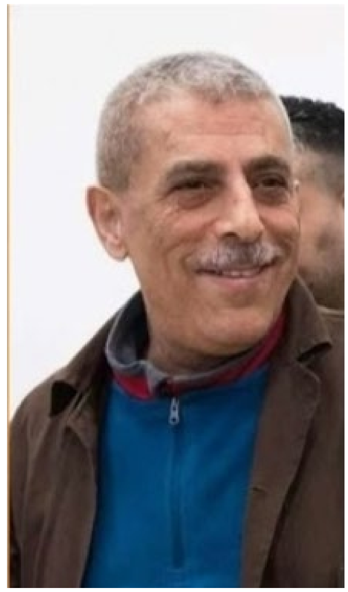

اور یہ باسٹھ سالہ فلسطینی بزرگ ولید ہیں جو اپنی زندگی کے اڑتیس برس جی ہاں اڑتیس برس اسرائیلی قید خانے میں گزارنے کے بعد زندگی کی قید سے آزاد ہو گئے۔ ان کی وفات پر اسرائیلی وزیر بن غفیر نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: افسوس ہے اس کے مرنے پر...... آخر اسرائیلی عدالت نے اسے پھانسی کیوں نہ دی!

اللہ رب العزت نے زندگی کی قید سے رہا ہونے والے اس مظلوم کو بہترین اور اعلیٰ ترین مقامات سے سرفراز کیا ہو گا ان شاءاللہ۔

اور سب سے آخر میں ہم اس باپ کا ذکر کرنا چاہیں گے کہ جن کے حوصلوں ہمت اور ایمان کے سامنے کفر کے یہ سارے حربے بے کار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ عظیم باپ جس کے چہرے سے ظاہر ہے کہ وہ بمباری کے بعد ملبے سے نکل کر آیا ہے، اس کے سامنے اس کا شہید بچہ ہے مگر وہ عزم و ہمت کی تصویر بنا اپنے مقصد سے وفا کا عزم نبھاتا دکھائی دیتا ہے۔ ایسے ابطال اور ایسے رجال کی موجودگی میں کفر کبھی بھی اہل ایمان کو شکست نہیں دے سکتا۔ انہی کے دم سے ایمان کی شمع نسل در نسل دمکتی رہے گی اور اللہ کی مدد و نصرت کے بعد انہی کے عزم و ہمت سے ان شاءاللہ خلافت علی منہاج النبوۃ کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہو گا۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: کیا مغربی فکر و اداروں کی اسلامائزیشن ممکن ہے؟

بہر حال اسلام کے قابلِ عمل ہونے کا مطلب مغربی معاشی نظام کے اداروں اور نظم و نسق کے ساتھ compatible ہونا خود ایک مغالطہ ہے۔

ج۔ مغربی علومِ معیشت اساسیات فطرتِ انسانی کا تقاضا ہیں۔ یعنی Natural ہیں۔

ایک معروف اہلِ علم نے ایڈم سمتھ کے ڈیمانڈ اینڈ سپلائی کے بارے میں لکھا ہے ”اسلام نے بازار کی قوتوں یعنی رسد و طلب کے قوانین کو تسلیم کیا ہے“۔

اسی طرح وہ تحریر فرماتے ہیں ”یہ چار بنیادی مسائل جنہیں حل کرنا ہر معاشی نظام کے لیے ضروری ہے یعنی ترجیحات کا تعین، وسائل کی تخصیص، آمدنی کی تقسیم اور ترقی۔ پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مسائل اگرچہ فطری مسائل ہیں......“

مغربی معیشت یا نظام سیاست کی بنیادوں کو فطری ماننا ایک مغالطہ ہے۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

[محترم ڈاکٹر صاحب کی یہ تحریر انٹرنیٹ پر ایک صفحے سے مستعار لی گئی ہے۔ مستعار مضامین کو مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیا جاتا ہے (ادارہ)]

عید! ہیرے لوگوں کی

علی حیدری

فلسطین کے لوگ جو حقیقت میں ہیرے لوگ ہیں، ایسے لوگ کہ جن کی صفات پہ اہلِ قلم لکھنے بیٹھیں تو پوری پوری کتابیں لکھ ڈالیں گے۔ ان بہادر پُر عزم ہیرے اور نگینے لوگوں کی عید الفطر:

آج عید الفطر کا مبارک دن ہے، ہر طرف خوشیوں کا سماں ہے۔ بچے، جوان، بوڑھے، عورتیں، ہر کوئی شاداں و فرحاں ہے۔ اللہ کا عظیم ترین مہینہ بخیر و عافیت گزر گیا اور انعامِ الٰہی کے طور پر ہمارے حصے میں عید کا مبارک دن اللہ کی جانب سے تحفے میں ملا، ہم خوش ہیں ہمارے لوگ خوش ہیں، عالم اسلام خوشیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔

لیکن ہم سے دور ایک ایسی سرزمین بھی ہے جہاں خوشیوں کو آئے ہوئے سالوں سال گزر گئے۔ جہاں بچوں کو کھلونوں کے بجائے ہر طرف لاشوں کے انبار لگے نظر آتے ہیں، جہاں نوجوانوں کو عبادت کے لیے خوبصورت مساجد کے بجائے پتھروں کے ڈھیر یا ریت کے ذرات نظر آتے ہیں، جہاں بازاروں کو مسمار کر دیا گیا، مکینوں کے مکانوں کو ملیامیٹ کر دیا گیا ہے، بچے یتیمی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، ماؤں کی گودوں سے ان کے پیاروں کو چھین لیا گیا ہے، باپ کو اپنی اولاد، بہنوں کو اپنے بھائیوں، بیوی کو اپنے شوہر سے دور کر دیا گیا ہے۔ ظالم کا ظلم بڑھتا رہا لیکن انصاف کے علمبر داروں کے کانوں پہ جوں تک نہ رینگی۔ ستاون اسلامی ممالک سمیت پوری دنیا تماشائی بن کر دیکھتی رہی۔ خوبصورت غزہ کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا، لیکن پھر بھی عرب اپنی عیش و عشرت میں ڈوبے رہے۔ ماؤں بہنوں بچوں کی چیخ و پکار نے زمین ہو آسمان کو ہلا کر رکھ دیا۔ جی ہاں! زمین ہو یا آسمان...... ہلا کر رکھ دیے گئے، لیکن پتھر دل انسان پھر بھی خاموش رہے۔

ایک بار پھر اہلِ غزہ کے کھنڈرات زدہ گھروں، عبادت گاہوں، تعلیم گاہوں میں عید الفطر کا سورج طلوع ہوا، ہمیشہ مسکراتے چہرے ایک بار پھر کھل کھلا اٹھے۔ دشمن نے ان کے چہروں سے مسکراہٹ چھیننے کے لیے پوری طاقت استعمال کر ڈالی، لیکن اہلِ غزہ اتنے ہی ہنستے مسکراتے عید سعید کی تیاریوں میں مگن ہو گئے۔ وہ اہلِ غزہ جن میں کوئی باپ کی شفقت سے تو کوئی ماں کی ممتا سے محروم، کوئی بہنوں کے پیار کو ترس رہا تھا تو کوئی بھائیوں کی محبت کو کھو دینے میں تڑپ رہا تھا، لیکن پھر بھی سلام ہے ان ہیرے اور نگینے لوگوں کو، جو خوبصورت مسجدیں اب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی تھیں، انہیں کھنڈرات میں اپنے رب کے حضور سر تسلیم خم کرنے پہنچ گئے۔ ایمان پر ثبات ہی حقیقی کامیابی ہے، دنیاوی محرومیوں کے باوجود عید کی خوشیاں کیسے منائی جاتی ہیں یہ اہلِ غزہ نے ثابت کر دکھایا۔ دنیا حیران تھی، ہر دیکھنے والی آنکھ اشکبار تھی، ہر صاحب درد کا دل تڑپ رہا تھا لیکن وہ عزیمت کے راہی اپنے رب کی رضا پر راضی زخموں سے چور بدن کے ساتھ اپنے رب کے سامنے جھک گئے۔

تمہاری گم ہوئی خوشیاں خفا جو تم سے مسکانیں
ہمیں واللہ ستائیں گی دلوں کو چیر ڈالیں گی
بھلا کر تم کو ہم اپنے وہ گھر کیسے سجائیں گے
بتاؤ ہم تمہارے بن یہ عید کیسے منائیں گے؟

اگر سچ کہوں تو غزہ والوں نے جینا سکھلا دیا۔ ۷ اکتوبر کے بعد اگر مجھ پر کوئی بھی پریشانی آئی تو خود کو مخاطب کیا: 'کیا تیرا غم و درد اہلِ غزہ سے زیادہ بڑا ہے؟' فوراً قلب و نظر و دماغ نے کہا: 'نہیں!'...... بس پھر یوں نہ لگا کہ پریشانی تو کبھی آئی ہی نہ تھی۔

حقیقی عید تو ہے ہی ان عزیمت کے راہیوں کی جنہوں نے ۳۲ ہزار شہداء دے کر اپنی جانوں کو امت مسلمہ کے لیے ڈھال بنا کر دجالی قوتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دنیا کو آزادی کا درس دیا۔ جی ہاں! اسی عید سعید کے دن ہی حماس کے قطر دفتر کے اپنے خاندان کے ساتھ شہداء کا نظرانہ پیش کرنے والے جہادی رہنما اسماعیل ہنیہ کو جب اپنے تین جوان بیٹوں اور پوتوں کی شہادت کی خبر موصول ہوئی تو دنیا نے دیکھا کہ وہ عظیم مجاہد پر سکون رہے اور کہا کہ یہ اعزاز ہے، دشمن اگر یہ سمجھتا ہے کہ میرے بیٹوں کی شہادت سے وہ ہمیں اپنے مقدس مشن سے روک لے گا تو یہ اس کا وہم ہے اور ایسا کبھی نہیں ہو گا، جہاد جاری رہے گا اور ہماری عظیم قربانیاں اسی تسلسل سے چلتی رہیں گی، ان شاء اللہ۔

یہی خبر جب جہادی رہنما اسماعیل ہنیہ نے اپنی اہلیہ جو اس سے قبل اپنے شہید بیٹوں اور دو پوتوں کے علاوہ اپنے ایک بھائی، اس کی اہلیہ، اس کے پوتے اور ایک اور بھتیجے کو بھی اسرائیلی جارحیت کے دوران کھو چکی ہیں، جو اس وقت بیماری کی وجہ سے ہسپتال میں داخل تھی۔ اسماعیل ہنیہ نے جا کر انہیں تین بیٹوں کی شہادت سے آگاہ کیا تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھی۔ واللہ یہ ایمانی قوت ہے جو اللہ کے خاص بندوں کو عطا ہوتی ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 136 پر)

تم ہی سربلند ہو گے اگر تم مومن ہو!

انجینئر زین علی

اللہ تعالیٰ نے قرانِ کریم میں مومنین کو عظیم خوشخبری سنائی:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (آل عمران: ۱۳۹)

”تم نہ تو کمزور پڑو، اور نہ غم گین رہو، تم ہی سربلند ہو گے اگر تم مومن ہو۔“

بلاشبہ چشم فلک نے دیکھ لیا اے اہل غزہ!

تم مومن ہو! تم مومن ہو! راہ عزیمت کے درخشندہ ستارو، تم مومن ہو!

اس وقت امت مسلمہ کا ہر نیک دل اہل فلسطین کے لیے تڑپ رہا ہے۔ مہینوں سے جاری خون ریزی اور ظلم بالآخر صہیونیوں کی ناکامی پر اختتام پزیر ہونے کو ہے۔ صہیونیوں کے جنگ میں جتنے بھی اہداف تھے ان میں سے کوئی بھی حاصل نہیں کر پائے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ○ (المنافقون: ۸)

”عزت تو اللہ اور ان کے رسول اور مومنین کے لیے ہی ہے۔“

- مجاہدین کی قیادت جسے شہید یا گرفتار کرنے کے عزائم تھے الحمدللہ مالک ارض وسماء نے صہیونیوں کو ان کے ناپاک ارادوں میں نامراد کیا۔
- صہیونی جو قید تھے ان میں سے کسی ایک کو بھی بزور طاقت چھڑوایا نہیں جاسکا۔
- حماس کی عسکری قوت کو ختم یا کمزور نہیں کیا جاسکا الحمدللہ۔
- بفضل خدا عوام کا اعتماد اور محبت آج بھی مجاہدین کو حاصل ہے۔ احتجاج تو کجا کسی ایک شخص نے مجاہدین کے لیے کوئی منفی جملہ تک نہیں بولا۔ دنیا بھر سے لوگ ان کی استقامت، توکل اور صبر کو دیکھ کر حیران ہیں۔ کفار دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔
- ناجائز صہیونی قبضہ پوری دنیا میں انسانی حقوق کی سنگین پامالیوں کی وجہ سے نفرت کی علامت بن چکا ہے۔
- قابض صہیونیوں کو سفارتی محاذ پر ناکامیوں کا سامنا ہے اور کئی ممالک ان سے تعلقات منقطع کر چکے ہیں۔
- عالمی عدالت انصاف سے ان کے خلاف فیصلہ ان کی مزید سبکی کا باعث بنا۔ واضح رہے اس عدالت میں شکایت کوئی مسلم اکثریتی آبادی والا ملک نہیں بلکہ ایک افریقی غیر مسلم اکثریتی آبادی والا ساؤتھ افریقہ لے کر گیا۔
- صہیونی تجارتی کمپنیاں تاریخی خسارے کا شکار ہیں۔
- صہیونی اسرائیلی کرنسی گراوٹ کا شکار ہے۔
- لاکھوں یہودی قابض ریاست کو چھوڑ کر دیگر ممالک بھاگ چکے ہیں جو آسانی سے واپس آنے کو تیار نہیں۔
- صہیونی ریاست کے محکموں میں چھٹیوں کی درخواستوں کے انبار لگ چکے ہیں۔ بڑی تعداد بغیر اطلاع غیر حاضر۔
- نظام ڈگمگا رہا ہے، کئی وزراء استعفیٰ دے چکے ہیں اور سیاسی عدم استحکام ہے۔
- ان کے اپنے شہری بڑی تعداد میں احتجاج کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مظاہرے آہستہ آہستہ پر تشدد شکل اختیار کر رہے ہیں۔
- صہیونی فوج جسے دنیا کی طاقتور ترین فوج اور جدید ترین ٹیکنالوجی سے مزین فوج خیال کیا جاتا تھا۔ آج اس کا مورال صفر ہے۔
- مجاہدین بدستور اپنے میزائل و مارٹر حملے جاری رکھے ہوئے ہیں اور دیگر طریقوں سے بھی میدان جنگ پر اپنی گرفت قائم رکھے ہوئے ہیں۔ مرکافاہ ٹینک جسے ناقابل تسخیر کہا جاتا تھا اور سات سے آٹھ ملین ڈالر کی لاگت سے تیار کیا گیا تھا، جس کے متعلق یہ دعویٰ تھا کہ اس پر کوئی ہتھیار بھی اثر نہیں کرتا، بلا مبالغہ ہزاروں کی تعداد میں نصرت الٰہی سے مجاہدین نے دیسی ساختہ ہتھیاروں سے جلا کر راکھ کر دیے۔
- بیسیوں ڈرون اور دیگر جاسوسی تیارے سائبر جہاد کے شہسواروں نے ہیک کر لیے کئی تو اب مجاہدین کے پاس موجود ہیں۔
- زمین کی تہہ میں رینگنے والے کیڑوں کو ٹھیک ٹھیک نشانہ بنانے کی صلاحیت کے دعوے کرنے والے صہیونی محض بے بس عورتوں اور بچوں کو یا بوڑھوں اور بیماروں پر وحشیانہ اور جنگی جرائم پر مشتمل بمباری کرتے رہے اور تمام عسکری اہداف سے محروم رہے۔
- مجاہدین کی سرنگوں کا نیٹ ورک مکمل طور پر فعال اور محفوظ ہے۔ اللہ کا احسان ہے سرنگوں کے جھانسے میں بڑی تعداد میں صہیونی فوجیوں کو ٹریپ کیا گیا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 140 پر)

220 دن

غزہ میں جاری اسرائیلی جارحیت

7 اکتوبر 2023 - 13 مئی 2024

شہداء*

43,640

15,971 بچے 10,382 عورتیں

39,675 عام شہری

زخمی

81,560

قیدی | جبری لاپتہ

3,140

تباہ گھر

435,400

تباہ مساجد

667

بے گھر

2,000,000

تباہ سکول

459

تباہ طبی مراکز

332

29 ہسپتال 76 کلینک

227 ایمبولینس

طبی عملہ

931

371 شہید 560 زخمی

تباہ صنعتی مراکز

2,340

تباہ میڈیا دفاتر

179

صحافی شہید

141

* شہداء کی تعداد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ملبے تلے دبے ہونے کی وجہ سے شہید تصور کیے گئے ہیں۔

بحوالہ: Euro-Med Human Rights Monitor

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کیس

الزامات، حقائق اور حکومت و اسٹیبلشمنٹ کا کردار

حذیفہ خالد

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا پاکستانی سکیورٹی فورسز کے ہاتھوں اغوا کا واقعہ تو ۲۰۰۳ء میں ہوا البتہ ۲۰۰۸ء میں ڈاکٹر عافیہ کی موجودگی کی خبر کے بعد سے ڈاکٹر عافیہ کا ایشو وقتاً فوقتاً اخبارات اور نیوز چینلز میں خبروں کا حصہ بنتا رہتا ہے۔ چاہے لوکل میڈیا ہو یا عالمی میڈیا اس میں تواتر کے ساتھ ان الزامات کی تکرار اس طرح کی گئی اور آج تک کی جاتی ہے کہ بہت سے مسلمان بھی ان الزامات کو کسی قدر سچ سمجھنے لگتے ہیں۔ دجالی میڈیا کا طریقہ واردات یہ ہے کہ ڈاکٹر عافیہ کے کیس کے متعلق کوئی چھوٹی سی خبر یا اپڈیٹ ہے وہ جب بھی دیں گے چاہے وہ چند الفاظ پر مبنی ہو، اس کے ساتھ ڈاکٹر عافیہ پر لگائے جانے والے الزامات کی پوری لسٹ بھی ضرور بیان کی جائے گی۔ اور ایسی مکروہ صحافت صرف امریکی یا بین الاقوامی میڈیا نہیں کر رہا بلکہ ہمارے پاکستانی چینلز بھی اسی گھٹیا اصول کے پابند ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی نیوز چینل یا صحافی یہ نہیں بتائے گا کہ جو الزامات میڈیا پر ۲۰۰۳ء سے آج تک تسلسل کے ساتھ لگائے جاتے ہیں اگر ان میں ایک فیصد بھی سچائی تھی تو ان کی بنیاد پر ہی امریکیوں کو کیس بنانا چاہیے تھا۔ جبکہ ایسا نہیں ہوا۔

آخر ڈاکٹر عافیہ کا جرم کیا تھا؟

امریکی الزامات کے علاوہ کچھ سازشی نظریات بھی پھیلائے گئے جیسے اس کے پاس کوئی خطرناک کیمیائی فارمولا تھا جو وہ امریکہ کو نہیں دینا چاہتی تھیں۔ بظاہر اس جھوٹ کو پھیلانے کا مقصد ڈاکٹر عافیہ کے کیس کو اتنا پیچیدہ اور خطرناک ظاہر کرنا تھا کہ لوگ ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کا خیال ہی دل سے نکال دیں۔ ڈاکٹر عافیہ کی پی ایچ ڈی بچوں کی ذہنی استعداد کے حوالے سے تھی اس کا کسی کیمیائی ہتھیار سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے آخر ڈاکٹر عافیہ کیوں نشانہ بنیں۔ اس کی ایک معقول وجہ جو سمجھ آتی ہے وہ ڈاکٹر عافیہ کی دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کے حوالے سے فلاحی سرگرمیاں تھیں۔ جس کو نائن الیون کے بعد بپھری ہوئی امریکہ کی سکیورٹی فورسز نے شدت پسندی سے تعبیر کیا۔ جن لوگوں نے ڈاکٹر عافیہ کے امریکہ میں معمولات دیکھے وہ بتاتے ہیں کہ وہ ایک چھوٹے قد کی، خاموش طبع، باتہذیب اور شرمیلی خاتون تھیں، جنہیں محفل میں کوئی مشکل سے ہی نوٹ کر سکتا تھا۔ مگر یہی لوگ یہ بھی بتاتے ہیں کہ اگر موقع پر کچھ کہنے کی ضرورت پڑتی تو پیچھے بھی نہ ہٹتی تھیں۔ ایک مرتبہ وہ مسجد میں بوسنیا کے یتیم بچوں کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کے لیے تقریر کر رہی تھیں۔ تقریر کے دوران انہوں نے وہاں موجود مرد سامعین سے بھی گلہ کر ڈالا: ’’کہاں ہیں مرد؟ مجھے ہی کیوں یہاں کھڑے ہو کر یہ کام کرنا پڑ رہا ہے؟‘‘ اور بات بھی ان کی ٹھیک تھی۔ وہ مسلمان بھائیوں سے بھرے معاشرے میں ایک بہن، ایک ماں، ایک بیوی اور ایک طالبہ ہی تو تھیں۔ وہ بھائی جو اسلام کے کسی کام کے نہ تھے......!

جب وہ MIT یونیورسٹی (امریکہ میں واقع دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں میں سے ایک) میں طالبہ تھیں تو انہوں نے مقامی جیلوں میں قید مسلمانوں تک قرآن کریم اور دیگر اسلامی مواد پہنچانے کا پروگرام مرتب کیا۔ یہ مواد وہ ایک مقامی مسجد تک پہنچانے کا بندوبست کرتیں اور پھر خود ہی مسجد جا کر وہ بھاری بکسے تنہا اٹھا کر سیڑھیوں سے تین منزلیں نیچے رکھ کر آتیں۔

یونیورسٹی کے اندر بھی ان کی اسلام سے لگن نمایاں تھی۔ ۲۰۰۴ء میں Boston Magazine (بوسٹن میگزین) میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں لکھا ہے:

> ’’جو ممبران دوسروں کو اسلامی تعلیم دینا چاہتے تھے، ان کے لیے عافیہ نے تین گائیڈ بکس (معلوماتی کتابیں) لکھیں۔ گروپ کی ویب سائٹ پر انہوں نے (اسلامی) دعوت ٹیبل چلانے کا طریقہ بیان کیا۔ یہ ٹیبل دراصل ایک معلوماتی اور استقبالیہ میز تھی جو کہ اسکولوں میں لگائی جاتی۔ اس میز پر موجود مسلمان غیر مسلموں کو اسلام کے بارے میں بتاتے اور انہیں مسلمان ہونے پر آمادہ کرتے۔‘‘

مضمون نگار مزید لکھتا ہے کہ وہ گائیڈ بکس جو عافیہ نے لکھیں، ان میں سے ایک میں لکھا تھا:

> ’’ذرا سوچیں! ہمارا یہ حقیر مگر پر خلوص دعوتی کام اگر کل کو اس ملک کی ایک بڑی دعوتی تحریک بن جائے! بس ذرا سا تخیل کریں! اور ہم کتنا ثواب کما لیں گے ان تمام لوگوں کا جو ہماری اس تحریک کے ذریعے آنے والے سالوں میں مسلمان ہوں گے۔ بڑی سوچ رکھیں اور بڑے منصوبے بنائیں۔ اللہ ہمیں یہ قوت اور اخلاص عطا فرمائے کہ ہم اپنے مخلصانہ اور خاکسار کام کو جاری رکھیں اور اسے پھیلائیں یہاں تک کہ امریکہ ایک مسلمان ملک بن جائے!‘‘

ہفتے میں ایک مرتبہ اتوار کے روز وہ اپنے راستے سے قدرے ہٹ کے مقامی مسلمان بچوں کو پڑھانے گاڑی چلا کے جاتی تھیں۔ ایک مسلمان بہن نے بتایا جو کہ عافیہ کے حلقوں میں حاضر ہوا کرتی تھیں کہ:

”عافیہ محض اس لیے یہاں آتی تھیں کہ لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیں، حالانکہ انگریزی ان کی مادری زبان بھی نہ تھی۔“

ایک اور بہن جو عافیہ کے حلقے اٹینڈ کرتی تھیں، کہتی ہیں:

”وہ ہمیں کہا کرتی تھیں کہ کبھی اس بات پر (پشیمان ہو کر) بہانے نہ بنانا کہ تم کون ہو (یعنی مسلمان ہونے پر)۔ امریکی کمزور لوگوں کی کوئی عزت نہیں کرتے۔ امریکی صرف تب ہماری عزت کریں گے جب ہم کھڑے ہوں اور مضبوط ہوں۔“

کافی سال قبل برطانیہ میں ایک مظاہرے کے دوران ٹونی بلئیر کی سسٹر اِن لاء نو مسلم خاتون لارین بوتھ کہتی ہیں:

”ڈاکٹر عافیہ کو امریکہ نے اس لیے نہیں گرفتار کیا کیونکہ وہ دہشت گرد تھیں بلکہ انہیں اس لیے گرفتار کیا کیونکہ وہ گرفتاری (اغوا) سے پہلے کئی سال تک بوسنیا کے مسلمانوں کے لیے فنڈ ریزنگ کرتی رہیں، امریکہ کے افغانستان و عراق پر حملے کے خلاف آواز اٹھاتی رہیں، She was one of the best of us۔“

ایک الزام ڈاکٹر عافیہ کے حوالے سے میڈیا میں تو بار بار بیان کیا جاتا ہے البتہ کورٹ کی کارروائی میں اس کا کہیں بھی ذکر نہیں، وہ یہ کہ خالد شیخ محمد فک اللہ اسرہ نے ڈاکٹر عافیہ کا نام لیا۔ وہ بھی ۱۷ دفعہ واٹر بورڈنگ کی ٹارچر تکنیک ان پر آزمائی گئی تب۔ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی نے اس حوالے سے ترک نشریاتی ادارے ٹی آر ٹی کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ ان کی تحقیق کے مطابق خالد شیخ محمد ایک دعا پڑھ رہے تھے، اللّٰھم إني أسئلک العافیة (اے اللہ! میں آپ سے عافیت کا طلبگار ہوں)، بس امریکی تفتیش کاروں کا خالد شیخ محمد کی زبان سے لفظ عافیہ کا سننا، عافیہ کو قصوروار ٹھہرانے کے لیے کافی تھا۔

گزشتہ دنوں ڈاکٹر عافیہ کے وکیل کلائیو سمتھ کیس کے حوالے سے تحقیق و تفتیش کی غرض سے افغانستان کے دورے پر تھے۔ ایک پوڈکاسٹ میں اس دورے میں ملنے والی معلومات بھی شیئر کیں۔ ان کے مطابق جن دنوں ڈاکٹر عافیہ کی بگرام میں موجودگی کی خبر میڈیا پر آچکی تھی اور یہ پاکستانی حکومت کے لیے ذلت و شرمندگی کا مقام تھا۔ اس وقت ڈاکٹر عافیہ کو قتل کرنے کی مکمل منصوبہ بندی ہوئی۔ ڈاکٹر عافیہ کو قید سے نکال کر بتایا گیا کہ وہ غزنی جائیں، وہاں ان کی بیٹی انہیں مل جائے گی۔ ڈاکٹر عافیہ کے ساتھ ان کے بیٹے کو بھی روانہ کیا جو پانچ سال الگ قید رکھا گیا تھا۔ انہیں ٹارچر کر کے سمجھایا گیا تھا کہ وہ کسی کو اپنا اصل نام نہ بتائیں۔ اب ڈاکٹر عافیہ کئی گھنٹے ایک مسجد کے سامنے انتظار کرتی ہیں، اتنے میں وہیں کا رہائشی ایک شخص محمد اجمل جسے اردو آتی تھی وہ ڈاکٹر عافیہ سے پوچھتا ہے وہ یہاں کیوں کھڑی ہیں، یہ جنگ زدہ علاقہ ہے اور محفوظ نہیں۔ اتنے میں افغان پولیس جنہیں فون پر اطلاع دی گئی ہوتی ہے کہ فلاں مقام پر خودکش بمبار ہے یہاں پہنچ جاتی ہے اور بندوقیں تان لی جاتی ہیں۔ اس وقت محمد اجمل پولیس اور ڈاکٹر عافیہ کے درمیان سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے اور انہیں گولی چلانے سے روکتا ہے۔ یہ نوجوان ڈاکٹر عافیہ کی جان بچانے کا سبب بنا ورنہ ڈاکٹر عافیہ کو بچے سمیت قتل کر کے خودکش بمبار ثابت کرنے کے تمام لوازمات اور منصوبے مکمل تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی مقصود تھا۔ اب اس کے بعد ڈاکٹر عافیہ کو پولیس سٹیشن لے جایا جاتا ہے، انہیں کمرے میں بٹھایا جاتا ہے جسے ایک پردے سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عافیہ جب امریکیوں کی آواز سنتی ہیں تو پریشان ہوتی ہیں کہ یہ دوبارہ پکڑنے آئے ہیں۔ پردہ ہٹا کر دیکھتی ہیں تو امریکی فوجی ڈاکٹر عافیہ کو دیکھ کر فائر کھول دیتے ہیں۔ امریکی اپنے جرائم چھپانے کے لیے قصہ گھڑتے ہیں کہ ڈاکٹر عافیہ نے ان کی ایم فور رائفل اٹھائی اور فائر کیے۔ جبکہ اس کا کوئی فارنزک ثبوت نہیں، نہ ہی ڈاکٹر عافیہ کی انگلیوں کے نشان، نہ گن شاٹ ریزیڈیو، یا گولیوں کے شیلز۔ تمام فوجیوں کے بیانات ایک دوسرے سے مختلف تھے، اس کے باوجود ڈاکٹر عافیہ کو ۸۶ سال سزا سنائی جاتی ہے۔

ڈاکٹر عافیہ کو جب افغانستان سے امریکہ لے جایا گیا اور کیس کی سماعت شروع ہوئی تو چینلز پر یہ خبر چلائی گئی کہ وہ اپنی لیگل ٹیم سے تعاون نہیں کرتی ہیں، ان سے ملنا نہیں چاہتی ہیں۔ یہ خبر پاکستان میں بھی چلائی گئی اور پھر سالوں تک وقفے وقفے سے میڈیا پر چلوائی جاتی رہی کہ ڈاکٹر عافیہ وکیل سے ملنا نہیں چاہتیں، وہ پاکستان نہیں آنا چاہتیں۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ امریکی جیل قوانین کے مطابق ڈاکٹر عافیہ سے جب بھی کوئی ملاقات کے لیے آتا تو ڈاکٹر عافیہ کو ملاقات سے قبل اور ملاقات کے بعد برہنہ تلاشی سے گزرنا پڑتا۔ اس طریقۂ کار کے متعلق یوان ریڈلی نے بھی تصدیق کی۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے اس طریقہ کار کی سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھی ہے، اگر اس برہنہ تلاشی کے دوران کوئی مزاحمت یا روکنے کی کوشش کرے تو پھر چار مرد گارڈز مزید سختی سے تلاشی لیتے جس میں شرمگاہ تک کو سرچ کیا جاتا ہے اور یہ کسی ریپ سے کم نہیں ہے۔ یوان ریڈلی کا یہ بیان ڈاکٹر عافیہ کی سزا کے ابتدائی دنوں کا ہے۔ اس طریقہ کار کی تصدیق چند سال قبل امریکہ میں انسانی حقوق کے ایک مسلم ایکٹوسٹ موری سلاخان نے بھی کی کہ یہ ابھی تک جاری تھا۔

پاکستانی اسٹیبلشمنٹ اور حکومت کا کردار

اگرچہ قومی اسمبلی میں ڈاکٹر عافیہ کے لیے قرارداد پاس ہوئی، انہیں قوم کی بیٹی کہا گیا اور مختلف سیاسی جماعتیں اپوزیشن میں ہوتے ہوئے ڈاکٹر عافیہ کے لیے آواز بلند کرتی رہیں، البتہ حکومت میں آکر تقریباً سب نے ہی بھولنے کی منافقانہ پالیسی اپنائی۔

۱. امریکی صدر کے پاس اپنے دور اقتدار کے آخر میں صدارتی معافی کا اختیار ہوتا ہے۔ ایک خبر کے مطابق اوباما دور حکومت کے آخر میں پاکستانی حکام سے پوچھا بھی گیا لیکن حکومت پاکستان کی جانب سے آفیشلی کوئی درخواست نہیں کی گئی۔

۲. دوسری دفعہ ٹرمپ کے دور اقتدار کے آخر میں ڈاکٹر عافیہ کے اہل خانہ نے اپنے وکلاء کے ذریعے اپنے طور پر صدارتی معافی حاصل کرنے کے لیے کاغذات تیار کروائے۔ اب حکومت پاکستان یہاں دوبارہ مداخلت کرتی ہے اور ڈاکٹر عافیہ کے اہل خانہ سے وہ فائل اس بنیاد پر لے لیتے ہیں کہ حکومت کی جانب سے اس کا جمع کروایا جانا مؤثر ہوگا۔ اب ان کاغذات میں ردوبدل کر دیا جاتا ہے اور اسے صدارتی معافی کی بجائے سزا میں تخفیف کے دستاویز بنا دیا جاتا ہے۔ بہر حال کسی طرح دوبارہ کوشش کی جاتی ہے کہ ٹرمپ تک صدارتی معافی کے لیے فائل پہنچے لیکن تب تک دیر ہو چکی ہوتی ہے اور ٹرمپ کی حکومت ختم ہو جاتی ہے۔

۳. یہ بات بھی سامنے آئی کہ امریکی حکام نے ڈاکٹر عافیہ کی جانب سے اپنے اہل خانہ کے لیے لکھے گئے خطوط پاکستانی سفارت خانے کے حوالے کیے اور پاکستانی سفارتخانہ ان خطوط سے ہی انکاری ہو گیا۔ یہ راز پاکستانی عدالت میں ایک سماعت کے موقع پر ظاہر ہوا کہ پاکستانی سفارتخانہ ڈاکٹر عافیہ کے لکھے گئے خطوط بھی نہیں دیتا۔

۴. کورونا کی وبا کے دوران جب امریکہ میں موجود غیر ملکی قیدیوں کو ان کے اپنے ممالک کے حوالے کیا جارہا تھا، ڈاکٹر فوزیہ صدیقی کی اپیل کے باوجود ڈاکٹر عافیہ کی حوالگی کے لیے حکومت پاکستان نے آفیشلی کوئی درخواست نہیں کی۔

۵. امریکی قیدی کے تبادلے کی ڈیل یوان ریڈلی کے مطابق افغان طالبان کے درمیان فائنل ہو چکی تھی یہاں تک کہ یہ طے ہو رہا تھا کہ ہیلی کاپٹر کس جگہ ڈاکٹر عافیہ کو اتارے گا اور امریکی قیدی کو لے جائے گا، کہ آئی ایس آئی کو پتہ لگ جاتا ہے اور وہ یہ ڈیل ناکام بناتی ہے۔

۶. اس پورے عرصے میں ڈاکٹر عافیہ کا خاندان ایک طرف تو جہاں ڈاکٹر عافیہ کی امریکہ میں قید کا دکھ سہتا رہا وہیں وقتاً فوقتاً ڈاکٹر فوزیہ صدیقی اور بچوں کو مستقل ڈرایا اور دھمکایا جاتا رہا کہ وہ ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کی کوششوں سے باز آجائیں۔ ۲۰۱۶ء میں ایک دفعہ ڈاکٹر فوزیہ کے گھر کے چوکیدار سے بچوں کی تفصیلات لینے کی کوشش کی گئی، اس نے انکار کیا تو اس غریب کو تشدد کا نشانہ بنایا۔

۷. ڈاکٹر فوزیہ صدیقی کی سینیٹر مشتاق کے ہمراہ امریکہ روانگی سے قبل بھی بچوں کو ڈرایا دھمکایا گیا۔ اس سے متعلق سینیٹر مشتاق نے ویڈیو بیان بھی دیا۔

۸. حال ہی میں ڈاکٹر عافیہ کے وکیل کلائیو سمتھ نے انکشاف کیا کہ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی کے منہ پر (کسی مجرم کی مانند) کپڑا چڑھا کر دھمکایا گیا کہ وہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی کی کوششوں سے باز آجائیں۔

۹. ریمنڈ ڈیوس کے علاوہ شکیل آفریدی کے معاملے میں بھی اب خود امریکی ہی ڈاکٹر عافیہ کے تبادلے کی بات کر رہے ہیں لیکن حکومت کی جانب سے مکمل خاموشی ہے۔ چند سال قبل امریکی تھنک ٹینک اٹلانٹک کونسل کا ایک آنلائن پروگرام ڈاکٹر عافیہ صدیقی اور پاک امریکہ تعلقات کے موضوع پر ہوا۔ وکالت کے پیشے سے منسلک داؤد غزنوی نے جو ڈاکٹر عافیہ پر ایک کتاب Aafia Unheard لکھ چکے ہیں کسی قدر بہتر انداز میں ڈاکٹر عافیہ کے کیس پر بات کی۔ بظاہر پروگرام کا میزبان بھی ڈاکٹر عافیہ کے حق میں دیے گئے دلائل سے متفق نظر آیا لیکن ستم ظریفی دیکھیے واشنگٹن میں ARY کا نمائندہ جہانزیب علی وہی روایتی زہر اگلتا ہے۔

۱۰. ایک گھٹیا حرکت جو آئی ایس پی آر کی سوشل میڈیا ٹیم تواتر سے کرتی آرہی ہیں وہ وقتاً فوقتاً ڈاکٹر عافیہ کی موت کی یا رہائی کی افواہ اڑانا ہے۔ اکثر یہ حرکت ایسے موقعوں پر کی گئی جب کسی اہم ایشو یا سکینڈل سے توجہ ہٹانا مقصود ہوتا ہے۔

یہ بھی نہایت افسوسناک بات ہے کہ جو مذہبی سیاسی جماعتیں سٹریٹ پاور رکھتی ہیں انہوں نے کبھی بھی اس ایشو کو لے کر حکومت کو ٹف ٹائم نہیں دیا۔ بالفرض قیادت گرفتار ہو جائے تو تب کارکنوں کا کیا ردعمل ہوگا۔ کیا ڈاکٹر عافیہ کے لیے بھی ویسا ہی ردعمل ہے ان کا؟

صرف کراچی جیسے شہر میں ایسے تہجد گزار سرمایہ دار بھی موجود ہیں جن کے لیے ڈاکٹر عافیہ کے کیس کی وکالت کے اخراجات برداشت کرنا کچھ مشکل نہیں۔ کیا ان میں سے کسی ایک نے بھی زحمت کی کہ وہ ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کے لیے کی جانے والی کوششوں میں تعاون کریں۔ ڈاکٹر عافیہ کے وکیل کلائیو سمتھ کے مطابق انہیں ڈاکٹر عافیہ کا کیس لڑنے کے لیے مالی معاونت کی ضرورت ہے کیونکہ امریکی نظام انصاف میں کسی کا کیس لڑنا کافی مہنگا ہے۔

وقت کی اہم ضرورت یہ بھی ہے کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے کیس میں اب تک جو کچھ ہوا، جس طرح حکومت اور فوج نے منافقانہ کردار ادا کیا ہے، یہ معلومات پھیلائی جائیں۔ علماء اور خطیب حضرات کو یہ تفصیل فراہم کریں اور انہیں راضی کریں کہ اس بابت نماز جمعہ کے خطبے میں بات کریں۔ اس طرح تمام لوگ ہی ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کی کوششوں میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

بہاولنگر واقعہ: ایک دراڑ جو دور تلک جائے گی

حذیفہ خالد

پاکستان کے شہر بہاول نگر میں عید کے روز ایک واقعہ پیش آیا جس کے ویڈیو کلپس سوشل میڈیا پر بہت وائرل ہوئے۔ اِن ویڈیوز میں کہیں پنجاب پولیس اہلکار ایک گھر میں محبوس بیٹھے نظر آتے ہیں تو کہیں فوجی وردی میں ملبوس اہلکار پولیس والوں پر تشدد کر رہے ہیں۔ تشدد سہنے والے ایک پولیس اہلکار کا کہنا تھا کہ رینجرز اور فوجی اہلکاروں نے پولیس سٹیشن کے اطراف میں لگے ہوئے کیمرے توڑ دیے اور ڈی وی آرز بھی اپنے قبضے میں لے لیں۔ بہاولنگر کے اس تھانے میں موجود دو اہلکاروں نے دعویٰ کیا کہ پولیس سٹیشن ڈویژن اے میں فوجی اہلکاروں نے نہ صرف توڑ پھوڑ کی بلکہ وہاں پہلے سے حوالات میں بند معطل شدہ پولیس اہلکاروں ایس ایچ او رضوان عباس، اے ایس آئی محمد نعیم، کانسٹیبلز محمد اقبال اور علی رضا پر 'بدترین تشدد' بھی کیا۔ پولیس اہلکاروں کے بیانات کے مطابق اس پورے واقعہ کی ابتدا آٹھ اپریل کو ہوئی۔ ایف آئی آرز کے مطابق ۸ اپریل کو پولیس کی جانب سے 'چک سرکاری روڈ' پر دو مشکوک افراد کو روکنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ نہ رُکے۔ اسی اثنا میں پولیس ان میں سے ایک شخص محمد عرفان کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئی جس سے ایک ۳۰ بور کا پستول برآمد ہوا۔ ایف آئی آر میں درج پولیس اہلکار کے بیان کے مطابق گرفتار ملزم نے اپنے ساتھی کی شناخت رفاقت کے نام سے کی اور اس کا پتہ بھی بتادیا۔ پولیس جب پتے پر پہنچی تو وہاں موجود ملزم نے اپنے بھائیوں اور اہلخانہ کو بُلا لیا جس کی جانب سے پولیس اہلکاروں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور انھیں گھر میں محبوس بھی کر لیا گیا۔ ایف آئی آر کے مطابق یرغمال بنائے گئے پولیس اہلکاروں بشمول سٹیشن ہاؤس افسر (ایس ایچ او) کو آزاد کروانے کے لیے پولیس کی اضافی نفری طلب کی گئی اور اسی دوران تین مزید افراد محمد ادریس، خلیل اور ان کے والد انور کو گرفتار کیا گیا۔ ان سب پر کارِ سرکار میں مداخلت کے الزام میں مقدمہ درج کیا گیا تھا۔ بہاولنگر پولیس اہلکاروں کی جانب سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ گرفتار کیا گیا ایک شخص پاکستانی فوج کا حاضر سروس اہلکار تھا۔ دوسری جانب ملزمان کے اہلخانہ کی جانب سے مقامی صحافیوں کو بھیجی گئی ایک ویڈیو میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ پولیس اہلکاروں نے نہ صرف خاندان کی خواتین پر تشدد کیا بلکہ ایک لاکھ روپے رشوت بھی طلب کی۔ واقعہ کے بعد پاکستان کی فوج اور پنجاب پولیس کی جانب سے یہ اعلان کیا گیا کہ بہاولنگر کے پولیس سٹیشن میں پیش آنے والے واقعہ کی شفاف اور مشترکہ تحقیقات کی جائیں گی تاکہ اصل حقائق کو منظرِ عام پر لایا جاسکے اور قانون کی خلاف ورزی اور اختیارات کے غلط استعمال کرنے والے ذمہ داران کا تعین کیا جاسکے۔

ان ویڈیوز کے سبب سوشل میڈیا پر پاکستانی فوج اور پنجاب پولیس پر کڑی تنقید بھی دیکھنے میں آئی۔ واقعہ کے بعد بعض پولیس اہلکاروں نے احتجاجاً مزید ویڈیوز اپلوڈ کیں۔ ایک ویڈیو میں ایک پولیس اہلکار فوج کو سامراج کہہ کر پکارتا ہے اور اپنی پولیس قیادت کے معذرت خواہانہ بیانات سے دلبرداشتہ ہو کر استعفیٰ دینے کا اعلان کرتا ہے اور اپنی وردی بھی جلا دیتا ہے۔ ایک ویڈیو میں ایک پولیس اہلکار افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ تشدد سہنے والے پولیس اہلکاروں نے گولیاں کیوں نہیں چلائیں۔ وہ ترغیب دیتا ہے کہ آئندہ ایسی صورتحال میں فوجیوں کو گولی مار دینی چاہیے۔ ایک پولیس اہلکار کہتا ہے 'ہمیں تھانے میں برہنہ کر کے تشدد کیا گیا، ہماری تذلیل کی گئی جبکہ اس کے جواب میں آئی جی صاحب نے اپنے ویڈیو پیغام میں پولیس پر کیے گئے احسانات گنوائے، کتنا ہی اچھا ہوتا کہ وہ اس واقعہ کے بعد اپنی پولیس فورس کے ساتھ کھڑے ہوتے، مجھ سمیت کوئی بھی یہاں ڈیوٹی نہیں کرنا چاہتا، اتنی مار کھاتے دیکھ کر اور ذلت کے بعد تو عوام میں بھی پولیس کا خوف نہیں رہا ہو گا، ہماری قیادت نے ہمیں بہت مایوس کیا ہے'۔ کئی پولیس اہلکاروں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ بہاولنگر پولیس احتجاجاً ڈیوٹی کرنے کو تیار نہیں تھی۔ ایک پولیس افسر کا کہنا تھا کہ 'بہاولنگر واقعہ نے پولیس کو کمزور کیا ہے، اور اس سے بھی زیادہ نقصان پولیس کو آئی جی صاحب کے ویڈیو میسج سے ہوا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ فوج کو اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا اچھا لگتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ ملک کے دیگر اداروں کا احترام نہ کریں۔ قانون تو سب کے لیے ہی برابر ہے'۔ اس نے مزید کہا کہ 'میں جس عہدے پر موجود ہوں مجھے شرمندگی محسوس ہو رہی ہے کہ میں کیسے اپنے جونیئرز کو جوش و جذبے سے کام کرنے کا کہوں'۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس واقعہ کے بعد پولیس میں بے چینی، غصہ اور بے یقینی کی کیفیت پائی جارہی ہے جسے اعلیٰ سطح پر نظر انداز کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ایک اور افسر نے کہا کہ 'سب اچھا ہے، ہم بھائی بھائی ہیں کا راگ سنانے سے سب ٹھیک نہیں ہو جائے گا۔ نعرے تو لگوا دیے تھے لیکن آئی جی صاحب کو چاہیے تھا کہ اپنی فورس کے لیے ڈٹ کر کھڑے ہوتے، اگر وہ ایسا فیصلہ کرتے تو ساری پولیس فورس ان کے پیچھے کھڑی ہوتی'۔ ایک ایس ایچ او کا کہنا تھا کہ 'ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ہماری کیا حیثیت ہے۔ پچھلے ایک سال سے یہی فوج اور پولیس نو مئی کے بعد مل کر کام کر رہے تھے۔ جب پولیس کی ضرورت کم ہو گئی تو فوج نے کہا کہ ہمیں یاد دہانی کروا دیں کہ اس ملک میں ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ جو جے آئی ٹی بنائی گئی ہے اس کے آخر میں قصوروار پولیس ہی نکلے گی۔ کس کی جرأت ہے کہ کوئی فوج کو قصوروار کہے، چاہے پھر وہ ہمارے آئی جی ہی کیوں نہ ہوں'۔

پولیس اہلکاروں کی ویڈیوز کے جواب میں فوجی اہلکاروں کی ویڈیوز بھی وائرل ہوتی رہیں جن میں وہ پنجاب پولیس اہلکاروں کو دھمکیاں دے رہے ہیں۔ سوشل میڈیا پر اس واقعہ کی بنیاد پر فوج و پولیس کے کردار پر اتنی تنقید ہوئی کہ فوج کو ایک سال قبل کا عاصم منیر کا وہ بیان ریلیز کرنا پڑا

جس میں وہ کے پی کے پولیس کے جوانوں کے حوصلے بڑھا رہے ہیں اور انہیں بتا رہے ہیں کہ وہ اللہ کے سپاہی ہیں۔ پرانے بیان سے شاید اس لیے کام چلانا پڑا کیونکہ نئے بیان کے لیے سپاہیوں کا سامنا کرتے ہوئے گھبرا رہے ہوں گے کہ کیا معلوم کوئی سر پھرا موصوف کو دن میں تارے دکھادے۔ موصوف کے اس بیان سے وہ امریکی جنرل یاد آ گیا جس نے ایک بیان میں افغانوں کو مخاطب کرکے سمجھانے کی کوشش کی کہ اصل میں وہ یعنی امریکی 'مجاہدین' ہیں نہ کہ طالبان۔

بہاولنگر واقعہ پر جہاں پنجاب پولیس کا کردار معذرت خواہانہ رہا وہیں حکومت بالخصوص ن لیگ بھی خاموش رہی یا فوج کا دفاع کرتی نظر آئی۔ البتہ اپوزیشن اور صحافتی حلقوں میں اس ایشو پر کھل کر تنقید کی گئی۔

فوجی اہلکاروں کی جانب سے پولیس اہلکاروں پر تشدد کوئی نیا معاملہ نہیں ہے بلکہ وقتاً فوقتاً ایسی خبریں اور ویڈیوز اخبار اور سوشل میڈیا کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ چند دن لعن طعن ہوتی ہے اور پھر لوگ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ ٹریفک پولیس اہلکاروں پر فوجیوں کے تشدد اور ان سے بدتمیزی کے لاتعداد واقعات رپورٹ ہوتے رہتے ہیں۔ وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ ٹریفک پولیس اہلکار فوجیوں کو ٹریفک قوانین یاد دلانے اور ان پر عملدرآمد کروانے کی جرأت کرتا ہے اور نتیجہ ہمیشہ ٹریفک پولیس کی پٹائی کی صورت میں نکلتا ہے۔ ایک کیس ایسا بھی ہوا جہاں پولیس اہلکار کو ایک فوجی افسر کی جانب سے اس لیے تشدد کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ وہ افسر کرکٹ میچ کے دوران سکیورٹی پروٹوکول کو بائی پاس کرتے ہوئے لوگوں کو اندر داخل کروانے کے لیے پولیس اہلکار پر زور ڈالتا رہا۔

جس طرح بہاولنگر پولیس نے چھاپے اور گرفتاری کے دوران رویہ اپنایا یہ طریقہ کار کوئی نیا نہیں ہے۔ قیام پاکستان سے قبل جب سے پولیس محکمہ انگریزوں نے قائم کیا تھا تب سے اسی طریقہ کار پر چلا آ رہا ہے بس ان کی خباثتوں میں آئے روز اضافہ ہوتا ہے لیکن فوج آگ بگولہ اس لیے ہو گئی کہ انہوں نے اپنا جو Untouchable والا امیج بنا کر لوگوں کے ذہنوں میں پیوست کیا ہوا ہے یہ اس پر کاری ضرب تھی۔ ورنہ اسی پولیس نے کیسے کیسے مظالم نہیں ڈھائے ہیں۔ بہت سے مظالم میں تو فوج باقاعدہ سرپرست رہی ہے۔

جعلی مقابلے ہوں یا جعلی مقدمے پولیس براہ راست فوج اور خفیہ اداروں کے زیر نگرانی اور ان کے اشاروں پر ہی کام کرتی ہے۔ راؤ انوار اور چوہدری اسلم جیسے درجنوں انکاؤنٹر اسپیشلسٹ جو سینکڑوں ہزاروں جعلی مقابلے کرتے ہیں مگر قانون کی گرفت میں نہیں آتے اسی لیے کیونکہ ایسا وہ فوج و خفیہ اداروں کے مکمل تعاون اور ان کے احکامات کے مطابق ہی کرتے ہیں۔ صحافی مبشر فاروق ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں جن دنوں راؤ انوار ایک معمولی سب انسپکٹر تھا اور ایک قتل کے سبب ہونے والے احتجاج اور عوامی دباؤ کی وجہ سے ڈی آئی جی اس سے تھانے کا چارج لے لیتا ہے، دوسرا افسر جب راؤ انوار سے چارج لینے تھانے پہنچتا ہے تو راؤ اسے تھانے میں ہی الٹا لٹکا کر تشدد کرتا ہے اور پھر پوچھتا ہے کہ تو کون ہوتا ہے مجھ سے چارج لینے والا۔ میں اپنی تعیناتی تو خود کرواتا ہوں۔ اس حرکت پر ڈی آئی جی پولیس مشتعل ہو کر اسے معطل کر دیتا ہے۔ اب اس وقت کے وزیر اعظم نواز شریف ڈی آئی جی کو فون کرتے ہیں کہ راؤ انوار کی معطلی کے آرڈر واپس لیں۔ ڈی آئی جی کہتا ہے میں ڈی آئی جی ہوں اور آپ ایک معمولی سب انسپکٹر کے لیے مجھے آرڈر واپس لینے کا کہہ رہے ہیں یعنی اس کے سامنے میری کوئی وقعت نہیں۔ نواز شریف اسے کہتے ہیں کہ پھر استعفیٰ دے دیں۔ یعنی راؤ انوار کی طاقت کا اندازہ لگائیے کہ ڈی آئی جی کو استعفیٰ دینا پڑا مگر راؤ انوار کو ہٹا نہیں سکا۔ صرف اس لیے کہ راؤ کی پشت پر فوج اور ایجنسیوں کا ہاتھ تھا اور وہ ان کے لیے کام کرتا تھا۔

کچھ یہی معاملہ پولیس سمیت تمام بیوروکریسی کا ہے۔ اگر آپ فوج و ایجنسیوں کے منظور نظر ہیں تو پھر آپ ۱۴ گریڈ کے ملازم ہو کر بھی ۱۸ گریڈ کے ملازم پر بھاری ہیں۔ کراچی میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب انکاؤنٹرز کے لیے مختلف تھانوں کے افسران کے مابین جوا کھیلا جاتا تھا۔ یہی حال ملک بھر کی پولیس کا ہے جو یا تو فوج و ایجنسیوں کے احکامات پر عملدرآمد کرتی ہے یا سیاسی حکومتوں کا آلہ کار بن کر مخالفین کو نشانہ بناتی ہے۔

بعض ماہرین کی نظر میں پولیس محکمے کو اصلاحات کی ضرورت ہے۔ لیکن کیا اصلاحات سے اس محکمے کی درستگی ممکن ہے؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تاریخ اور ابتدا پر بھی نظر ڈال لی جائے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد برطانوی پارلیمنٹ نے پولیس ایکٹ ۱۸۶۱ء منظور کیا جس کا بنیادی مقصد ہندوستان کے عوام کو اپنا غلام بنائے رکھنا، ان کا استحصال کرنا اور برطانوی مفادات کو تحفظ دینا تھا۔ اس ایکٹ کی منظوری کے وقت بھی ہندوستان میں اسے کالا قانون قرار دیا گیا تھا۔ قیام پاکستان سے پہلے بھی اس پولیس ایکٹ کے ذریعے عوام کو جبر اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ تھانہ کلچر پیدا ہوا جو عوام کا دشمن اور اشرافیہ نواز تھا اور آج تک ہے۔ اصولی طور پر قیام پاکستان کے بعد اس پولیس ایکٹ کو فوری طور پر تبدیل کر دینا چاہیے تھا اور محکمے کی از سر نو تنظیم سازی ہونی چاہیے تھی مگر چونکہ برطانیہ نے پاکستان کو صرف جغرافیائی آزادی دی تھی انگریزی نظام ویسے ہی برقرار رہا، جبھی ہم دیکھتے ہیں کہ فوج اور پولیس جیسے اہم محکمے جن کا انگریز کے تسلط کو برقرار رکھنے میں اہم کردار تھا وہ اپنی اصل شکل میں برقرار رکھے گئے۔

آج پولیس حکمران اشرافیہ کا ایک ہتھیار بن چکی ہے۔ اشرافیہ پولیس کے ذریعے عوام پر حکمرانی کرتی ہے۔ جیسے ہی حکومت تبدیل ہوتی ہے عوام کے نام نہاد منتخب نمائندے اپنے انتخابی حلقوں میں اپنے پسندیدہ تھانے دار تعینات کراتے ہیں۔ اگر کبھی کسی واقعے کے سبب غیر معمولی صورتحال بن بھی جائے اور عوامی دباؤ ہو تو وقتی طور پر پولیس افسران کو گھر بٹھا کر تنخواہ دی جاتی ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 140 پر)

اسلامی جمہوریت کا ملغوبہ

سِنان الداعی

پاکستان کا باسی ہونے کا تقاضا ہے کہ یہاں کے ہر شخص کو اس مملکت کا پورا نام اور دنیا کے نقشے پر اسکی کھنچی لکیروں کے ظاہر ہونے کی وجہ معلوم ہو۔ میرا خیال ہے یہ تحریر پڑھنے والوں کو تو کم از کم معلوم ہی ہو گا کہ اس ملک کو ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کہتے ہیں اور دنیا کے نقشے پر اس کو جگہ ملنے کی ظاہری وجہ جو ہر کسی کو معلوم ہے وہ یہ کہ یہ پاکستان نامی ریاست مسلمانوں کو آزادی سے اپنی مذہبی زندگی جینے کے لیے ایک کھلی فضا مہیا کرے گی۔

لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ اسلامی مملکت اور جمہوریت کا جمع ہونا ایک عجیب تناقض ہے(چاہے یہ مملکت پاکستان ہو یا کوئی اور)۔ پھر اسلام اور جمہوریت کو جمع کر کے اسے مملکت کے نام کا حصہ بنا دیا جائے تو یہ اس سے دشمن کا ایجنڈا بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ان نام نہاد آزاد لوگوں کو بھی مل کر کبھی نہیں جینے دینا(اس پر ہم آگے بات کرتے ہیں)، مگر ہم بھی اتنے بھولے ہیں کہ اس نام پر کبھی توجہ ہی نہ کی کہ اس میں کیا خرابی ہے۔ آہستہ آہستہ جب یہ نام ہمارے دماغوں میں بیٹھ گیا اور دشمن نے جمہوریت کو اسلام کا لبادہ اوڑھا کر ہمیں یہ سبق یاد کرا دیا کہ اسلام اور جمہوریت میں کوئی ٹکراؤ نہیں تو شروع میں تو ہم نے اسے کسی درجہ قبول کیا اور اس کے ذریعے یہ کوشش کی کہ اسلام کا غلبہ نہ سہی کم از کم دفاع کے لیے ہی اس نظام میں داخل ہو جائیں۔ اس نظام میں داخل ہونے کے لیے ہمارے پاس اکابر کا اس نظام کے ساتھ چلنا بھی ایک دلیل بن گیا جبکہ اُن حضرات کا اس نظام کے ساتھ چلنا ایک تجرباتی عمل تھا کہ اس نظام کی وہ شقیں جو اسلام مخالف نہیں ان کے سہارے یا اس نظام کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں کو اپنے خطے سے نکال باہر کیا جائے اور مسلمانوں بلکہ برصغیر کے باسیوں کا خون خرابہ بھی نہ ہو۔ انہوں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ یہی راہ اصلاح و جہاد ہے اور ہمارے پاس اس نظام کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں جس سے مقصد حاصل کیا جائے۔

پاکستان میں تو ہم نے جمہوریت کو مسلمان بنانے کے لیے آئین کے شروع میں قرار داد مقاصد کے اندر حاکمیت اعلیٰ اللہ رب العزت کے لیے طے کی اور گویا اللہ تعالیٰ کو ان کا حق دے کر احسان کر دیا۔ اس ملک میں قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا کی شق درج کرنے کے بعد ہم نے مملکت کو اسلامی اصولوں کی پابند ریاست قرار دے دیا اور چونکہ کلمہ تو اس ملک نے آزادی کی تحریک کے ساتھ ہی پڑھ لیا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا ''لا الہ الا اللہ'' تو اس نظریہ کے بعد پاکستان کی حیثیت ہمارے دماغوں میں اس شخص کی طرح ہو گئی جو کلمہ پڑھ کر اسلام لے آیا ہو اب عمل میں کوتاہی کے باعث اگر وہ کافر نہیں ہوتا تو پاکستان(جو قرآن و سنت کو پس پشت ڈال کر بد عملی کا شکار ہو رہا ہے) کو کیونکر اسلامی نہ کہا جائے بس جس طرح وہ کلمہ گو نو مسلم اپنے عمل کی کمزوری اور گناہوں کے مرتکب کی وجہ سے فاسق ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج نہیں تو اسی طرح ایک کلمہ گو ریاست کی بھی اتنی ہی حیثیت ہونی چاہیے۔

واضح رہے کہ کہ فرد پر عائد ہونے والے احکامات کا اجرا بعینہ ریاست پر بھی کیا جائے اس کی نظیر تاریخ اسلامی میں نظر نہیں آتی۔ ریاست کا فاسق ہونا اور صالح ہونا بھی کوئی عقیدہ ہے کہ جس کی بنیاد پر انسان تو انسان محض تصوراتی ریاستیں بھی اللہ کو راضی کریں اور اس کی رضا و عدم رضا کی بنیاد پر جنت اور جہنم میں جائیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ایسی بات تو پاکستان کو اسلامی ریاست کہنے والے اور اس میں عملی نفاذ کے نہ ہونے کے معترف بھی نہیں کہیں گے تو بس پھر جن عقائد و اعمال پر جنت و جہنم کا ثمرہ مرتب ہوتا ہو ان کا تعلق صرف انسانوں ہی سے ہے جس طرح سے جنت اور جہنم انسانوں کے لیے لیے ہے۔ تصور ریاست کا فرد کی طرح صالح و فاسق ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ صفحات کے پلندے کی چند سطروں میں لکھے تسلی بخش نظریات کو مملکت کا عقیدہ کہا جائے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ پاکستانی ریاست مسلمان مگر بے عمل ہے تو پاکستان میں صرف اپنے آئین کی خلاف ورزی ہی نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ صریح بغاوت کا علم بلند ہے۔ کون کون سے ایسے اسلام دشمن قوانین ہیں جن کو جاری نہیں کیا جا رہا؟ سود کو حلال کرنے کی درخواست علماء سے کی جا رہی ہے جبکہ اس عمل کے ذریعے اعلان جنگ تو طویل عرصے سے کیا جا چکا ہے، ٹرانس جینڈر ایکٹ جیسے بے حیا اور بے شرم بل کو پاس کر کے اپنے اوپر پتھروں کی بارش کو دعوت دی جا رہی ہے، حقوق نسواں بل کے ذریعے صنف نازک کی عفت و عصمت کو تار تار کیا جا رہا ہے اور بہت کچھ ہے جو بلا کسی شش و پنج کے کفر سے رضا مندی کی ظاہر و بین دلیل ہے تو کیا اب بھی ہم اس ملک کو اسلامی جمہوریہ ہی کہیں……؟؟؟

یہاں تک تو ہم نے اتنی بات کی کہ اسلامی جمہوریہ کو ہم نے کس طرح قبول کیا اور مملکت میں اسلام کے نفاذ کے نہ ہونے کے باوجود بھی ہم اس کو اسلامی ریاست کہنے پر ہی ڈٹے ہوئے ہیں۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ کیا ''اسلامی جمہوریہ'' کا بھی کوئی ملاپ ہو سکتا ہے؟ کاش ہم اس ملاوٹ کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں……!

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جو بات اہل ملت کو سمجھائی گئی ہے اس سے تو پیچھے ہٹنے کی کسی صورت میں بھی گنجائش نہیں ہے پھر خاص طور پر اس دور نازک میں جس میں ملت اسلامی پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ قرآن پکار رہا ہے:

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

’’اور تم سب اللہ کی رسی کو تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑو۔‘‘

اب بات آتی ہے کہ کیا جمہوریت چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ ہونے کا اقرار کرتی ہو، اس میں اس آیت پر عمل ہونا ممکن ہے؟ اس آیت کی تعلیم پر عمل ہی ہماری قوت کی اساس ہے، اجتماعیت ہی میں ہماری اٹھان کا راز پوشیدہ ہے۔ لیکن جمہوریت کا تقاضا یہ ہے کہ بہر صورت میدان میں دو جماعتیں تو ہوں ہی جن میں اقتدار کے حصول کی رسہ کشی ہو اور دو سے زائد کی کوئی قید نہیں۔ اب یہ جمہوریت اگر کفار کی ممالک میں ہے تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں بلکہ اس میں ہمارا فائدہ ہے کہ ہم ان کی ٹوٹ پھوٹ سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اب کسی ایسے ملک جسے اسلامی کہا جا رہا ہو اور اس کی اکثریت مسلمانوں کی ہو تو وہاں پر جمہوریت مسلمانوں کو آپس کی اجتماعیت توڑنے کی تعلیم دیتی ہے۔ اجتماعیت کے ٹوٹنے کو دو صورتیں ہیں:

۱. اس ملک کے مسلمان آپس میں اسلامی اور سیکولر جماعتوں میں تقسیم ہوں گے۔
۲. یا پھر مسلمانانِ ملک مختلف مذہبی جماعتوں میں منتشر ہوں گے۔

پہلی والی صورت میں تو کسی بھی اسلامی مملکت کے اندر کسی بھی سیکولر فکر کو پنپنے کی گنجائش نہیں کیونکہ اس فکر کا مطلب ہی دین کو سرے سے مٹا دینا ہے۔ سیکولرزم کی تعریف اس نظریہ کے سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ سیکولرزم کی تعریف یہ ہے:

"فصل الدين عن الدول و الحياة"

یعنی دین کو زندگیوں اور حکومت سے الگ کرنا۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب ’’لادینیت‘‘ ہے۔ کیمبرج ڈکشنری میں سیکولرزم کی تعریف یوں کی گئی ہے:

> **Secularism:** The belief that religion should not be involved with the ordinary social and political activities of a country.

> ’’**سیکولرزم:** یہ نظریہ کہ مذہب کو کسی ملک کی عمومی معاشرتی اور سیاسی سرگرمیوں میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔‘‘

یہ ہے سیکولرزم اور اس نظریہ کی حامل جماعتوں کی حقیقت۔ ان کی اس دین دشمنی اور لادینیت کی بنا پر اگر سوچا جائے تو اس ملک میں تو پھر کسی بھی سیکولر پارٹی کا وجود برداشت نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس سوچ کو پھیلانے والوں کا خاتمہ بھی ہمارا فرض بنتا ہے۔ پاکستان کو ’’اسلامی جمہوریہ‘‘ کہا جاتا ہے لیکن یہاں پر تو جمہوریت کا سہارا لے کر سیکولر جماعتیں بھی کرسی پر بیٹھنے کے لیے میدان میں آتی ہیں ان کا تو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خاتمہ ضروری ہے۔ ان جماعتوں کی حریف جماعتیں عام طور پر مذہبی ہوتی ہیں گو کہ دیگر سیکولر جماعتوں سے مقابلہ بھی ہوتا ہے (اور جمہوریت کا تقاضا تو یہی ہے کہ آپس میں جماعتوں کی تقسیم برقرار رہے اور ایک دوسرے سے مسابقت کی فضا گرم رہے، چاہے مذہبی جماعتیں ہوں یا نہ ہوں) اور ان کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ مذہب کو اس سیاست سے کلی طور پر بے دخل کر دیا جائے۔ یہ جماعتیں اقتدار میں آنے کے بعد آہستہ آہستہ دین کو اپنی تعریف کے مطابق معاشرت اور سیاست سے جدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ آج تک پاکستان میں مذہبی جماعتوں کے مقابلے میں یہ جماعتیں جیتتی ہوئی آرہی ہیں اور مسلسل انہیں جماعتوں کی حکومت رہی ہے۔ مذہبی جماعتوں کو الیکشن میں آج تک ایسی کامیابی نہیں مل سکی کہ کرسی کی قوت کے ذریعے ملک میں اسلام نافذ کر سکیں۔ حکومت جب سیکولر افراد چلا رہے ہوں تو پھر پتہ نہیں ملک اسلامی رہے گا بھی کے نہیں، یہ آپ خود ہی سوچیں کیونکہ جس طرز فکر کا حکمران غالب ہو گا اور مملکت کی باگ ڈور سنبھالے گا وہی لیبل اس ملک کا حق ہونا چاہیے۔ یہ تو ناانصافی ہے کہ سیکولرزم کے حامی حکومتیں بھی چلائیں اور انہیں یہ حق بھی نہ دیا جائے کہ ملک کے نام کو بدنام کریں۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ بھی ہے کہ حکومت ہو لادینوں کی اور اُن (مسلمانوں) کو یہ ڈھکوسلا دیا جاتا رہے کہ ان کا ملک بدستور اسلامی ہی ہے۔

یہ ہے پہلی صورت اور اسلام ایسی جمہوریت کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ دوسری صورت جس میں ہم فرض کر لیتے ہیں کہ کوئی بھی لادین جماعت ملک کی جمہوری سیاست میں حصہ نہیں لے سکی، صرف مذہبی جماعتیں ہیں ملکی جمہوری سیاست کے ساتھ چلنے کی اہل ہوں گی تب بھی اسلام کی نظر میں یہ قابل قبول نہیں۔ اسلامی جمہوریت میں ہمارے ساتھ اسلام کا نام ہونے کی وجہ سے مذہبی جماعتوں میں صرف مذہبِ اسلام کی نام لیوا جماعتوں کو ہی ’’سیاسی مذہبی جمہوری‘‘ پارٹی بنانے کا اور الیکشن میں حصہ (برائے نام) لینے کا حق حاصل ہے۔ تو اب ہم نے یہ فرض کر لیا کہ اس ملک میں گویا کوئی سیکولر، لبرل اور غیر مسلم پارٹی نہیں۔ صرف اسلامی جماعتیں ہیں۔ پھر جماعتیں کیوں بنانی پڑیں؟ اس لیے کہ ملک جمہوری ہے اور جمہوریت میں دو یا دو سے زائد جماعتیں لڑ جھگڑ کر اقتدار حاصل کرتی ہیں۔ تو ہمیں جمہوری ہونے کے ناطے پارٹیاں بنانی پڑیں گی۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ یہ صورت بھی اسلام کو تسلیم نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعیت بہر صورت اس میں بھی انتشار کا شکار ہو گی۔ دو یا اس سے زائد اسلامی پارٹیاں بنانے کا جواز ہی کیوں ہو جبکہ اسلام تو ایک ہی ہے۔ حکم تو تمام مسلمانوں کو ہے اللہ تعالیٰ کی رسی تھامنے کا۔ اللہ کی رسی (قرآن کریم) بھی ایک ہی ہے۔ قرآن کریم کی تشریح بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح بھی وہی معتبر ہے جو اسلاف کے فہم کی روشنی میں ہو۔

(بقیہ صفحہ نمبر 140 پر)

کہ معرکے ہیں تیز تر

عزالدین مہاجر

ماہِ اپریل (رمضان المبارک و شوال المکرم) میں مجاہدینِ تحریک طالبان کی جانب سے پاکستانی سکیورٹی اداروں کے خلاف کل چھیانوے (۹۶) کاروائیاں ہوئیں۔ تحریک طالبان پاکستان کی جاری کردہ رپورٹ کے مطابق ان کارروائیوں میں ایک سو نو (۱۰۹) اہلکار ہلاک جبکہ ایک سو چونتیس (۱۳۴) زخمی ہوئے۔

یہ کارروائیاں پاکستان کے مختلف اضلاع اور شہروں میں کی گئیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

علاقہ	کاروائیاں	علاقہ	کاروائیاں
ڈیرہ اسماعیل خان	۱۶	ٹانک	۵
شمالی وزیرستان	۱۶	بنوں	۷
لکی مروت	۹	خیبر ایجنسی	۱۳
پشاور	۲	باجوڑ ایجنسی	۹
شانگلہ	۱	بونیر	۱
سوات	۱	کوئٹہ	۲
قلعہ عبداللہ	۱	لاہور	۲
مردان	۱	لسبیلہ	۱
ہرنائی	۱		

مجاہدین نے دشمن کے ۱۰ عدد کیمرے، ۷ عدد فوجی گاڑیاں اور ۲ عدد پولیس موبائل ویز کو بھی نشانہ بنایا۔

ان کارروائیوں کے نتیجے میں مجاہدین کو ۵ عدد کلاشنکوفیں، ۲ عدد جی تھری، اور متعدد گولیاں و مختلف فوجی سازوسامان غنیمت میں حاصل ہوا۔

اسلام کی بنیاد پر حاصل کیے جانے والے اس ملک میں آج تک اسلامی نظام کا قیام عمل میں نہیں آسکا۔ اس ملک میں جس کسی نے بھی نفاذ شریعت کے لیے آواز اٹھائی تو اسے یا تو بندوق و توپ کے زور پر خاموش کیا گیا یا ہمیشہ کے لیے پابند سلاسل۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ توفیق بخشی کہ وہ اس نظام اور ان کی غلام افواج کے خلاف جہاد جاری رکھیں۔ اس ملک کی بقا کا واحد راستہ نفاذ شریعت ہے اور دعوت و جہاد کے راستے سے ہی اسلامی نظام کا قیام ممکن ہے۔ شریعت ہی عوام کے غموں کا مداوا ہے، شریعت ہی اس ملک اور اس کی عوام کو معاشی بحران سے نکال سکتی ہے، شریعت ہی ظالم کا ہاتھ روک کر مظلوم کو اس کا حق دے سکتی ہے اور شریعت ہی اس ملک میں جاری فحاشی و عریانی کے سامنے بند باندھ سکتی ہے۔

فوج اور عسکری اداروں میں کام کرنے والوں کو پیغام!

مفتی ابو منصور عاصم نور ولی محسود (حفظہ اللہ)

پاکستان کے فوجی اداروں میں کام کرنے والوں کو ہمارا یہ پیغام ہے کہ آپ بھی اس مٹی اور وطن کے بیٹے ہیں، آپ کے آباء واجداد نے پاکستان سے الحاق اس شرط پر کیا تھا کہ یہاں ایک آزاد اور خود مختار اسلامی نظام ہو گا، لیکن گزشتہ ستتر (۷۷) سالوں سے یہ بات خوب واضح ہو گئی کہ پاکستان پر جو غلام اور کرائے کا فوجی اور سیاسی ٹولہ مسلط ہے وہ فقط استعماری قوتوں کے نوکر ہیں، ان کے مفادات کے لیے کرایہ پر کام کرتے ہیں، ان کے مفادات کے لئے ہمارے وطن اور عوام پر غیروں کی جنگیں مسلط کرتے رہتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ پاکستان ایک آزاد اور خود مختار اسلامی نظام کا مالک ہو کر اسلامی دنیا کی قیادت کر سکے اور اسلامی دنیا کو موجودہ بحرانوں سے نکالنے میں کردار ادا کرے، اور یہ غلام ٹولہ اسی کوشش میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ ڈالر جمع کر کے ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے آقاؤں کے یہاں (یعنی مغربی دنیا میں) جائیدادیں خرید کر فیملی سمیت وہاں منتقل ہو جائیں، اور تسلسل کے ساتھ اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔

تو اس رواں جنگ میں آپ لوگ چند ہزار روپوں کے عوض ان غلام و عیاش جرنیلوں اور ان کرپٹ سیاستدانوں کے مفادات کے لیے اُن مجاہدین کے ہاتھوں حرام موت کیوں مرنا چاہتے ہیں، جنہیں پانچ سو جید اور ممتاز علماء کرام و مفتیانِ عظام کے عظیم الشان فتویٰ کی تائید حاصل ہے؟ جس کی روشنی میں آئے دن مجاہدین اسلام پاکستان کی ڈالر خور، دختر فروش اور غلام فوج کے خلاف کارروائیوں میں مصروفِ عمل ہیں۔

اگر آپ اپنی دینی وایمانی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اس غلام اور اسلام دشمن صف سے نکل آئیں اور اپنے مجاہدین بھائیوں کے ساتھ جہاد کی مبارک صف میں کھڑے ہو جائیں یا فوجی صف کے اندر اپنی بندوقوں کے بیرلز کسی غلام اور اسلام دشمن جرنیل کی طرف کر کے اس کا کام تمام کر دیں تو اس میں آپ حضرات کی حقیقی نجات اور کامیابی ہے، آپ کا یہ مبارک اقدام اور جہاد وطن عزیز کی آزادی، خود مختاری اور استحکام کی طرف ایک اہم پیش رفت ثابت ہو سکتا ہے۔

بابری مسجد اور رام جنم بھومی تحریک کی تاریخ

نعمان حجازی

رام، رام جنم اور رام جنم بھومی کی حقیقت

رام مندر تو بن گیا اور اس سے ہندوؤں کو دیگر فوائد کے ساتھ یہ فائدہ بھی ہوا کہ رام کی پیدائش کے حوالے سے پورے ہندوستان میں پایا جانے والا اختلاف کم از کم ہندوستان کی سطح پر تو ختم ہو گیا۔ ورنہ ہندو مذہب کے دیگر تمام معاملات کی طرح رام کا جنم اور اس کی جنم بھومی (جائے پیدائش) دونوں ہی مضحکہ خیز تضادات کا مجموعہ ہیں۔

رام کا تعارف

رام کا ذکر اور اس کی ساری کہانی ہندوؤں کی مقدس کتاب رامائن میں آئی ہے۔ رامائن در حقیقت ایک رزمیہ مثنوی ہے جس میں شاعری کے انداز میں رام کی زندگی کی داستان سنائی گئی ہے۔ ہندو رامائن کو اپنی تاریخ کے حوالے سے دو اہم ترین کتابوں میں سے ایک مانتے ہیں، اس میں دوسری کتاب مہابھارت ہے جبکہ در حقیقت یہ دونوں تاریخ کی کتابیں نہیں بلکہ دیومالائی داستانیں ہیں۔

رام کے جنم کے حوالے سے ہندوؤں میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ رام کا جنم کب ہوا اس کی آراء پر تو بعد میں آتے ہیں لیکن اس سے پہلے اس بات پر بھی تین آراء ہیں کہ رام کا جنم ہوا بھی یا نہیں۔

۱. ایک رائے ویدوں کو ماننے والے آریا سماج اور ان جیسا نظریہ رکھنے والے طبقے کی ہے۔ جن کی نظر میں اصل ہندو دھرم صرف ویدوں کی حد تک محدود ہے جب کہ اس کے بعد لکھی گئی کتابیں یعنی 'پرانے' اور سمرتیاں اور اتہاس وغیرہ ان کا ہندو دھرم سے کوئی تعلق نہیں۔ ہندو دھرم میں جتنے بھی دیوی دیوتاؤں کا ذکر ہے ان کا ذکر ویدوں میں نہیں ملتا بلکہ ویدوں کے بعد کی کتابوں میں ملتا ہے۔ اسی لیے آریا سماج اور ان کے ہم فکر طبقے رام کو ایک حقیقی شخص نہیں سمجھتے بلکہ رامائن کو بھی ایک دیومالائی داستان تصور کرتے ہیں۔ اس طرح اس طبقے کے نزدیک چونکہ رام کوئی حقیقی شخص نہیں تھا بلکہ ایک دیومالائی داستان کا کردار تھا اس لیے اس کا جنم تو در حقیقت ہوا ہی نہیں۔ ہندوؤں میں جدید تعلیم یافتہ طبقے کا بھی ایک بڑا حصہ اب اس طرف مائل ہو رہا ہے۔

۲. دوسری رائے ان قدامت پرست ہندوؤں کی ہے جو رام کو ایک حقیقی خدا کا درجہ دیتے ہیں اور اسے انسانی حدود و قیود سے آزاد سمجھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ رام زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے اس لیے اس کے جنم کو کسی خاص وقت اور دور میں قید نہیں کیا جا سکتا۔

۳. تیسری رائے اکثریتی روایت پسند ہندو طبقے کی ہے جو رام کو ایک حقیقی شخص تصور کرتے ہیں جو ایک خاص دور میں ایک خاص مقام پر پیدا ہوا، جس کی ایک دنیاوی زندگی تھی جس میں اس کے ماں باپ تھے، خاندان تھا۔ اور پھر اس کی دنیاوی زندگی ختم بھی ہوئی۔

یہ تیسری رائے ہی ہندوستان میں رائج اور مقبول ہے جبکہ باقی دونوں آراء اقلیتی درجہ رکھتی ہیں۔ لیکن تضاد یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ رام کو ایک حقیقی شخص تصور کرنے والوں کے درمیان بھی رام کے حوالے سے بہت تضاد پایا جاتا ہے، جسے وقت کے ساتھ ساتھ قوم پرست ہندوؤں نے خالص سیاسی وجوہات کی بنا پر ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔

رام کا اوّلین ذکر

رام کا ذکر ہندوؤں کی بہت سی قدیم تحاریر میں ملتا ہے۔ خود رامائن کے بھی، جسے رام کے حوالے سے ایک مستند تحریر تصور کیا جاتا ہے، تین سو سے زائد نسخے ہیں اور رام کے حوالے سے سب میں تضاد پایا جاتا ہے۔ سب سے پہلے رام کا ذکر 'دشرتھ جتک' (Dasharatha Jataka) نامی کتاب میں ملتا ہے۔ یہ رام کا تعارف کروانے والی اوّلین کتاب مانی جاتی ہے۔ اس میں رام کا تعارف کچھ اس طرح کروایا جاتا ہے کہ رام دشرتھ کی پہلی بیوی کا بڑا بیٹا تھا۔ دشرتھ موجودہ ہندو عقائد کے برعکس ایودھیا کی بجائے ورانسی (بنارس) کا بادشاہ تھا۔ دشرتھ کی پہلی بیوی سے دو اور بچے بھی تھے۔ رام سے چھوٹا بیٹا 'لکھن کمار' (Lakhana Kumar) اور ان کی بہن 'سیتا دیوی' (Sita Devi)۔ اس کہانی کے بقول دشرتھ کی دوسری بیوی رام و لکھن کی جان کی دشمن تھی کیونکہ وہ اپنے بیٹے بھارت کمار (Bharat Kumar) کو رام کی جگہ تخت کا وارث بنانا چاہتی تھی۔ اس سے بچنے کے لیے دشرتھ نے رام اور لکھن کو بارہ سال کے لیے جلا وطن کر دیا، اور سیتا بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ چلی گئی۔ دشرتھ نو سال بعد مر گیا اور اس کے مرنے کے بعد لکھن اور سیتا سلطنت میں واپس آ گئے لیکن رام نے اپنی جلا وطنی کا وقت پورا کیا

اور بارہ سال پورے ہونے پر ہی واپس سلطنت آیا۔ واپس پہنچ کر اس نے اپنی بہن سیتا سے شادی کر لی اور بنارس کا بادشاہ بن گیا۔[1]

والمکی رامائن میں رام کا ذکر

رام کا قصہ جسے سب سے زیادہ آج تسلیم کیا جاتا ہے وہ ایک ہندو شاعر والمکی (Valmiki) کی ایک رزمیہ مثنوی 'رامائن' میں ملتا ہے۔ والمکی کے علاوہ بھی رامائن اور بہت سے شاعروں نے لکھی لیکن یہ بات حتمی طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ کونسی رامائن سب سے پہلے لکھی گئی۔ لیکن آج اکثریت والمکی کی رامائن کو ہی مستند تسلیم کرتی ہے، بلکہ یہاں تک دعویٰ کیا جاتا ہے کہ والمکی رام کے دور میں موجود تھا اور اس کی رام سے ملاقات بھی ہوئی۔ والمکی رامائن کے بھی بہت سے نسخے مشہور ہیں اور اگرچہ بنیادی کہانی تو رامائن کے تمام نسخوں میں ایک ہی ہے لیکن کہانی کے مختلف پہلوؤں اور مختلف واقعات کے حوالے سے بہت تضاد پایا جاتا ہے۔

والمکی کے مطابق رام 'کوشالا' (Kosala) سلطنت کے بادشاہ 'دشرتھ' اور اس کی ملکہ 'کوشلیا' (Kausalya) کے گھر میں سلطنت کے دارالحکومت ایودھیا میں پیدا ہوا۔ رام کا ایک سگا بھائی 'لکشمن' (Lakshmana) تھا۔ جب کہ دشرتھ کی دوسری بیوی 'سمیترا' (Sumitra) کے بھی دو بیٹے تھے بھارت (Bharata) اور شترگھن (Shatrughna)۔[2] بعض دیگر روایات کے مطابق سمیترا کا بیٹا شترگھن تھا جبکہ بھارت دشرتھ کی تیسری بیوی کائی کیئی (Kaikeyi) کا بیٹا تھا۔

والمکی کے بقول 'سیتا' سلطنت 'متھلا' (Mithila) کے بادشاہ 'جنکا' (Janaka) کی بیٹی تھی۔ رام نے اس سلطنت میں تیر سے نشانہ بازی کے ایک مقابلے کے ذریعے سیتا کا ہاتھ جیت لیا اور شادی کر کے اسے واپس ایودھیا لے آیا۔

اسی دوران دشرتھ بادشاہ کی بیوی سمیترا یا کائی کیئی نے بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ بادشاہ نے بہت پہلے وعدہ کیا تھا کہ کوئی ایک خواہش ضرور پوری کرے گا چاہے جو بھی ہو، اور اس کی خواہش ہے کہ رام کو دندکا (Dandaka) کے جنگلات میں چودہ سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے۔ دشرتھ کو یہ مطالبہ ماننا پڑا اور رام اپنی بیوی سیتا کے ساتھ کوشالا سلطنت چھوڑ کر چلا گیا اور اس کا بھائی لکشمن بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

جب جنگل میں بھٹکتے ہوئے دس سال گزر گئے تو ایک دن سلطنت لنکا (موجودہ سری لنکا) کے بادشاہ 'راون' (Ravana) نے سیتا کو دیکھ لیا اور اس پر عاشق ہو گیا، اور اسے اغوا کر کے اپنی سلطنت لے گیا۔

یہاں اس کہانی میں بعض انتہائی مضحکہ خیز روایات بھی پائی جاتی ہیں۔ رامائن کے بعض نسخوں میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ لنکا میں راون کے چھ ایئرپورٹ تھے۔ اور راون سیتا کو اغوا کر کے ہوائی جہاز پر لنکا لے کر گیا۔ ان ہوائی جہازوں یا اڑن کھٹولوں کو اترنے یا پرواز کرنے کے لیے رن وے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ یہ اترتے وقت خود سکڑ جاتے تھے اور پرواز کے وقت خود پھیل جاتے تھے۔

رام اور لکشمن نے سیتا کو آزاد کروانے کے لیے جنوب کی جانب سفر شروع کیا اور راستے میں ان کے ساتھ بندروں کی ایک فوج شامل ہو گئی جس کا کمانڈر 'ہنومان' رام کا ساتھی بن گیا۔

رام جب راون سے لڑنے کے لیے ہندوستان اور لنکا کے کنارے پر پہنچا تو بندروں کی فوج نے گزرنے کے لیے وہاں سمندر میں پل بنایا، اس کو بنانے میں ایک کروڑ بندروں نے کام کیا۔ بندر بڑے بڑے پتھر لاتے تھے اس پر رام کا نام لکھتے تھے اور اسے سمندر میں ڈال دیتے تھے اور رام کے نام کی وجہ سے وہ پتھر ڈوبتے نہیں تھے بلکہ پانی میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہ پل پانچ دن میں مکمل ہوا جس سے بندروں کی فوج گزر کر لنکا پہنچی۔

رام نے لنکا پہنچ کر بندروں کی فوج کے ذریعے راون سے مقابلہ کیا اور ایک لمبی جنگ کے بعد راون کو شکست دے دی اور پھر رام اور لکشمن سیتا کو لے کر واپس بھی ہوائی جہاز کے ذریعے گئے۔[3،4]

رام کی ایودھیا واپسی پر وہاں کے لوگوں نے جشن منایا اور اس کے استقبال میں چراغ جلائے۔ ہندوؤں کا تہوار 'دیوالی' بھی رام کی ایودھیا واپسی کے جشن کے طور پر منایا جاتا ہے اور اس میں چراغ جلائے جاتے ہیں۔

واپسی کے بعد رام ایودھیا کا بادشاہ بن گیا اور اس دور کا آغاز ہوا جسے آج 'رام راج' کہا جاتا ہے۔ بادشاہ بننے کے بعد افواہ پھیلی کہ 'سیتا' راون کے ساتھ اپنی مرضی سے بھاگ گئی تھی۔ رام نے لوگوں کی افواہوں پر یقین کر لیا، سیتا سے علیحدہ ہو گیا اور اس سے کہا کہ وہ اپنی بے گناہی ثابت کرے۔ اس کے بعد اس قصے میں مزید تضادات نظر آتے ہیں۔

---

1. Historical Evolution of the Ram Legend by Suvira Jaiswal, Social Scientist, Vol. 21, (1993), p. 89
2. A History of Indian Literature by Moriz Winternitz Volume 1, (1981)
3. The Ramayana of Valmiki: An Epic of Ancient India by Robert P. Goldman, Vol 1 (1984)
4. Facts about the Ramayana you never knew – Artofliving.org

بعض قصوں میں کہا جاتا ہے کہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے اسے انگاروں پر چلنے کا کہا گیا۔ اگر وہ بنا جلے کامیابی سے انگاروں سے پار ہو جاتی ہے تو بے گناہ اور اگر جل جائے تو گناہ گار۔ سیتا نے انگارے پار کر لیے اور اس کی بے گناہی ثابت ہو گئی۔ اس کے بعد رام کے سیتا کے ساتھ کوشا اور لاوا نامی دو جڑواں بیٹے بھی ہوئے۔

بعض دیگر قصوں میں کہا جاتا ہے کہ سیتا کو اس بات کا شدید غم تھا کہ رام نے اس پر اعتماد نہیں کیا اور وہ اس غم میں مر گئی۔ اس قصے میں پھر تضاد ہے۔ بعض کہتے ہیں سیتا مر گئی اور رام لمبے عرصے تک حکومت کرتا رہا۔ جبکہ بعض دیگر قصوں میں آتا ہے کہ سیتا کے مرنے کے غم میں رام نے پانی میں ڈوب کر خودکشی کر لی۔

لیکن روایات میں اس تضاد کو تضاد نہیں کہا جاتا نہ ہی کسی ایک روایت کو غلط اور کسی ایک کو حقیقی کہا جاتا ہے۔ یہ روایات علاقوں میں تقسیم ہیں۔ جس علاقے کے مزاج کے مطابق جو روایت بیٹھتی ہے وہ اسے قبول کر لیتا ہے، لیکن دوسری روایت کو بھی جھوٹا نہیں کہتا۔

رام جنم

جس طرح رام کے قصے کے دیگر تمام پہلو تضادات سے بھرے ہوئے ہیں۔ اسی طرح رام کا جنم (پیدائش) بھی تضادات کا مجموعہ ہے۔ لیکن ان تضادات کی نوعیت مختلف ہے۔ رام کا قصہ چونکہ ایک دیومالائی داستان ہے اس لیے ہر قصہ گو نے اس میں اپنے مزاج کے مطابق اضافے اور کمیاں کی ہیں۔ لیکن راج کا جنم کب ہوا اس میں تضاد کی وجہ ہندوؤں کی داستانوں کی مضحکہ خیزی کو کسی تاویل کے ذریعے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق کرنا ہے۔ لیکن اس سے قبل کہ ہم رام کے جنم کی تاریخ پر بات کریں، ہندومت میں وقت اور ادوار کو سمجھنا ضروری ہے۔

چتر یگ (Chatur Yuga): ہندو روایات میں تاریخ کے ادوار

یگ ہندو روایات میں ایک دور کو کہا جاتا ہے۔ ہندو روایات میں دنیا میں وقت چار ادوار میں تقسیم ایک چکر ہے جسے چتُر یگ کہتے ہیں۔ ہر چکر تینتالیس لاکھ بیس ہزار (4,320,000) سال پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے چاروں ادوار میں پہلا دور سب سے لمبا ہوتا ہے جب کہ بعد میں آنے والا ہر دور پچھلے دور سے پچیس فیصد چھوٹا ہوتا ہے۔ ہر دور تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک اس دور کا طلوع، ایک بنیادی دور اور ایک اس دور کا غروب۔ دور کا طلوع اور غروب مکمل دور کے دس دس فیصد حصے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ چار ادوار درج ذیل ہیں:

۱. ستیا یگ (Satya Yuga) یا کرِتا یگ (Krita Yuga)

ستیا یگ کا مطلب ہے سچائی یا اخلاص کا دور جبکہ کرِتا یگ کا مطلب ہے نیکی کا دور۔ یہ دور ۱۷ لاکھ ۲۸ ہزار سال طویل ہے۔ مہابھارت میں اس دور کے حوالے سے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہوئے لکھا ہے:

> ”آدمی نہ بیچے جاتے تھے نہ خریدے جاتے تھے، نہ کوئی غریب تھا نہ امیر۔ کسی کو مشقت کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ انسان کو جو چاہیے ہوتا تھا وہ اپنی قوت ارادی سے حاصل کر لیتا تھا۔ اہم ترین خوبی تمام دنیاوی خواہشات کا ناپید ہونا تھا۔ کرِتا یگ میں کوئی مرض نہیں تھا...... تب نہ نفرت تھی نہ حسد یا کسی بھی قسم کے برے جذبات، نہ ہی غم تھا اور نہ ہی خوف۔“[۵]

ہندومت کے مطابق اس کرِتا یگ کا آغاز ۳۸ لاکھ ۹۱ ہزار ایک سو دو قبل مسیح میں ہوا۔

۲. تریتا یگ (Treta Yuga)

تریتا یگ ہندومت میں چتُر یگ کا دوسرا دور ہے۔ یہ دور ۱۲ لاکھ ۹۶ ہزار سال طویل ہے۔ اس دور کا آغاز ۲۱ لاکھ ۶۳ ہزار ایک سو دو قبل مسیح میں ہوا۔ سنسکرت میں ’تریتا‘ کا مطلب ہے تین کا مجموعہ۔ یہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ہندومت کے مطابق اس دور میں ویشنو کے تین اوتار آئے جو کہ بالترتیب وامن (Vamana)، پرَشُرام (Parashurama) اور رام تھے۔

۳. دواپرا یگ (Dvapara Yuga)

دواپرا یگ چتُر یگ کا تیسرا دور ہے، اور یہ ۸ لاکھ ۶۴ ہزار سال طویل ہے۔ اس دور کا آغاز ۸ لاکھ ۶۷ ہزار ایک سو دو قبل مسیح میں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے دو ادوار میں ’وید‘ ایک ہی تھی جبکہ اس دور میں یہ چار حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ رِگ وید (Rig Veda)، سام وید (Sama Veda)، یاجُر وید (Yajur Veda) اور آتھرؤ وید (Atharva Veda)۔

۴. کالی یگ (Kali Yuga)

کالی یگ، چتُر یگ کا چوتھا، سب سے چھوٹا اور سب سے برا دور مانا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ موجودہ دور کالی یگ میں آتا ہے جو کہ تنازعات اور گناہوں سے اٹا ہوا ہے۔ یہ دور چار

[۵] Vana Parva, Mahabharata

لاکھ بتیس ہزار (432,000) سال طویل ہے۔ اس کا آغاز ۳۱۰۲ قبل مسیح میں ہوا اور یہ اب تک جاری ہے اور ہندومت کے مطابق اس کا اختتام ۴ لاکھ ۲۸ ہزار آٹھ سو نانوے عیسوی میں ہو گا جس کے بعد چتر یگ پھر سے کرِتا یگ سے شروع ہو جائے گا۔

رامائن کے مطابق رام کا جنم 'تریتا یگ' میں بارہ لاکھ سال پہلے ہوا، اور اس نے گیارہ ہزار سال حکومت کی۔ صدیوں تک ہندوؤں کا نظریہ یہی رہا، لیکن پچھلی صدی میں جدید تعلیم یافتہ طبقے نے اس پر سوال اٹھانا شروع کر دیے اور اس کے خلاف منطقی دلائل لے کر آئے۔

اس کے جواب میں اگرچہ قدامت پرست ہندوؤں نے، جن میں موجودہ حکمران جماعت بی جے پی اور اس کے رہنما بھی شامل ہیں، اس نظریے کا دفاع کیا اور کہا کہ جس طرح سامی مذاہب آدمؑ کی پیدائش کے حوالے سے بات کرتے ہیں وہ بھی جدید سائنس سے مطابقت نہیں رکھتی لیکن یہ ان کا مذہبی عقیدہ ہے تو یہ ہمارا مذہبی عقیدہ ہے۔ مزید اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ سائنسدان مغرب کے حوالے سے جانبدار ہیں اس لیے وہ ہمارے عقائد کے بارے میں جانبدارانہ رائے دیتے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود ہندو دانشوروں نے ہندومت کی ساکھ بچانے کے لیے نئی تاویلیں گھڑیں اور ان تاویلوں کو حکومتی سطح پر ترویج بھی دی گئی۔

ایک نظریہ جسے سب سے زیادہ پذیرائی ملی اور جسے آج سب سے زیادہ تسلیم بھی کیا جاتا ہے وہ ۲۰۰۴ء میں پیش کیا گیا پشکر بھٹناگر (Pushkar Bhatnagar) کا نظریہ ہے جس نے اپنی پیچیدہ تاویلوں کے ذریعے سے یہ دعویٰ کیا کہ رام کی پیدائش ۱۰ جنوری ۵۱۱۴ قبل مسیح میں دن ساڑھے بارہ بجے ہوئی۔

رامائن میں رام کی پیدائش کے وقت کے حوالے سے سیاروں اور ستاروں کے ایک خاص مقام پر ہونے کا ذکر آیا ہے۔ رامائن میں ذکر ہے کہ رام کی پیدائش قمری مہینے 'چھیتر' کی ۹ تاریخ کو ہوئی جب چاند اور مشتری مشرق سے سرطان کی علامت میں ابھر رہے تھے، اس کے علاوہ سورج، مریخ، زحل اور زہرہ کے بھی اپنی علامات کے ساتھ مقام کا ذکر ہے۔ بھٹناگر نے ایک فلکیات سے متعلق کمپیوٹر سافٹ ویئر کے ذریعے سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ سیاروں اور ستاروں کے جن مقامات کا ذکر کیا گیا ہے تاریخ میں یہ کب اس مقام پر اکٹھے تھے تو اس سافٹ ویئر کے ذریعے سے اس نے یہ تاریخ اخذ کی کہ ایسا ۱۰ جنوری ۵۱۱۴ قبل مسیح دن ساڑھے بارہ بجے ہوا۔

لیکن اگر یہ بات درست ہے تو پھر رامائن میں بیان کیے گئے چترُ یگ غلط ہو جاتے ہیں اس لیے رام کی پیدائش کی یہ تاریخ ثابت کرنے کے لیے ضروری تھا کہ چترُ یگ کے چاروں ادوار کی بھی کوئی تاویل پیش کی جائے۔ اس مقصد کے لیے بھٹناگر نے چترُ یگ کے نئے اندازے پیش کیے جو درج ذیل ہیں:

- ایک مکمل چترُ یگ: ۱۲۰۰۰ شمسی سال

---

۱. ستیا یگ: ۴۸۰۰ شمسی سال
۲. تریتا یگ: ۳۶۰۰ شمسی سال
۳. دواپرا یگ: ۲۴۰۰ شمسی سال
۴. کالی یگ: ۱۲۰۰ شمسی سال

بھٹناگر نے اپنا یہ نظریہ نشر کر دیا۔ لیکن نشر کے کچھ عرصہ بعد اسے احساس ہوا کہ اگر چترُ یگ بارہ ہزار سال کا ہو تو پھر اس کا نظریہ کہ رام ۵۱۱۴ قبل مسیح میں پیدا ہوا ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے لیے ایک چترُ یگ کو ۱۰،۰۰۰ سال کا ہونا چاہیے۔ اس لیے اس نے اپنی نئی رائے پیش کر دی کہ چترُ یگ اصل میں دس ہزار سال کا ہوتا ہے۔

لیکن پھر بھی اس کے اس اندازے میں خامی رہ گئی۔ درحقیقت رامائن میں چاروں ادوار کی جو خاصیتیں بیان کی گئی ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی وقت کے اعتبار سے جو بھی تاویل کی جائے اس میں خامی رہنی ہی تھی۔ بھٹناگر کی پیش کردہ ادوار کی نئی تقسیم کو اگر درست مان لیا جائے تو اس کے مطابق اس وقت ستیا یگ ہونا چاہیے لیکن ستیا یگ کی تعریف میں جو زمین و آسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی اس وقت پورا نہیں ہوتا۔ اس لیے سب ہندوؤں کا ماننا ہے کہ اس وقت کالی یگ چل رہا ہے۔

اس لیے ہندوؤں نے رام کے جنم کی نئی تاریخ یعنی ۵۱۱۴ قبل مسیح کو تو خوب پھیلایا لیکن اس سے جڑی ادوار کی تقسیم کو گول کر گئے۔

اس میں ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ اگر انسانی تاریخ اور آثار قدیمہ سے ملنے والے شواہد پر دیکھا جائے تو جو قصہ رامائن میں آیا ہے اس طرح کسی بادشاہ کا وجود بارہ ہزار قبل مسیح میں بھی ناممکن ہے کجا یہ کہ وہ بارہ لاکھ سال قبل مسیح میں موجود ہوں۔

اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر رام جنم کی جدید تاریخ یعنی ۵۱۱۴ قبل مسیح کو قبول کر لیا جائے تو کسی بادشاہ اور سلطنت کے وجود کا مسئلہ تو حل ہو جاتا ہے لیکن ایک دوسرا مسئلہ پھر بھی رہ جاتا ہے کہ رام کے باپ دشرتھ کو 'دشرتھ' کہتے اس لیے تھے کہ اس کے پاس دس رتھ (chariot) تھے۔ اب دشرتھ کے پاس 'دس رتھ' ہونے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے پہیہ ایجاد ہو چکا ہو۔ تاریخ اور آثار قدیمہ کے شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی بار پہیے والی کسی سواری کا استعمال ۲۱۰۰ قبل مسیح میں ہوا۔ پہلی بار کسی کے گھوڑا گاڑی چلانے کے آثار بابل میں ۲۰۴۰

قبل مسیح میں ملتے ہیں۔ جبکہ جنگوں میں گھوڑوں کے ساتھ رتھ کے استعمال کے آثار ۱۵۰۰ قبل مسیح کے بعد ملتے ہیں۔ اس لیے منطقی طور پر دشرتھ کا دور اس کے بعد کا ہونا چاہیے۔

اب ۲۰۲۰ء میں ایک ہندو دانشور 'دیوُدت پٹ نائک' (Devdutt Pattanaik) نے اپنی کتاب ''The Book of Ram'' میں دعویٰ کیا ہے کہ تاریخی شواہد سے لگتا ہے کہ رام کا دور ۱۲۵۰ قبل مسیح کے آس پاس تھا اور اس کے ایسا دعویٰ کرنے کی وجہ بھی مذکورہ بالا شبہات ہیں۔[۱] لیکن اس بات کو تسلیم کرنے میں رامائن کی بہت سی چیزوں کو رد کرنا پڑے گا بلکہ نہ صرف رامائن کی بلکہ ہندوؤں کی اور بہت سی کتابوں میں جو چترُ یگ کے چاروں ادوار کا ذکر آیا ہے ان سب کو رد کرنا پڑے گا۔ اور اگر ان کو رد کر دیا جائے تو رام کی کہانی بھی رد ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر چترُ یگ کے مسئلے کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے یہی مان لیا جائے کہ رام واقعی کوئی حقیقی شخصیت تھی اور یہ کہانی کسی درجے میں سچ ہے اور رام کا دور ۱۲۵۰ قبل مسیح کے آس پاس ہی تھا، تب بھی اس کا موجودہ ایودھیا میں ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ موجودہ ایودھیا میں ۵۰۰ قبل مسیح سے قبل آبادی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

رام جنم بھومی کی حقیقت

بابری مسجد کو شہید کیے جانے سے قبل بلکہ اس کے بعد تک بھی ہندوؤں میں کبھی اس بات پر اتفاق رائے نہیں پایا گیا کہ رام کی اصل جائے پیدائش (جنم بھومی) کون سی ہے۔ اس اختلاف کو بابری مسجد کی جگہ پر رام مندر بنانے کے ایک سیاسی مقصد کے حصول کے لیے طاقت اور پراپیگنڈہ کے زور پر دبا دیا گیا۔

رام کے حوالے سے اور پھر اس کے جنم کے حوالے سے اختلاف رائے ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ جہاں تک اس کی جنم بھومی (جائے پیدائش) کے بارے میں اختلاف کی بات ہے تو یہ دو طرح کا ہے:

۱. کیا رام ایودھیا میں ہی پیدا ہوا یا کہیں اور؟
۲. کیا موجودہ ایودھیا وہی ایودھیا ہے جس کا والمکی رامائن میں ذکر ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ اولین تحاریر جن میں رام کا ذکر آیا ان میں رام کی جنم بھومی (جائے پیدائش) کو ایودھیا کی بجائے ورانسی (بنارس) لکھا گیا ہے، لیکن یہ رائے آج مقبول نہیں۔

جو لوگ سمجھتے ہیں کہ رام ایودھیا میں ہی پیدا ہوا اس میں بھی ایودھیا میں کس مقام پر پیدا ہوا اس پر اتفاق نہیں۔ بابری مسجد کی شہادت سے قبل ایودھیا شہر میں چھ دیگر مقامات تھے جن کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا تھا کہ رام کی اصل جنم بھومی یہ ہے۔

خود بابری مسجد کو رام جنم بھومی ماننے والے بھی ایک بات پر ٹکے نہیں رہے۔ ۱۸۵۵ء میں جب تنازع کا آغاز ہوا تب ہندوؤں کا دعویٰ بابری مسجد کے صحن میں ایک مقام کے حوالے سے تھا کہ یہ مقام رام جنم بھومی ہے اور وہاں انہوں نے ایک چبوترہ بنایا اور اسے رام چبوترہ کا نام دیا۔

لیکن جب ۱۹۴۹ء میں انتہا پسند ہندوؤں نے مسجد کے اندر مورتیاں رکھ دیں اس کے بعد یہ دعویٰ کیا جانے لگا کہ رام کی جنم بھومی بابری مسجد کے اندر درمیانی گنبد کے عین نیچے ہے۔

لیکن رام جنم بھومی کو ایودھیا میں ماننے والوں میں یہ اختلاف بھی پایا جاتا ہے کہ آیا رامائن میں ذکر کیا گیا ایودھیا اور موجودہ ایودھیا ایک ہی ہیں؟

اس سوال کے پیچھے بڑی وجہ یہی ہے کہ جیسا پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ رام کے دور کے حوالے سے جو قریب ترین اور جدید ترین دعویٰ کیا جاتا ہے وہ بھی ۱۲۵۰ قبل مسیح کا کیا جاتا ہے جبکہ موجودہ ایودھیا میں آبادی کے آثار ۵۰۰ قبل مسیح سے پہلے نہیں ملتے۔ اس لیے اصل ایودھیا کے حوالے سے بہت سے دعوے کیے گئے۔

۱۹۹۰ء سے لے کر اب تک رام جنم بھومی کے حوالے سے ۸ مختلف دعوے کیے جا چکے ہیں۔ جن میں سے ایک مصنف ایم وی رتنام نے یہ مضحکہ خیز دعویٰ بھی کیا کہ رام اصل میں قدیم مصر کا فرعون رامسس دوم (Ramses II) تھا۔

ذیل میں ان دعووں کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہوں نے میڈیا میں شہرت پائی۔

ہرات، افغانستان

ان میں سے ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ رامائن میں ذکر کیا گیا ایودھیا افغانستان کے علاقے ہرات میں ایک شہر تھا اور یہی رام کی اصل جنم بھومی ہے۔ یہ رائے ہندو تاریخ دان شیام نارائن پانڈے نے ۱۹۹۲ء میں اپنی ایک کتاب میں ذکر کی ہے۔

۲۰۰۰ء میں ایک ہندو فزکس دان راجیش کوچھار نے بھی اپنی کتاب ''The Vedic People: Their History and Geography'' میں دعویٰ کیا کہ رام کی اصل جنم بھومی موجودہ مغربی افغانستان اور مشرقی ایرانی علاقوں میں تھی۔ اور ایودھیا شہر وہاں آباد تھا۔ اس کی رائے تھی کہ آریاؤں کی عادت تھی کہ جب نئی جگہ پر منتقل ہوتے تھے تو اپنے پرانے

---

[۱] Was Ram born in Ayodhya? Devdutt Pattanaik, Mumbai Mirror, 6 August 2020

علاقوں کی یاد میں نئی جگہوں کے نام بھی بدل کر اپنی پرانی جگہوں جیسے رکھ لیتے تھے۔ اس لیے جب آریا قومیں وسطی ایشیاء سے برصغیر منتقل ہوئیں تو انہوں نے یہاں کے علاقے کا نام بھی بدل کر ایودھیا رکھ لیا۔

باناوالی، ہریانہ

۱۹۹۸ء میں ایک ہندو ماہر آثار قدیمہ ایم وی این کرشن راؤ نے وادئ سندھ کی تہذیب سے ملنے والے نوادرات کا مطالعہ کرنے کے بعد دعویٰ کیا کہ ہندوستان کی ریاست ہریانہ کا علاقہ باناوالی رام کی اصل جنم بھومی ہے۔ اس کے بقول یہ علاقہ پہلے ایودھیا تھا پھر بعد کی صدیوں میں اس کا نام بدل کر باناوالی رکھ دیا گیا۔ راؤ نے دعویٰ کیا کہ رام اصل میں سومیری (Sumerian) بادشاہ رِم سن اوّل (Rim Sin I) تھا اور اس کا دشمن راون اصل میں بابلی (Babylonian) بادشاہ حمورابی (Hammurabi) تھا۔ راؤ کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ اس حوالے سے ابہام کی وجہ یہی ہے کہ آریائی قومیں جب مشرق کی جانب ہجرت کر رہی تھیں تو وہ اپنے قدیم علاقوں کے ناموں پر نئے علاقوں کے نام رکھ رہے تھے۔

ڈیرہ اسماعیل خان، پاکستان

آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا (ASI) کے سابق افسر جسورام نے اپنی تحقیق میں یہ دعویٰ کیا کہ رام کی اصل جنم بھومی پاکستان کے ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے علاقے رحمان ڈھیری میں ہے۔ اس دعوے کو ۲۰۱۵ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سیکریٹری اور ترجمان عبد الرحیم قریشی نے اپنی کتاب "Facts of Ayodhya Episode (Myth of Ram Janmabhoomi)" میں اٹھایا اور دعویٰ کیا کہ رحمان ڈھیری کا سابقہ نام 'رام ڈھیری' تھا۔

اس نے مزید کہا کہ رام کا باپ بادشاہ دشرتھ 'ساپتاسندھو' کا بادشاہ تھا جس کا علاقہ ہندوستان کے ہریانہ، ہندوستان اور پاکستان کے پنجاب اور افغانستان کے مشرقی علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اور ویدوں اور 'پرانوں' میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ رام کی جنم بھومی وادئ گنگا میں ہے۔

ایودھیاپوری، تھوری، نیپال

ان تمام دعووں میں سب سے مضبوط دعویٰ نیپال کا ہے۔ ۲۰۲۱ء میں نیپال کے وزیر اعظم نے دعویٰ کیا کہ رام کی اصل جنم بھومی نیپال میں ہے۔ اس دعویٰ کے پیچھے بہت سے دلائل پیش کیے جاتے ہیں جن میں سے اہم درج ذیل ہیں:

- رامائن میں جسے ایودھیا کہا گیا اسی جگہ کو مہابھارت میں ایودھیاپوری کہا گیا۔ لیکن انڈیا میں موجود ایودھیا کا نام کبھی ایودھیاپوری نہیں رہا جبکہ ایودھیاپوری نیپال میں موجود ہے۔
- سیتا کی پیدائش جنک پور، نیپال میں ہوئی۔ جنک پور سے ایودھیاپوری کا فاصلہ ۱۵۰ کلومیٹر ہے۔ رامائن میں آیا ہے کہ رام سیتا سے شادی کرنے کے لیے اپنی گھوڑا گاڑی پر جنک پور ایک دن میں پہنچا۔ یہ صرف نیپال کی ایودھیاپوری سے ممکن ہے کیونکہ انڈیا میں موجودہ ایودھیا سے جنک پوری تک کا فاصلہ پانچ سو کلومیٹر سے زیادہ ہے۔
- رامائن میں ہے کہ جب سیتا پر الزام لگا کہ وہ اپنی مرضی سے راون کے ساتھ بھاگ گئی تھی تو رام نے اپنے بھائی کو کہا کہ سیتا کو والمکی آشرم چھوڑ آئے۔ لکشمن سیتا کو گھوڑا گاڑی پر والمکی آشرم چھوڑ کر اسی دن گھر واپس آگیا۔ والمکی آشرم ایودھیاپوری کے مغرب میں پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے جبکہ انڈیا میں موجودہ ایودھیا سے والمکی آشرم کا راستہ ۶۰۰ کلومیٹر ہے۔ اس لیے ایسا کرنا صرف ایودھیاپوری سے ہی ممکن تھا۔
- رامائن میں آیا ہے کہ ایودھیا سارایو دریا کے کنارے آباد تھا۔ سنسکرت میں سارا کا لفظ جھیل کے لیے آتا ہے، اس لیے سارایو ایسا دریا ہے جو کسی جھیل سے نکلتا ہو۔ اس دریا کا دوسرا نام سرسوتی ہے اور اسے پروَت اگھنی بھی کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے وہ دریا جو پہاڑیوں میں گھستا، انہیں چیرتا اور کاٹتا ہوا گزرتا ہو۔ رامائن میں جس سارایو کا ذکر ہے وہ ایودھیاپوری کے نزدیک بہتا ہے اور بولنے کے انداز میں وقت گزرنے کے ساتھ تبدیلی آنے کی وجہ سے دریا کا نام سارایو سے صرف 'رایو' رہ گیا۔ دوسرا دریا جس کا ذکر رامائن میں آتا ہے وہ دریائے تماسا ہے اور وہ بھی ایودھیاپوری کے نزدیک بہتا ہے۔

اختتامیہ

رام کے قصے کی حقیقت پڑھنے سے بابری مسجد تنازع میں ہندوؤں کے کردار کے بہت سے پہلوؤں کی سمجھ آجاتی ہے۔ اس قصے سے ایک بات تو واضح نظر آرہی ہے کہ درحقیقت یہ ایک دیومالائی داستان ہے اور اس کا حقیقت سے کچھ تعلق نہیں۔ لیکن قصے میں بھی دروغ گوئی کا بے دریغ اور بے باکانہ استعمال اور پھر اسے ایک مذہبی کتاب کا درجہ دے کر یہ کہنا کہ یہ سو فیصد حقیقت ہے، اس نے ہندوؤں کا مزاج بنا دیا ہے کہ انہیں کسی بھی قسم کا جھوٹا دعویٰ کرنے میں ہلکی سی بھی عار محسوس نہیں ہوتی، اور اپنے مفادات کے حصول کے لیے مذہب کا استعمال اور اپنے مذہب کے حوالے سے ہی جھوٹے دعوے کرنا ان کے لیے کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

۱۹۴۹ء میں چھپ کر خود مورتیاں مسجد میں رکھنا اور پھر یہ اعلان کر دینا کہ 'چمتکار' (معجزہ) ہو گیا اور بھگوان خود اس جگہ پر نمودار ہو گئے، یہ بذات خود اپنے ہی دین کا مذاق اڑانا ہے لیکن

انہیں اس میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے بڑے خود بھی اپنے مذہب کی حقیقت سے آگاہ ہیں اور وہ عام لوگوں کے مذہبی جذبات کا استحصال کرنے کے لیے مذہب کو بطور آلہ استعمال کرتے ہیں۔

اس سے ایک اور بات بھی سمجھ آتی ہے کہ لوگوں کی اکثریت دلیل اور منطق کو نہیں سمجھتی بلکہ جذبات کی رو میں ہی بہتی ہے اور انہیں جذبات کے ذریعے ہی چلایا جاتا ہے ورنہ یہ سوال پوچھنے کے لیے کوئی بڑی دانشمندی تو درکار نہیں کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو بارہ لاکھ سال پہلے پیدا ہوا اس کی جائے پیدائش اتنی دقیق انداز میں معلوم ہے کہ وہ بابری مسجد کے درمیانی گنبد کے عین نیچے پیدا ہوا۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عوام کا مجموعی حافظہ کمزور ہوتا ہے اور جب کسی بات کا پورے زور و شور سے پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے تو وہ بھول جاتے ہیں کہ اس سے پہلے کیا تھا۔ اسی لیے جب ۱۹۴۹ء کے بعد یہ شور مچا کہ رام کی جنم بھومی عین درمیانی گنبد کے نیچے ہے تو کسی نے یہ سوال نہیں کیا کہ پچھلی تقریباً ایک صدی سے تو جنم بھومی مسجد کے صحن میں رام چبوترا تھا یہ اچانک درمیانی گنبد کے نیچے کیسے پہنچ گئی؟

ایک اور بات بھی واضح نظر آتی ہے کہ ہندو قوم پرستوں کے لیے مذہب ایک سیاسی آلے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ جہاں ان کو اپنا مفاد حاصل کرنا ہوتا ہے وہ مذہب کا کارڈ استعمال کرتے ہیں اور اس کے ذریعے لوگوں کے جذبات بھڑکا کر ہر دلیل اور منطق کی آواز کو دبا دیتے ہیں۔ رام جنم بھومی کے حوالے سے سپریم کورٹ کا فیصلہ کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ بابری مسجد کے مقام کی رام جنم بھومی ہونے کے حوالے سے کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں، آثار قدیمہ والوں نے اتنا تو کہہ دیا کہ اس کے آثار ملے ہیں کہ یہاں شاید پہلے کوئی مندر تھا لیکن آثار قدیمہ کی یہ بات نظر انداز کر دی گئی کہ یہاں تو ۵۰۰ قبل مسیح سے پہلے کوئی آبادی نہیں تھی تو پھر بارہ لاکھ سال قبل یہاں کوئی بادشاہ کیسے حکومت کر سکتا تھا جس کا بیٹا رام یہاں پیدا ہوا؟ بس اسی بات پر فیصلہ کر دیا گیا کہ چونکہ اتنے سالوں سے ہندوؤں کی اتنی بڑی تعداد ایسا سمجھتی ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہی رام جنم بھومی ہے۔

بات بابری مسجد پر ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ یہ تو پہلا قدم تھا یا خود ہندو قوم پرستوں کے بقول یہ تو صرف جھلکی تھی۔ ان کا ارادہ تو ہندوستان کی تمام مساجد کو ختم کرنا ہے۔ بابری مسجد کے معاملے میں حکومت اور عدلیہ کا کردار سب کے سامنے ہے۔ وہی عدالت جس نے بابری مسجد کو بلا جواز و دلیل رام جنم بھومی قرار دے دیا اسی نے اب گیان واپی مسجد کے تہہ خانے میں مندر بھی بنوا دیا ہے۔ کیا پھر بھی کسی کو ان عدالتوں سے امید ہے؟ قوم پرستوں نے بابری مسجد گرا کر کہا تھا، یہ تو ابھی جھاکی ہے، کاشی متھرا باقی ہے۔ کاشی کی گیان واپی مسجد کی باری تو آچکی، تہہ خانے میں مندر کھولنے کے بعد آدھی مسجد تو مندر میں تبدیل ہو چکی اگر صورتحال ایسی ہی رہی تو باقی بھی کر لیں گے، متھرا کی شاہی عید گاہ کو مندر بنانے کے لیے مہم بھی زور و شور سے جاری ہے، اِدھر اُدھر دیگر مساجد بھی منہدم کی جا رہی ہیں، تیس ہزار سے زائد مساجد کو مندر بنانے کی فہرستیں بھی جاری ہو چکیں۔ تو مسلمان کیا صرف نظارہ دیکھتے رہیں گے؟ اس امید پر کہ شاید اس چناؤ میں بھاجپا سرکار نہ بنا سکے اور ان چیزوں سے جان خلاصی ہو جائے۔ پہلی بات تو یہ کہ اس کا کوئی امکان نہیں۔ کوئی اور پارٹی اتنی مضبوط نہیں لیکن فرض کریں ایسا ہو بھی جاتا ہے اور سرکار کوئی اور پارٹی بنا لیتی ہے پھر بھی پچھلے دس سالوں میں ہندوتوا دی جس قدر طاقتور ہو چکے ہیں اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ کوئی سرکار ان سے دشمنی کرنے کا خطرہ مول لے سکتی ہے تو اسے پھر اس خواب سے بیدار ہو جانا چاہیے۔ جب تک مسلمان غیرت کا مظاہرہ نہیں کرتے، اللہ کے گھروں کو بچانے کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار نہیں ہو جاتے، کافروں پر تکیہ چھوڑ کر، اپنے درمیان دھڑے بندیاں ختم کر کے اپنے دین و دنیا کی حفاظت کے لیے متحد و متفق نہیں ہو جاتے، یہ مسجدیں اور عزتیں، یہ گھر اور دکانیں یونہی بے یار و مددگار دشمن کے ہاتھ میں کھلونا بنتی رہیں گی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۱۱)

”یقین جانو کہ اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی نہ لے آئے۔“

جہادی تحریکات ہماری گردنوں پر قرض ہیں!

میرے پیارے مجاہد بھائیو!

یہ جہادی تحریکات میری اور آپ کی ذاتی وراثت نہیں ہوتیں بلکہ یہ ہماری گردنوں پر اُن ہزاروں شہداء کا خون ہے جو میزائلوں اور بموں سے اڑا دیئے گئے، یہ ہماری گردنوں پر قرض ہے اُن سسکیوں کا جو ہمارے اسیر بھائیوں کی زبانوں سے ٹارچر سیلوں میں نکلیں اور اُن کو اُن کے رب کے علاوہ کسی کان نے نہیں سنا، یہ آہیں ہیں اُن بیواؤں کی جو ملک بھر میں شریعت کے نفاذ کی خاطر دل کی گہرائیوں سے اٹھیں اور سینوں ہی میں دبا دی گئیں۔ یاد رکھئے! یہ جہادی تحریک ان ہزاروں یتیم بچوں کی معصومیت کا بوجھ ہماری گردنوں پر ہے جن کے باپ ہنستے مسکراتے موت کو اس امید پر گلے لگا گئے کہ ان کے مجاہد ساتھی اس جہادی (Cause) کو نقصان نہیں پہنچنے دیں گے، اس سے غداری نہیں کریں گے۔

شیخ الامیر مولانا عاصم عمر شہید رحمہ اللہ

اخباری
کالموں کا جائزہ

شاہین صدیقی

بھارت | **الیکشن ۲۰۲۴ء**

انڈیا میں لوک سبھا کے انتخابات جاری ہیں جو کہ پانچ مرحلوں میں ہو رہے ہیں۔ جن میں پہلا مرحلہ ۱۹ اپریل کو ہوا۔ ابھی چار مرحلے باقی ہیں۔ اور نتائج کا اعلان ۵ جون کو کیا جائے گا۔ انتخابات کا انعقاد عین رام نومی تہوار کے فوراً بعد کیا گیا۔ جس میں ہر سال کی طرح اس سال بھی ہندو مسلم فسادات کا خطرہ تھا، جس سے بچنے کے لیے جہاں جہاں سے رام نومی کا جلوس گزرا وہاں موجود مسجدوں کو مسلمانوں نے سفید غلاف سے ڈھانپ دیا۔ لیکن پھر بھی جلوس میں موجود بھگوا شر پسندوں نے مساجد کے سامنے کھڑے ہو کر مسلمانوں کے خلاف اور ہندتوا کے حق میں خوب نعرے بازی کی اور اونچی آواز میں میوزک لگا کر مسلمانوں کی ایذا رسائی کی۔ اس طرح جس مسلم مخالف ماحول میں انتخابات ہو رہے ہیں، مسلمانوں کے لیے کسی خیر کی امید نظر نہیں آتی۔ ماحول اس قدر مسلم مخالف ہے کہ کانگریس اور دیگر سیکولر جماعتیں (عام آدمی پارٹی اور سماج وادی پارٹی) بھی اس ڈر سے مسلمانوں کے حقوق کی بات کرنے اور مسلمانوں کا نام لینے سے کترا رہی ہیں کہ کہیں ان کا ہندو ووٹ بینک خراب نہ ہو جائے۔ جبکہ مودی کھلے عام اپنی انتخابی ریلیوں میں بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کے خلاف زہر اگل رہا ہے۔ ’’گھس بیٹھیے‘‘، ’’در انداز‘‘، اور ’’زیادہ بچے جننے والے‘‘ کہہ کر مسلمانوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ایسے میں یہ انتخابات مسلمانوں کے لیے کس طرح نتیجہ خیز ہوں گے یہ وقت ہی بتائے گا۔

اس متعلق اخبارات کیا کہہ رہے ہیں؟ چند اقتباسات قارئین کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں۔

انتخابات اور مسلمان | محمد امین نواز

’’دانشوروں کا کہنا ہے کہ اگر اس الیکشن میں بی جے پی دوبارہ اقتدار میں آتی ہے تو پھر مستقبل میں کوئی الیکشن نہیں ہو گا۔ سابق حکومت شاہد ہے کہ کس طرح اقلیتوں نے خوف و ہراسانی کے ماحول میں دن گزارے ہیں۔ اس بات کا اندازہ شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کو ہم سے زیادہ ہو گا، کیونکہ ماب لنچنگ (ہجومی تشدد) کے واقعات، بابری مسجد کی جگہ رام جنم بھومی، ’طلاقِ ثلاثہ‘، بلڈوزر کارروائیاں، گیان واپی مسجد، یکساں سول کوڈ، سی اے اے، مدارس پر حکومت کی سختیاں، نصابی کتابوں پر بھگوا رنگ، فسادات بھی بہت ہوئے ہیں۔ آر ایس ایس کا عروج گزشتہ دس برس میں جو ہوا ہے وہ شاید اس سے قبل ملک کی تاریخ میں نہیں ہوا تھا۔ مسلم ووٹوں کی بات کی جائے تو لوک سبھا انتخابات سے قبل صورتحال واضح ہوتی نظر آ رہی ہے۔ حکمران اسٹیبلشمنٹ نے بغیر کچھ کہے واضح کر دیا ہے کہ اسے برادری کے ووٹوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا ’۴۰۰ کو عبور کرنا‘ مسلمانوں پر منحصر نہیں ہے۔ حزب اختلاف کا مؤقف اس کے برعکس نظر آتا ہے:

’’پریشان کن مسلمان ہمیں نہیں تو کس کو ووٹ دیں گے؟‘‘

سیاست جذبات کا کھیل نہیں ہے، ہر کام سوچ سمجھ کر کرنا پڑتا ہے، چاہے اس کے لیے ہمیں ہتھیار ڈالنا کیوں نہ پڑیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان سنگین حالات میں ہندوستان کے اور کرناٹک کے مسلمان کیا فیصلہ لیتے ہیں۔ جو بھی فیصلہ ہو گا اس کا اثر ہماری آنے والی نسلوں پر پڑے گا، یہ بات ذہن میں رکھنا ہو گی۔

چونکہ یہ انتخابات انتہائی اہم ہیں اس لیے کوئی حکمت عملی، کوئی مہم کام نہیں دے سکتی۔ مسلمانوں کو یہ سوچنا ہو گا کہ اس امتحان کی گھڑی میں کون سا قدم اٹھائیں۔‘‘

[روزنامہ اعتماد]

انتخابی منظر نامہ سے غائب مسلمان | معصوم مراد آبادی

’’اگر آپ سنجیدگی کے ساتھ ملک کے انتخابی منظر نامے پر نظر ڈالیں تو محسوس ہو گا کہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے جشن میں مسلمان اپنی نمائندگی کا ماتم کر رہے ہیں۔ بی جے پی کھل کر ہندو کارڈ کھیل رہی ہے۔ انتخابی میدان میں یوں تو ترقی کے ایجنڈے کا ڈھول پیٹا جا رہا ہے لیکن مختلف انتخابی حلقوں میں ان زعفرانی جھنڈوں کو چمکانے کی کوشش کی جا رہی ہے جو گزشتہ ۲۲ جنوری کو رام مندر کی پران پرتیشٹھا کے موقع پر لگائے گئے تھے۔ یہ دراصل خود کو ہندوؤں کا سب سے بڑا خیر خواہ ثابت کرنے کی کوشش ہے تاکہ سارے ہندو ووٹ بی جے پی کی جھولی میں گریں......

...... سبھی جانتے ہیں کہ آزادی کے بعد سیکولر پارٹیوں نے مسلمانوں کو محض طفل تسلیوں پر زندہ رکھا ہے اور ان کی حد سے بڑھی پسماندگی دور کرنے کے لیے کوئی ٹھوس کام نہیں کیا۔ لیکن جب سے قومی سیاست میں بی جے پی کا عروج ہوا ہے تب سے مسلمانوں کا نام لینا بھی حرام سمجھا جانے لگا ہے۔ اگر آپ ملک کے موجودہ انتخابی منظر نامے پر نظر ڈالیں تو صاف نظر آئے گا کہ اس میں مسلمان غائب ہیں۔ نہ ان کے مسائل پر کوئی گفتگو ہو رہی ہے اور نہ ہی ان سے کوئی یہ پوچھنے والا ہے کہ تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں۔ موجودہ انتخابات میں مسلمانوں کی

گمشدگی کے پیش نظر یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اٹھارویں لوک سبھا میں مسلم نمائندوں کی تعداد سب سے کم ہوگی اور یہی بے جے پی کا اصل ہدف بھی ہے۔''

[روزنامہ اعتماد]

وزیر اعظم مودی اور 'ہندو مسلم' کی سیاست | اداریہ

''وزیر اعظم مودی نے راجھستان میں انتخابی تشہیر کے دوران جو تقریر کی وہ واضح طور پر 'ہیٹ سپیچ' (کسی ایک مذہب کے خلاف نفرت بھڑکانے) کے زمرے میں آتی ہے۔ سیکولر عوام کا مطالبہ ہے کہ اس نفرت آمیز تقریر کی پاداش میں وزیر اعظم مودی کی اگلی پوری انتخابی مہم میں حصہ لینے پر پابندی لگادینی چاہیے لیکن الیکشن کمیشن کے ذہن میں وزیر اعظم مودی کی تقریر کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اسی لیے اس نے سخت اقدام اٹھانا تو درکنار اس زہریلی تقریر پر وزیر اعظم کو نوٹس تک جاری کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس بیان نے یہ بھی واضح کر دیا کہ بھارتیہ جنتا پارٹی اور مودی کے پاس پچھلے دس سال کی کارکردگی کے نام پر ووٹ مانگنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ مودی کے دس سال کا دورِ اقتدار آج بھی صرف اور صرف مسلم مخالف پراپیگنڈہ کے ہی سہارے ہے۔''

[اردو ٹائمز]

مودی ہے تو ممکن ہے | وسعت اللہ خان

''بی جے پی کے لیے موجودہ الیکشن اس لیے بھی اہم ہیں کہ اس کا حتمی ہدف سیکولر آئین کی شکل بدل کر ایک ہندو راشٹر کا قیام ہے جس میں ایک راجہ، ایک کتاب اور ایک قانون سب کے لیے ہو۔ جبکہ حزب اختلاف کے لیے یہ آخری موقع ہے مودی کے لشکر کو اس راہ پر جانے سے روکنے اور سیکولر جمہوریہ کی باقیات بچانے کے لیے......

......حسب روایت فرقہ وارانہ کارڈ بھی آستینوں سے نکل آیا ہے۔ مودی نے حزب اختلاف کے اتحاد (انڈیا) کے منشور پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ ''ایسا لگتا ہے جیسے یہ مسلم لیگ کا منشور ہو۔ یہ سب جماعتیں رام دشمن ہیں اور اس بار ووٹر انہیں پہلے سے زیادہ مزہ چکھائیں گے۔''

ایک ایسے ماحول میں جب میڈیا مودی کا بھونپو بن چکا ہے، عدلیہ اور الیکشن کمیشن سمیت تمام آئینی و انتظامی ادارے بی جے پی کی ذیلی تنظیم کا کردار ادا کر رہے ہیں، حزب اختلاف کے پاس 'مودی ہے تو ممکن ہے' جیسے نعرے کے توڑ کے لیے کوئی نعرہ نہیں۔

بھارت چونکہ پانچویں بڑی عالمی معیشت کے پائیدان پر پہنچ کر برطانیہ کو بھی پیچھے چھوڑ چکا ہے، اس لیے بیرون بھارت کسی کو بھی وہاں انسانی حقوق اور جمہوریت کے مستقبل سے پہلے جیسی دلچسپی نہیں رہی۔ حالانکہ رائے عامہ کے مغربی ادارے اور تھنک ٹینک اپنی ہی رپورٹوں میں کہہ چکے ہیں کہ بھارت پچھلے دس برس میں مکمل جمہوریت سے نیم جمہوری ریاست کے درجے پر آچکا ہے۔

کئی انتخابی پنڈت یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ یہ بھارت کا آخری کھلا الیکشن ہے۔ آئندہ جو بھی الیکشن ہوا وہ اتنا ہی جمہوری ہوگا جتنا ایران، روس یا چین میں ہوتا ہے۔''

[روزنامہ ایکسپریس]

پاکستان — بہاولنگر پولیس سٹیشن پر فوج کا دھاوا

پنجاب کا شہر بہاولنگر ۱۰ اپریل کو ہونے والے ایک واقعہ کی وجہ سے میڈیا اور سوشل میڈیا کی زینت بنا رہا۔ پاکستانی میڈیا کے مطابق ۱۰ اپریل کو بہاولنگر شہر کے پولیس تھانہ میں فوج نے دھاوا بول دیا۔ اور وہاں کے پولیس ایس ایچ او سمیت تھانے کے دیگر اہلکاروں کو زدوکوب کیا اور تشدد کا نشانہ بنایا۔ وہاں کے کیمرے توڑ ڈالے اور ڈی وی آرز بھی اپنے قبضے میں لے لیں۔ چونکہ یہ اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ تھا تو فوراً ہی واقعہ کی اور ہسپتال میں پہنچے زخمی ایس ایچ او کی ویڈیوز بھی سوشل میڈیا پر وائرل ہو گئیں۔ اگر دیکھا جائے تو ایک قانون نافذ کرنے والے ادارے کا دوسرے قانون نافذ کرنے والے ادارے پر حملہ خود قانون کا ہی مذاق ہے۔

ہوا کچھ یوں کہ بہاولنگر پولیس نے ۸ اپریل کو ناکہ پر موٹر سائیکل سوار کو روکا تو اس سے پستول برآمد ہوئی۔ اس سے ابتدائی پوچھ گچھ کی تو وہ موٹر سائیکل سوار وہاں سے بھاگ نکلا۔ رات کو پولیس نے اس کے بتائے ہوئے ایڈریس پر چھاپہ مارا، وہاں وہ تو گھر پر نہیں ملا، البتہ اس کا بھائی جو فوج کا حاضر سروس افسر تھا، وہاں موجود تھا۔ پولیس نے وہاں مردوں پر تشدد کیا اور ان کو گرفتار کر لیا اور خواتین سے بھی کافی بدتمیزی کی۔ پولیس کی اس حرکت پر 'سبق سکھانے' کے لیے فوج نے تھانے پر دھاوا بول دیا۔ سوشل میڈیا پر وائرل ہونے کے بعد 'فیس سیونگ' (Face saving) کے لیے فوج اور پولیس کی جانب سے مشترکہ بیان آیا کہ اس واقعہ کی مشترکہ تحقیقات کی جائیں گی تاکہ اختیارات کا غلط استعمال کرنے والے ذمہ داران کا تعین کیا جا سکے۔

ایک طرف پاکستان کی پولیس بدعنوان، کرپٹ اور ظالم ہے، عام اور شریف شہریوں پر فرعون بنی بیٹھی ہے، اور جب اصل مجرموں سے واسطہ پڑتا ہے تو انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی بجائے رشوت لے کر ان کے ساتھ مل جاتی ہے اور پس پردہ انہیں تحفظ فراہم کرتی ہے۔ دوسری طرف فوج ہے جو اپنے آپ کو مختار کل سمجھتی ہے۔ اس وقت پاکستان کے تمام سرکاری ادارے عملی طور پر فوج کے کنٹرول میں ہیں۔ عام شہری فوج کے رحم و کرم پر ہیں۔ فوج کا جب جی چاہتا ہے کسی کو اٹھالے، کسی کو غائب کرے اور کسی کو بھی 'دہشت گرد' کا لیبل لگا کر مار ڈالے، کسی کو بھی فوج کا محاسبہ کرنے کی جرأت نہیں۔ عدلیہ ہو یا میڈیا ان کے تسلط سے کوئی آزاد نہیں۔ پچھلے مہینے ہائی کورٹ کے سینئر ججز کے مشترکہ خط سے بھی واضح ہوا کہ کس طرح آئی ایس آئی اپنی مرضی کے فیصلے کروانے کے لیے دباؤ ڈالتی ہے اور دھمکاتی ہے۔ ججز کے بیڈ رومز سے خفیہ کیمرے تک برآمد ہوئے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ یہ ادارہ اخلاقی طور پر کس قدر

گرا ہوا ہے۔ جو ذلت آمیز رویہ ایک فوجی کے گھر والوں کو پولیس کے ہاتھوں سہنا پڑا، ایسے ہی ذلت آمیز سلوک سے عام شہری آئے دن گزرتے ہیں لیکن ان کے پیچھے طاقتور ہاتھ نہیں ہوتا اس لیے انہیں کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ اور عوام کے لیے 'پولیس گردی' جاری رہتی ہے۔ کس قدر بڑا المیہ ہے یہ کہ جتنا پاکستان کو ان ظالم اور لٹیرے اداروں نے نقصان پہنچایا، اتنا کسی نے نہیں پہنچایا۔ نتیجتاً جتنی نفرت ان اداروں کے لیے اب عوام میں سرایت کر چکی ہے، اتنی پہلے کبھی نہ تھی۔ اگر ان اداروں کو اب بھی انصاف کے کٹہرے میں نہ لایا گیا تو یہ ادارے ہی پاکستان کی تباہی کے ذمہ دار ہوں گے۔ فوج کے کنٹرول کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس واقعہ پر میڈیا نے ساری تنقید پولیس پر ہی کی فوج پر کچھ کہا تو نرم سے الفاظ میں صرف اتنا کہ تمام اداروں کو اپنی حدود میں رہ کر کام کرنا چاہیے اور بس اس سے زیادہ کچھ کہنے کی کسی میں جرأت نہ تھی مبادہ ارشد شریف والا انجام ان کا بھی نہ ہو جائے۔

اس حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

بہاولنگر واقعہ اور کرپٹ پولیس | محسن گورایہ

''بہاولنگر میں رونما ہونے والے واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں اطراف جو ہوا غلط ہوا۔ مگر کوئی یہ بتائے گا کہ پولیس ہر روز عوام پر جو ظلم و تشدد کرتی ہے، لوگوں کے گھروں میں بغیر وارنٹ اور سیڑھیاں لگا کر جس طرح داخل ہوتی ہے اور جو حرکتیں کرتی ہے کیا وہ جائز ہیں؟ پولیس کو پہلی دفعہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا ہے کیونکہ مدمقابل اس سے زیادہ طاقتور تھا۔ اگر اصلاح احوال کے لیے کوئی سنجیدہ قدم نہ اٹھایا گیا تو وہ وقت دور نہیں جب ہر سطح پر اسی طرح کی مزاحمت ہو گی۔ پولیس کے اعلیٰ حکام کو سوچنا ہو گا کہ وہ سیاسی آلہ کار بننا چھوڑ دیں، قانون پر چلیں اور نچلی سطح کے اہلکاروں کا اخلاق اور معاشی حالات کچھ بہتر کریں۔ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ پولیس کا مدمقابل اگر اس سے زیادہ طاقتور نہ ہوتا، کوئی عام بندہ یا ادارہ ہوتا تو پولیس نے اس کی کیا حالت بنا دینی تھی اب تک؟

حقیقت یہ ہے کہ جرائم کی روک تھام کے لیے بنایا جانے والا پولیس کا محکمہ جرم ہونے سے پہلے تو کیا جرم ہونے کے بعد بھی از خود لوگوں کی مدد کے لیے نہیں پہنچتا۔ اگر کسی دباؤ کے تحت پولیس والوں کو آنا پڑے تو فوری کارروائی کی بجائے وقت ضائع کیا جاتا ہے اور معاملات کو الجھا کر پیچیدہ بنایا جاتا ہے تا کہ جرائم پیشہ عناصر ان کی رسائی سے دور ہو جائیں اور پولیس والوں کو وہاں سے کچھ مال پانی مل جائے یا پھر انہیں مجرموں کو پکڑنے کے لیے تگ و دو نہ کرنا پڑے۔ کسی واقعہ کے رونما ہونے کے بعد ایف آئی آر درج کرنا ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ لیکن پاکستان میں ایف آئی آر درج کرانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ لوگ انصاف ملنے کی آس میں دس بارہ دن تھانے کے چکر لگا لگا کر تھک ہار جاتے ہیں اور خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن ایف آئی آر درج نہیں ہوتی۔ اگر ہو جائے تو ممکن ہے پولیس والے سارا قصور آپ کا ہی نکالیں، ایسے میں لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں۔ لیکن یہ معاملہ سب کے ساتھ نہیں ہے، صرف غریب اور متوسط طبقے کے عوام کے ساتھ ہے۔ اگر کوئی امیر بندہ شکایت لے کر تھانے جائے تو فوراً دادرسی کی جاتی ہے۔ بلکہ سننے میں آتا ہے کہ طاقتور افراد تو اپنے علاقے میں اپنی پسند کے تھانے دار لگواتے ہیں تا کہ وہ اسے اپنے مخالفین کے خلاف استعمال کر سکیں اور اپنے کام کروا سکیں۔''

[روزنامہ نئی بات]

فلسطین

ایران اسرائیل حملے

یکم اپریل کو اسرائیل نے دمشق میں ایرانی سفارتخانے کی عمارت کو نشانہ بنایا جس میں ایرانی پاسداران انقلاب کا سربراہ بریگیڈیئر جنرل علی رضا زاہدانی عملے سمیت مارا گیا۔ اس جارحانہ حملے کے جواب میں ۱۳ اپریل کی شب ایران نے اپنی سرزمین سے ۳۰۰ سے زائد میزائل اور ڈرونز اسرائیل کی طرف فائر کیے۔ اس جوابی حملے کی اطلاع ایران نے امریکہ اور پڑوسی ممالک کو ۷۲ گھنٹے قبل کر دی تھی، جس کی بدولت ان سینکڑوں کی تعداد میں میزائل اور ڈرونز کو امریکہ، برطانیہ اور اردن نے راستے میں ہی انٹرسیپٹ کر کے تباہ کر دیا۔ باقی جو کچھ اسرائیل کی سرزمین پر پہنچے تو اسرائیلی فضائی ڈیفنس سسٹم (آئرن ڈوم) کے ذریعے انٹرسیپٹ ہو گئے۔ اس طرح ۹۹ فیصد میزائل اور ڈرونز انٹرسیپٹ کر لیے گئے۔ باقی ایک فیصد جو نشانہ پر لگے اسے اسرائیل نے میڈیا پر ظاہر نہیں کیا۔ لیکن بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق اسرائیل کی 'نواتیم' ایئر بیس کو نقصان پہنچا ہے۔

اگرچہ اسرائیل کو کوئی بڑا یا جانی نقصان نہیں ہوا لیکن اس حملے کو اسٹریٹیجک اعتبار سے اہم کہا جا رہا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ یہ حملہ اسرائیل کے لیے ایک دھمکی سے کم نہیں، کیونکہ نواتیم ایئر بیس اسرائیل کے اہم دیمونا جوہری مرکز سے صرف ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس اعتبار سے ایران کی انٹیلی جنس معلومات اور ایرانی ڈرونز اور میزائل کی اسرائیل تک با آسانی رسائی اسرائیل کے لیے ایک خطرناک دھمکی سے کم نہیں۔

بین الاقوامی میڈیا پر اس واقع کو مختلف زاویوں سے دیکھا جا رہا ہے جن میں سے چند ہم قارئین کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ پاکستانی صحافیوں میں کچھ نے اس حملے کی حمایت میں لکھا ہے اور کچھ نے اسے تنقید کا نشانہ بنایا کہ ایران نے اس جوابی حملے میں اسرائیل کو نقصان کیوں نہ پہنچایا۔ جبکہ بعض لکھاریوں نے ایران کے اس حملے کو ''دانشمندانہ'' قرار دیا کہ اگر ایران بھی کوئی بڑا حملہ کرتا یا اسرائیل کو نقصان پہنچاتا تو ایک بڑا خطہ جنگ کی لپیٹ میں آ سکتا تھا۔

ایران کا اسرائیل پر میزائل و ڈرون حملہ | مصطفیٰ کمال پاشا

”ایران نے میزائل داغے اور ڈرونز لانچ ضرور کیے لیکن وہ کہاں جا کر گرے، کن تنصیبات کو نشانہ بنایا، کتنے یہودی واصل جہنم ہوئے، اسرائیل میں کتنی تباہی مچی، کسی کو پتہ نہیں چلا۔ لیکن ایران نے دعویٰ کیا کہ اسرائیل پر حملہ کامیاب رہا، ہم نے بدلہ لے لیا۔ اسرائیل کو جارحیت کا مزہ چکھادیا وغیرہ وغیرہ۔ دوسری طرف اسرائیل نے اعلان کیا کہ ہم نے اتحادیوں کی مدد سے ۹۹ فیصد ایرانی ڈرونز اور میزائل مار گرائے۔ کہیں اکادکا فوجی تنصیبات کو نقصان ضرور پہنچا لیکن ہم اتحادیوں کی مدد سے محفوظ رہے۔ اردن اور امریکہ نے ڈرون تباہ کرنے میں مدد کی۔ برطانیہ بھی اسرائیل کی مدد کو پہنچ گیا۔ ایرانی قیادت نے اعلان کیا کہ اگر اسرائیل اب بھی باز نہ آیا تو اس سے بھی بڑا حملہ کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ گویا یہ بڑا حملہ تھا جس میں ڈرونز اور میزائل استعمال کیے گئے۔ یہ الگ بات ہے کہ اسرائیل کا نقصان نہیں ہوا اور اگر کہیں ہوا بھی تو وہ دنیا کے سامنے نہیں آسکا۔

امریکہ نے بہت خوبصورت اور پر مغز بیان دیا کہ اگر اسرائیل نے جوابی حملہ کیا تو امریکہ ساتھ نہیں دے گا۔ جی سیون میں متفقہ لائحہ عمل اختیار کریں گے، گویا امریکہ نہ صرف صلح جو کے طور پر سامنے آیا بلکہ اسرائیل کو پر امن رکھنے کے عامل کے طور پر بھی ظاہر ہوا۔

پاکستان، چین اور سعودی عرب کا اظہار تشویش بھی سامنے آیا، نجانے کس بات پر۔ ایرانی حملے یا اسرائیل کے ممکنہ جوابی حملے پر۔ امریکی بیان پر یا ایرانی قیادت کے بڑا حملہ کرنے کی دھمکی پر۔ بہر حال بیانات پر بیانات بہت ہی اعلیٰ ثابت ہو رہے ہیں۔ ایسے لگ رہا ہے جیسے امریکہ خطے میں امن کے قیام کے لیے یکسو ہو چکا ہے، وہ چاہتا ہے کہ جنگ کا دائرہ کار نہ پھیلے۔ حالانکہ اسرائیل کی جنگی مشینری، امریکی اسلحہ و گولہ بارود کے سہارے چل رہی ہے۔ امریکہ یہ ہلاکت کا سامان، اسرائیل کو چھپ چھپا کر نہیں دے رہا بلکہ اپنے ملکی و داخلی قواعد کے مطابق علی الاعلان سپلائی کر رہا ہے۔ فوجی امداد اس کے علاوہ ہے۔ ہزاروں شہید ہونے والے بچے و عورتیں امریکی گولی بارود کا شکار ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ امریکی گولہ بارود کے ذریعے ہو رہا ہے۔ یہ امریکی شہ و حمایت ہے جس کے باعث اسرائیل درندہ بنا ہوا ہے، بے گناہ اور نہتے فلسطینیوں پر قہر بنا ہوا ہے۔ اس نے فلسطینیوں پر عرصۂ حیات تنگ ہی نہیں بلکہ مکمل طور پر بند کر دیا ہے۔“

[روزنامہ پاکستان]

مغرب نے ایران کے جوابی حملے کو حسب معمول منافقانہ اور دوغلی پالیسی کے تحت تنقید کا نشانہ بنایا، جیسا کہ برطانوی وزیر اعظم رشی سونک (Rishi Sunak) نے تہران کے ”جارحانہ اقدام“ کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ”ایک بار پھر یہ ظاہر ہوا کہ ایران اپنے ہی صحن میں افراتفری (Chaos) کے بیج بونے کا ارادہ رکھتا ہے۔“ جبکہ جمہوریہ چیک کی وزارت خارجہ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ”ایران کا طویل مدتی جارحانہ رویہ مشرقِ وسطٰی کے خطے کو امن و سلامتی سے رہنے میں مانع ہے۔“

کینیڈا کے وزیر اعظم جسٹن ٹروڈو نے ایران کی مذمت کرتے ہوئے ”اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے“ کی وہی گھسی پٹی لائن دہرائی، جبکہ جرمنی نے اسرائیلیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہوئے سوشل میڈیا پر بیان دیا کہ ”آج رات ہم ان تمام اسرائیلیوں کے ساتھ ہیں جنہیں ایران اپنے بے مثال اور بے رحم حملے سے دہشت زدہ کر رہا ہے۔“

اسرائیل کے باپ اور پشت پناہ امریکہ، جس کی شہ پر اسرائیل دھڑلے سے نہتے فلسطینیوں کی پچھلے چھ ماہ سے نسل کشی کر رہا ہے، کے صدر نے اعلان کیا: ”ایران اور اس کی پراکسیوں سے اسرائیل کی سلامتی کو لاحق خطرات کے خلاف ہماری وابستگی آہنی ہے۔“

الجزیرہ کی کالم نگار ’بیلن فرنانڈز‘ ان تمام مغربی ممالک کے منافقانہ رویے کو اپنے کالم میں سخت تنقید کا نشانہ بناتی ہیں۔ اس کالم سے ایک اقتباس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

Sorry, but Iran is not the aggressor here | Belen Fernandez

”ایرانی حملہ، یاد رہے، اسرائیل کی جانب سے غزہ کی پٹی کو ملیامیٹ کرنے کے جاری عمل کے چھ ماہ سے کچھ اوپر مدت بعد ہوا، جس میں تقریباً چونتیس ہزار فلسطینی ہلاک ہو چکے ہیں، جن میں تقریباً ۱۳ ہزار ۸ سو بچے بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اندازہ یہ ہے کہ ہزاروں لاپتہ افراد ممکنہ طور پر ملبے تلے دبے ہوئے ہیں، یہ انتہائی خوفناک اعداد و شمار بھی بلاشبہ بہت کم تخمینہ ہے۔

۷۶ ہزار سے زیادہ لوگ زخمی ہوئے ہیں، کیونکہ اسرائیلی فوج پورے محلوں کو ہموار کرنے اور سکولوں، ہسپتالوں اور دیگر بنیادی انفراسٹرکچر کو تباہ کرنے اور اس کے ساتھ ساتھ علاقے کے باسیوں کو قحط اور فاقہ کشی میں دھکیلنے میں مصروف ہے۔

اور بات کرتے ہیں ”دہشت گردی“ کی۔

نسل کشی طویل مدتی جارحانہ رویہ کو نہیں کہتے تو اور کسے کہتے ہیں؟ جمہوریہ چیک کی وزارت خارجہ کے الفاظ مستعار لے کر بات کریں تو بلاشبہ، اگر یہ سارا معاملہ اس قدر گھناؤنا نہ ہو، تو یہ دعویٰ انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ ایران اصل میں ”افراتفری کے بیج بونے“ اور ”خطے میں امن و استحکام“ کو نظر انداز کر رہا ہے۔

لیکن چونکہ اسرائیل جرم میں امریکہ کا قیمتی شراکت دار ہوتے ہوئے بڑے کردار کا حامل ہے اس لیے اسے حق حاصل ہے کہ وہ منطق کو بالکل الٹ دے، نسل کشی کرنے والے مظلوم

کہلائیں اور مسلسل اسرائیلی جارحیت ''دفاع'' بن جائے۔ اور یکم اپریل کو جو دمشق میں ایرانی قونصل خانے پر اسرائیل نے حملہ کیا اس کی خیر ہے۔ وہ تو اقدامی انتقامی کارروائی تھی۔ ہے ناں؟

غزہ میں نہ تھمنے والے قتل و غارت کی روشنی میں انٹرسیپٹ کیے گئے ایرانی میزائل اور ڈرونز کے بارے میں مغربی ردعمل انتہائی گھٹیا اور مذموم ہے۔ سونک کا فضول دعویٰ کہ ''کوئی بھی مزید خون خرابہ نہیں دیکھنا چاہتا'' اس حقیقت کا اظہار نہیں کر رہا کہ اگر یہ خون فلسطینیوں کا ہو تو پھر کوئی مسئلہ نہیں۔''

[Al Jazeera English]

ایران کے اس حملے کا چونکہ براہ راست تعلق فلسطین سے ہے جو غزہ میں چھ ماہ سے مسلسل اسرائیل کے ظلم و ستم کا اور مغربی کنارے اور مقبوضہ بیت المقدس میں ان متعصب یہودی آبادکاروں کے ظلم و تشدد کا شکار ہیں، جو پچھلے چھ ماہ سے بہت تیزی کے ساتھ بزور قوت فلسطینیوں کے گھروں اور املاک سے انہیں بے دخل کر کے ان کی جگہوں پر قبضہ کر رہے ہیں۔ اس حملے کے متعلق فلسطینی کیا سوچتے ہیں اور ان کی رائے کیا ہے، اس متعلق MEMO (مڈل ایسٹ مانیٹر) پر رام اللہ کے ایک فلسطینی صحافی 'فرید تام اللہ' نے بہت اہم مضمون لکھا۔ ان کے مطابق فلسطینی عوام کی رائے ان کے سیاسی نقطۂ نظر کے مطابق ہے۔ جس میں ایک فریق نے ایران کے اس حملے کا جشن منایا، کیونکہ ایران وہ پہلا ملک ہے جس نے اسرائیل کے خلاف کوئی عملی اقدام اٹھایا۔ اس رائے کے حامیوں کا کہنا ہے کہ اگر ایران کے حملے سے اسرائیل کو خاطر خواہ نقصان نہیں بھی پہنچا پھر بھی انہوں نے اسرائیل کو ایک اہم پیغام ضرور دیا ہے کہ فلسطین کو آزاد کروانے کا واحد راستہ 'مزاحمت' ہے۔ اس طرح ایران ان عرب ممالک سے بہت بہتر ہے جنہوں نے سیاسی و عسکری سطح پر فلسطینیوں کا ساتھ نہیں دیا بلکہ ایرانی میزائل اور ڈرون کو مار گرانے میں اسرائیل کا ساتھ دیا۔ یہ رائے حماس اور ''Axis of Resistance'' کے حامیوں کی ہے جو عسکری مزاحمت کو فلسطین کی آزادی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

دوسرا بائیں بازو کا فریق جو ''Axis of Moderation'' کے حامی ہیں اور عرب ممالک اور فلسطینی اتھارٹی کی رائے پیش کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں ایران کا اسرائیل پر حملہ ایران اور اسرائیل کے درمیان طے شدہ منظرنامے کا حصہ تھا۔ ان کے مطابق یہ حملہ محض ایک تماشہ تھا جس کا مقصد ایران کو اسرائیل کے دشمن کے طور پر پیش کر کے فلسطینیوں اور باقی مسلمانوں کے رائے عامہ کو اپنے حق میں کرنا ہے۔ اس رائے کے حامیوں کا خیال ہے کہ فلسطینیوں کی آزادی کا راستہ ایران سے نہیں بلکہ ایک ایسے سیاسی عمل سے گزرتا ہے جو ہمارے عرب بھائیوں، مغربی دوستوں اور خاص طور پر امریکہ کے تعاون سے ایک فلسطینی ریاست کے قیام کی طرف لے کر جاتا ہے۔

اگرچہ مندرجہ بالا دو موقف فلسطینی سیاسی تقسیم کی نمائندگی کرتے ہیں لیکن فلسطینی عوام کی خاموش اکثریت خود کو اس سیاسی کشیدگی کا فریق نہیں سمجھتی۔ جو چیز ان کی نظر میں اہم ہے وہ ہے اسرائیلی جارحیت کو روکنا، آزادی حاصل کرنا اور اسرائیل کے ناجائز قبضے کا خاتمہ۔ اور وہ کسی بھی ایسی جماعت کی حمایت کرتے ہیں جو اس مقصد کے حصول میں مدد کرے۔

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ مجموعی طور پر فلسطینی ایرانی میزائل کے گرنے کو دیکھنے کے لیے رات دیر تک جاگتے رہے اور انہیں وہ خوشی، چاہے وہ ایک لمحے کے لیے ہی ملی ہو، اور آزادی کے لیے امید کی ایک کرن نظر آئی جس کا وہ کافی عرصے سے انتظار کر رہے تھے۔

ان کی تحریر اس خلاصے کے بعد آخری حصے سے اقتباس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

How do ordinary Palestinians view the Iranian attack on Israel | Fareed Taamallah

''فلسطینیوں کو یہ بات سمجھ نہیں نہیں آتی کہ مغرب اس عجیب و غریب تضاد کا کیسے جواز فراہم کر سکتا ہے کہ وہ ایک ایسے ملک کے دفاع کے لیے بھاگا جس کے پاس خطے کی سب سے بڑی فوجی طاقت ہے اور وہ ایک اور قوم کی نسل کشی میں بھی مصروف ہے۔ وہ اسرائیل کے لیے رضاکارانہ طور پر لڑتے ہیں اور اسے ضروری اسلحہ اور فنڈز فراہم کرتے ہیں لیکن اس پر اتنا دباؤ نہیں ڈال سکتے کہ غزہ کی پٹی میں ضروری طبی امداد اور خوراک بھیجنے کی اجازت دے دے کجا یہ دباؤ ڈالنے کے کہ وہاں اپنی جارحیت روک دے۔ عرب ممالک اسرائیل کے خلاف ایرانی حملے کو روکنے کا کیسے جواز فراہم کر سکتے ہیں جبکہ ان ملکوں نے پچھلے چھ ماہ میں فلسطینیوں پر گرنے والے اسرائیلی میزائلوں کو روکنے کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا۔

نہتے فلسطینی لوگوں کو لگتا ہے کہ وہ یتیم ہیں اور انہیں خطے کی مضبوط ترین عسکری طاقت کے مقابل تنہا چھوڑ دیا گیا ہے، جسے دنیا کی پہلے نمبر کی عسکری قوت کی مدد حاصل ہے۔ ایک طرف عرب بھائیوں نے خود کو بچانے کے لیے اور اپنے مفادات کے دفاع کے لیے اپنے مظلوم بھائیوں کو چھوڑ دیا جبکہ دوسری طرف مغرب اپنے اتحادی، اصلی جارح کو بچانے کے لیے حرکت میں آگیا۔ صرف جنوب کے کچھ ممالک جیسے نکاراگویا اور جنوبی افریقہ، اور ان کے علاوہ دنیا کے آزاد لوگ، فلسطینی لوگوں کے لیے اپنا حقِ آزادی و وقار حاصل کرنے کی واحد بچی ہوئی امید کی نمائندگی کرتے ہیں۔''

[Middle East Monitor]

فلسطین | مجموعی صورتحال

غزہ پر ظالمانہ تباہ کن اسرائیلی قبضے کو چھ ماہ سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے۔ اب تک ۳۵ ہزار سے زائد افراد شہید ہو چکے ہیں جن میں ساڑھے چودہ ہزار بچے اور ساڑھے آٹھ ہزار خواتین شامل ہیں۔ ۸ ہزار سے زائد اب بھی لاپتہ ہیں جن کی لاشیں تک نہ مل سکیں، جبکہ ۷۷ ہزار سے زائد

زخمی ہیں، جن میں بہت سوں کے اعضاء کٹ گئے یا ناکارہ ہو گئے اور ہزاروں معزور ہو گئے۔ اسرائیل کے اس انسانیت سوز ظلم نے تو شیطان کو بھی شرما دیا ہو گا۔ ناجائز اسرائیلی ریاست کی فوج اس قدر ذہنی بیمار، گھٹیا، بے حس اور اخبث ہے کہ نہتے شہریوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتے، معصوم بچوں کے سینوں میں گولیاں اتارتے، کس بے شرمی اور ڈھٹائی سے ویڈیو بھی بناتی ہے اور سوشل میڈیا پر اپلوڈ بھی کرتی ہے۔ جبکہ مجاہدین کا سامنا کر کے ان سے دو بدو لڑائی سے ان کی روح تک کانپ جاتی ہے۔ عام شہریوں کے مکانات، سکول و ہسپتالوں کو بموں سے اڑا کر اس بے شرمی سے جشن مناتے ہیں، لیکن جب ملک الموت کی پکار آتی ہے تو وہاں سے ایسے دوڑ لگاتے ہیں کہ شاید موت سے بھاگ جائیں گے۔

فلسطینی مسلمان گھر بار، خاندان اور زندگیاں تک کھو دینے کے بعد بھی جس ہمت اور عزم سے ڈٹے ہوئے ہیں اسے دیکھ کر ہماری اور سارے دنیا کے مسلمانوں کی گردنیں اپنے حال پر شرم سے جھک گئی ہیں۔ مغربی کنارے اور بیت المقدس کے علاقوں میں درندہ صفت اسرائیلی فوج کے تحفظ میں انتہا پسند یہودی آباد کار مسلمانوں کو ان کے گھروں اور املاک سے زبردستی نکال کر ان کے گھروں کو نذر آتش کر رہے ہیں، ان کی جائیدادوں اور املاک پر قبضہ کر رہے ہیں۔ دیکھا جائے تو فلسطینی ہر طرف سے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ایسے میں پریس، الیکٹرانک و سوشل میڈیا پر انسانیت کا درد رکھنے والے آواز اٹھا رہے ہیں۔ جن میں سے پاکستان سے ایک کالم کا اقتباس یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

لہولہان غزہ اور بے حس مسلمان | بشریٰ نسیم

”عالمی عدالت نے رواں برس جنوری میں اسرائیل کو غزہ میں شہریوں کی حفاظت کے لیے اقدامات کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن اسرائیل نے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ حالیہ قرار داد کی منظوری کے باوجود اسرائیلی جارحیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ غزہ کی وزارتِ صحت کے مطابق اسرائیلی طیاروں نے خان یونس میں فلسطینیوں کے خیموں پر بم گرائے جبکہ اسرائیلی فوجیوں نے نصیر ہسپتال کا مکمل محاصرہ کر رکھا ہے جہاں مریضوں کو مسلسل فائرنگ کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ غزہ کے الشفاء ہسپتال پر حملے کے دوران غاصب صہیونی فوجیوں نے فلسطینی خواتین کی عصمت دری کی اور پھر انہیں قتل کر دیا۔ غاصب اور وحشی صہیونی فوجیوں نے کئی خاندانوں کو پوری طرح سے ختم کر دیا اور پھر ان کی لاشیں جلا دیں۔ ہسپتال، تعلیمی ادارے، رہائشی علاقے سب کچھ تہس نہس کر دینے کے بعد بھی اس کی بربریت میں کمی نہیں آئی۔ جو تمام عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ غزہ میدان جنگ بنا ہوا ہے اور اس کی بچی کھچی آبادی دنیا کی سب سے بڑی کھلی جیل میں روز و شب گزارنے پر مجبور ہے۔ یہاں فوری طور پر مکمل جنگ بندی نافذ ہونی چاہیے تاکہ اہل غزہ کو امدادی سامان میسر آسکے۔ خطے کا ۶۰ فیصد ڈھانچہ تباہ ہو گیا۔ یہ جنگ غزہ کی ۲۴ لاکھ آبادی کی تباہی اور بربادی کا باعث بن رہی ہے۔ اگر اتنی بربادی کے باوجود عالمی برادری اسرائیل کو روکنے میں ناکام ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس برادری کو انسانیت عزیز نہیں۔ وہ دنیا جسے غزہ کے بچوں کی فکر نہیں، خوراک کی کمی اور غذائی قلت سے بچے شہید ہو رہے ہیں۔ ایک عشاریہ سات ملین فلسطینی یعنی غزہ کی آبادی کا ۷۵ فیصد قحط کے خطرے سے دوچار ہیں اور اسرائیل کی جانب سے غزائی قلت کو غزہ میں جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ صہیونی ہٹ دھرمی، شیطانیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ غزہ کو تباہ کرنے کے لیے دو ایٹم بموں کے برابر ۲۵ ہزار ٹن بارود استعمال کیا جا چکا ہے۔ اسرائیل نے غزہ میں نسل کشی کی کارروائیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ گرفتار شدہ فلسطینیوں کو بھی شدید جسمانی و ذہنی نقصان پہنچایا گیا۔ ان کے خلاف جان بوجھ کر ایسے اقدامات کیے گئے جن سے بچوں کی پیدائش رک جائے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ قرار داد پر عمل کرتے ہوئے جلد از جلد جنگ بندی کی جائے اور دنیا کی بڑی طاقتیں بالخصوص امت مسلمہ یکجا ہو کر اس کا دیرپا اور پائیدار حل تلاش کریں۔“

[روزنامہ نئی بات]

فلسطین

غزہ کی اجتماعی قبریں

غزہ کے الشفاء میڈیکل کمپلیکس اور خان یونس کے نصیر ہسپتال کے گرد و نواح سے چند روز قبل اجتماعی قبریں دریافت ہوئی ہیں۔ ان علاقوں سے اسرائیلی فوج کے انخلاء کے بعد فلسطینی ایمرجنسی ٹیموں نے ان اجتماعی قبروں سے تقریباً ۴۰۰ کے قریب لاشیں نکالی ہیں۔ جن میں سے کچھ کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے، کچھ کے اعضاء غائب اور مسخ شدہ اور تشدد زدہ ہیں۔ جبکہ بعض لوگوں کو زندہ دفنانے کا بھی انکشاف ہوا ہے۔ اس متعلق اقوام متحدہ نے آزادانہ تحقیق کرانے کا مطالبہ کیا ہے۔ جنگ کے اصول و قواعد میں ہسپتالوں کو استثنیٰ حاصل ہوتا ہے لیکن اسرائیل کے جنگی جرائم نے ہسپتالوں اور وہاں موجود مریضوں تک کو نہیں چھوڑا۔ یہ ایسا خوفناک واقعہ ہے جو طاقتوروں کا ضمیر جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے۔

الجزیرہ کے ایک صحافی سومدیپ سن اسرائیل کو رسمی طور پر ایک بدمعاش (Rogue) ریاست قرار دینے کا مطالبہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

It’s time to declare Israel a rogue state | Somdeep Sen

”ایک اور دن، غزہ میں ایک اور سانحہ۔ وقت تحریر امدادی کارکن جنوبی غزہ کے شہر رفح کی ایک رہائشی عمارت پر اسرائیلی فضائی حملے کے بعد ملبے سے لاشیں نکال رہے تھے۔ دریں اثنا، کچھ میل دور خان یونس میں، نصیر ہسپتال کی زمین پر موجود اجتماعی قبروں سے لاشیں کھود کر نکالنے کا تکلیف دہ عمل جاری ہے۔ فلسطینیوں کی ہلاکتوں کی تعداد چونتیس ہزار سے تجاوز کر چکی ہے اور غزہ میں گیارہ لاکھ افراد خوراک کی قلت کی تباہ کن صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں۔

......اپنے قریبی ترین شراکت دار اور محافظ امریکہ سمیت پوری دنیا کی جانب سے احتیاط کرنے کے مطالبات کو نظر انداز کرتے ہوئے، اسرائیل رفح میں ایک مہنگا زمینی آپریشن کرنے پر پرعزم ہے، جہاں لاکھوں شہری پناہ گزین ہیں۔ مبصرین اور سیاسی شخصیات اعلان کر رہی ہیں کہ اسرائیل ایک بوجھ بن چکا ہے اور اس کے رہنما گمراہ ہو چکے ہیں۔

کیا اب بھی اسرائیل کو 'بدمعاش' (Rogue) ریاست قرار دینے کا وقت نہیں آیا؟

......میدان جنگ میں اسرائیل کے ہتھکنڈوں کا دفاع نہیں کیا جا سکتا۔ اسرائیلی فورسز غزہ میں طبی مراکز کو نشانہ بنانے پر مصر رہی ہیں۔ پوری مہم کے دوران، اسرائیل نے طبی مراکز پر ۹۰۰ سے زائد حملے کیے ہیں، جس میں طبی عملے کے کم از کم ۷۰۰ افراد ہلاک ہوئے ہیں۔ اس وقت غزہ کی پٹی میں ۳۶ ہسپتالوں میں سے صرف ۱۰ جزوی طور پر فعال ہیں۔

اسرائیلی حکام کا دعویٰ ہے کہ غزہ میں ہسپتالوں کو حماس فوجی اڈوں کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ یہ اسرائیل کی جانب سے محصور علاقے میں سب سے بڑے اور جدید ترین طبی مرکز الشفاء ہسپتال کے محاصرے کا رسمی جواز تھا۔

جب اسرائیلی فورسز نے بالآخر کمپلیکس سے انخلاء کیا تو عینی شاہدین نے، کوّوں کے کھائے ہوئے انسانی سر، ناقابل شناخت اور گلے سڑے جسمانی اعضاء اور سینکڑوں لاشوں کا ڈھیر لگا کر انہیں اجتماعی قبروں میں دفن کرنے کے رونگٹے کھڑے کر دینے والے مناظر بیان کیے۔"

[Al Jazeera English]

فلسطین | امریکی یونیورسٹیوں کے طلبہ کی فلسطین کے حق میں تحریک

اسرائیل کے فلسطینیوں پر جاری ظلم کے خلاف اٹھنے والی آوازوں میں ایک اہم آواز امریکی یونیورسٹیوں کے طلباء کی فلسطین کے حق میں اٹھنے والی تحریک ہے۔ جس نے نیتن یاہو کو خوف میں مبتلاء کر دیا ہے۔ اس متعلق اس کا کہنا ہے کہ: "امریکی جامعات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ خوفناک ہے۔ یہود مخالف anti-Semitic ہجوموں نے جامعات پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہود مخالف anti-Semitic ہجوم اسرائیل کے خاتمے کا مطالبہ کر رہے ہیں اور ہجوم یہودی طلباء اور فیکلیٹیوں پر حملے کر رہے ہیں۔ اس سلسلے کو روکنا ہو گا۔ امریکی جامعات کے کئی صدور کا ردعمل شرمناک ہے۔"

میڈیا کے مطابق امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی میں پچھلے چند ہفتوں سے جاری اسرائیل مخالف اور فلسطینیوں کے حق میں تحریک میں طلباء نے خیمے لگا کر احتجاج شروع کیا تھا۔ جس کی شہرت کے سبب یہ احتجاجی تحریک امریکہ کی دیگر یونیورسٹیوں نیو یارک یونیورسٹی (NYU)، ٹیکساس یونیورسٹی، کیلی فورنیا یونیورسٹی، سٹین فورڈ یونیورسٹی سے ہوتی ہوئی یورپ میں بھی پھیل گئی۔ ہارورڈ یونیورسٹی اور الینوائے کی نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی اور بوسٹن کے ایمرسٹن کالج میں بھی مختلف احتجاجی مظاہرے ہوئے، خیمے لگائے گئے، فلسطینی کیفیہ پہنا گیا اور دھرنے دیے گئے۔ جس پر بہت سے طلباء کو گرفتار اور بہت سی جامعات میں کلاسز معطل کر دی گئیں۔

فلسطینیوں کے حق میں ہونے والے یہ مظاہرے امریکہ اور یورپ کے بعد اب آسٹریلیا کی یونیورسٹیوں تک پھیل چکے ہیں۔

اس حوالے سے سٹین فورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈیوڈ پالمبولیو (David Palumbo-Liu) لکھتے ہیں:

How Gaza is changing US campuses | David Palumbo-Liu

"غزہ میں نسل کشی کے ان پر جو ذاتی سطح پر اثرات مرتب ہو سکتے ہیں اس سے درکنار، امریکی کالجوں کے طلباء فلسطینیوں کے لیے تاریخی طور پر بے مثال یکجہتی، ہمدردی اور پرواہ کا اظہار کر رہے ہیں اور اس بات پر غم و غصے کا اظہار کر رہے ہیں کہ امریکہ اسرائیل کی جانب سے فلسطینیوں کی تاریخی نسل کشی کا سہولت کار بنا ہوا ہے۔

......اگرچہ یقینی طور پر پیش گوئی کرنا مشکل ہے کہ یونیورسٹیوں کے کیمپس میں ان تحریکات کا وسیع تر قومی سیاسی منظر نامے پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں، لیکن میرے خیال میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ: کیمپسوں میں ان میں سے ہر ایک اقدام نے نہ صرف مقامی برادری کی توجہ مبذول کروائی ہے بلکہ ان کو اپنے ساتھ شریک بھی کیا ہے۔

اور باہر کی یہ برادریاں نہ صرف افراد پر مشتمل ہیں، اس میں سیاسی تبدیلی پر مجبور کرنے والی یونینز، چرچ گروپس، اور سول سوسائٹی گروپس بھی شامل ہیں۔ اس وقت ۱۰۰ سے زیادہ میونسپلٹیوں نے جنگ بندی کا مطالبہ کیا ہے، اور یہی کام کانگریس کے تقریباً ۸۵ ارکان نے بھی کیا ہے۔ اگرچہ تبدیلی آ رہی ہے، لیکن یہ بہت سست روی سے آ رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگلے مہینوں میں فلسطینیوں کے حقوق کی خاطر طلبہ سرگرمیوں میں کوئی کمی یا خاتمہ نظر نہیں آئے گا۔"

[Al Jazeera]

جہاں مغربی ممالک کے طلباء آواز اٹھا رہے ہیں، ہمارے مسلمان ممالک کے طلباء اور عرب ممالک کے طلباء اس طرح کی تحریک کیوں نہیں اٹھا رہے؟ بحثیت مسلمان ہمیں ان سے بڑھ کر آواز اٹھانی چاہیے۔ مڈل ایسٹ مانیٹر میں علی انوزلا (Ali Anouzla) بھی یہی سوال پوچھ رہے ہیں:

Where is the voice of the Arab student movements? | David Palumbo-Liu

’’دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں ہر روز اس نسل کشی کی مذمت میں آوازیں اٹھ رہی ہیں جو اسرائیل غزہ میں پچھلے ۲۰۰ سے زائد دنوں سے کر رہا ہے۔ یونیورسٹیوں کا ایک عالمی بلاک بنتا جا رہا ہے، جس سے دنیا کی سب سے بڑی عالمی طلباء تحریک پیدا ہو رہی ہے۔ بالکل ویسی ہی جیسی دنیا نے ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کی دہائیوں میں دیکھی جس کی وجہ سے الجزائر اور ویت نام کی جنگیں رک گئیں۔

...... جبکہ ہم اپنے عرب خطے کی یونیورسٹیوں کے ضمیر کے بیدار ہونے کے منتظر ہیں، غزہ میں جاری مجرمانہ جنگ نے بہت سوں کو، حتیٰ کہ ان کو بھی جو اس خطے اور اس مسئلے سے بہت دور رہتے ہیں، ایک گہرے اخلاقی بحران سے دوچار کر دیا ہے، اور اگر دنیا نے ان آوازوں کا جواب نہیں دیا جو اس سانحے کے خاتمے کے لیے اٹھ رہی ہیں، تو اس بحران کے خوفناک اخلاقی اثرات ہوں گے اور ان اقدار پر مبنی، جن کو آج ہم اپنی آنکھوں کے سامنے ٹوٹتا دیکھ رہے ہیں جبکہ کوئی بھی عمل نہیں کر رہا، انسانی بقائے باہمی کے مستقبل کے لیے تباہ کن نتائج نکلیں گے۔‘‘

[Middle East Monitor]

فلسطین | رفح: اسرائیل کا اگلا ہدف

اسرائیل کا غزہ میں اگلا ہدف رفح پر حملہ کرنا ہے، جس کا وہ پچھلے ایک ماہ سے اعلان کر رہا ہے۔ لیکن رفح غزہ کا ایک انتہائی گنجان آباد علاقہ ہے جہاں تقریباً تین لاکھ شہری رہائش پزیر ہیں اور ان سمیت باقی ماندہ علاقوں سے آنے والے ۱۴ لاکھ پناہ گزین بھی موجود ہیں۔ ایسے میں امریکہ اور مغربی ممالک اسرائیل سے رفح پر حملہ نہ کرنے کی ’’درخواست‘‘ کر رہے ہیں۔ لیکن اسرائیل اپنے جنگی جنون کے نشے میں بدمست ہے اور وہ رفح پر حملے کے لیے پر تول رہا ہے اور ساتھ میں روزانہ کے حساب سے رفح پر بمباری بھی کر رہا ہے۔ مڈل ایسٹ مانیٹر میں معتصم الضلول لکھتے ہیں:

Will Netanyahu win the battle of Rafah? | Motasem A Dalloul

’’دسیوں اسرائیلی مصنفین، عسکری و اسٹریٹیجک ماہرین نے نیتن یاہو کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اسرائیلی قیدیوں کی رہائی کے لیے بھاری قیمت ادا کرتے ہوئے فلسطینی مزاحمت کے ساتھ جنگ بندی کے معاہدے کو قبول کریں کیونکہ یہ اس مقصد کے حصول کا واحد راستہ ہے۔

اسرائیل میں اندرونی پیچیدگیوں سے قطع نظر، جو نیتن یاہو کو جیل بھیج سکتی ہیں، نیتن یاہو ایک اسرائیلی رہنما کے طور پر اپنی بدمعاش ریاست کے لیے فتح حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے لیکن اسے ابھی تک سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ کیسے ہو گا۔

اس کا تکبر اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اندرونی یا بیرونی اتحادیوں، حتیٰ کہ اس کے سرپرستوں، امریکی صدر، اعلیٰ حکام اور کانگریس کے ارکان کی بھی کسی نصیحت پر کان نہ دھرے۔ وہ تو اپنے عسکری مشیروں کی بھی نہیں سن رہا، بشمول شاباک اور موساد کے سربراہوں کے، جو فلسطینی مزاحمتی تحریک کے ساتھ مذاکرات کی قیادت کرتے ہیں۔

جہاں تک فلسطینی مزاحمتی تحریک کی بات ہے، تو چاہے نیتن یاہو رفح کی جانب پیش قدمی کرے یا نہ کرے، وہ اسرائیلی قیدیوں کی رہائی کے لیے اپنی شرائط میں تبدیلی نہیں لائے گی۔

بلاشبہ فلسطینی مزاحمتی تحریک کم تر انسانی نقصان کو ترجیح دیتی ہے، خاص طور پر جب بدکردار اسرائیلی فوج بڑی تعداد میں عام شہریوں پر حملہ کرتے ہیں، لیکن اس کا کہنا ہے کہ ساڑھے آٹھ ہزار سے زائد فلسطینی قیدیوں کو اسرائیل کی جیلوں سے رہائی کا حق حاصل ہے اور غزہ کے چوبیس لاکھ افراد جو ایک کھلی جیل میں اٹھارہ سال سے زندگی گزار رہے ہیں انہیں بھی آزادی کا حق حاصل ہے۔

لہٰذا، ایک ضدی اور جائز فلسطینی مزاحمتی تحریک کا سامنا کرتے ہوئے، چاہے نیتن یاہو رفح پیش قدمی کرے یا نہ کرے، وہ اپنی پسندیدہ فتح حاصل نہیں کر پائے گا۔ اس کے علاوہ فلسطینی مزاحمتی تحریک کی عالمی حمایت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور نتین یاہو اور اس کے جرائم کے خلاف غصہ بھی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔‘‘

[Middle East Monitor]

فلسطین | اختتامیہ

اسرائیل دراصل رفح پر ایک بڑا زمینی حملہ کر کے وہاں کے مسلمانوں کو مصر کی جانب دھکیلنا چاہ رہا ہے تاکہ غزہ کے مسلمان اپنی سرزمین سے دستبردار ہو کر مصر میں پناہ لے لیں اور اسرائیل پورے غزہ پر یہودیوں کی نئی آبادکاریاں کر لے۔ غزہ میں آبادکاری کا منصوبہ پہلے ہی میڈیا پر آ چکا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے اسرائیل کو سبق سکھانے کے لیے کسی بڑے اقدام کی اشد ضرورت ہے۔ امت کا درد رکھنے والے مسلمان بائیکاٹ اور مختلف پلیٹ فارمز سے آواز تو اٹھا رہے ہیں، امداد بھی اکٹھی کر رہے ہیں، لیکن یہ سب کچھ نقار خانہ میں طوطی کی آواز کی مانند ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر طبقۂ زندگی سے تحریکیں اٹھیں اور اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالیں۔ فلسطین کے ہمسایہ عرب ممالک ہی اگر اٹھ کھڑے ہوں تو اسرائیل کو سبق سکھانا کچھ مشکل نہ ہو۔ ہمارا قبلۂ اوّل خطرے میں ہے۔ قبلۂ اوّل کی حفاظت کی غرض سے ہی امت کو اٹھنا ہو گا۔ کیونکہ یہی وقت ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

☆☆☆☆☆

عالمی منظر نامہ

غزہ نے مغربی فیمن ازم کی شرمناک منافقت کا پول کھول کر رکھ دیا ہے

ہالی وُڈ کی اداکاراؤں سے لے کر ہیلری کلنٹن تک، غزہ کی ماؤں کے لیے کسی کے پاس آنسو نہیں

فاطمہ بھٹو

فاطمہ بھٹو، ذوالفقار علی بھٹو کی پوتی اور سیکولر نظریات کی حامی ایک خاتون ہیں۔ لیکن جدید مغربی نظام اور اس کے ظلم کے خلاف ایک مستقل آواز بھی ہیں۔ ذیل میں فاطمہ بھٹو کا ایک میڈیا ادارے 'Zeteo' پر چھپنے والے مضمون 'Gaza Has Exposed the Shameful Hypocrisy of Western Feminism - From Hollywood actresses to Hillary Clinton, there are no tears to spare for Gaza's mothers' کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس مضمون میں فاطمہ بھٹو کے اکثر خیالات سے اتفاق کیا جا سکتا ہے، بلکہ یہ تحریر اپنے مواد و عنوان میں نہایت جان دار ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ اہلِ عقل و شعور کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دے، حق کو غالب، باطل کو مغلوب فرمائے اور مظلومین کی مدد و نصرت فرمائے، آمین۔ (ادارہ)

تقریباً ایک ماہ قبل میں نے اپنے پہلے بچے کو جنم دیا۔ اگرچہ اس سے قبل میں ولادت سے متعلق تمام کتب کا مطالعہ کر چکی تھی، ہر قسم کی ویڈیوز دیکھ چکی تھی اور ۹ ماہ میں نے اسی وقت کی تیاری کرنے میں گزارے تھے، مگر اس کے باوجود عملِ پیدائش کے جاں گسل مرحلے نے مجھے شکستہ حال کر دیا۔ خود کو میسر تمام سہولتوں..... ڈاکٹر، دائی (مڈ وائف)، انیستھیزیا، خیال رکھنے والا عملہ، ایک محفوظ ہسپتال، آرام کے لیے نرم بیڈ، مقوّی غذا، گرم و آرام دہ ماحول اور میرے بچّے اور میرے لیے مناسب کپڑوں کے بندوبست وغیرہ کے باوجود، میں پیدائش کے عمل کی شدّت اور تکلیف کے سامنے خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔ اور جب بھی مجھ پر شدّتِ تکلیف سے خوف غالب آنے لگتا، تو مجھے غزہ یاد آ جاتا اور یہ خیال مجھے شرمسار کر جاتا۔

قریباً چھ ماہ قبل غزہ پر شروع ہونے والی اسرائیلی نسل کش یلغار کے آغاز ہی سے مجھ پر غزہ کا غم طاری ہے۔ نوزائیدہ بچوں کے وارڈ میں ان ننھی منّی جانوں کے ضائع ہونے کا غم کہ جن کو بآسانی بچایا جا سکتا تھا، جن کو ہسپتالوں پر اسرائیل کے حد سے گزرے ہوئے ظالمانہ و وحشیانہ حملوں اور اس پر مستزاد بجلی و ایندھن کی عائد کردہ بندش کے سبب اپنی زندگی کے لیے لڑنے کا موقع نہ ملا۔ رفح کے الاماراتی ہسپتال (جو کہ وہاں کا سب سے بڑا اور مرکزی زچہ و بچہ کا ہسپتال ہے) کے ڈاکٹروں نے اقوامِ متحدہ کے پاپولیشن فنڈ کو بتایا کہ ۷ اکتوبر سے قبل ان کو انکوبیٹر یونٹ (incubator unit) میں کسی بھی وقت ۱۰ بچوں کی گنجائش موجود رہتی تھی۔ جبکہ اب وہ ۷۰ قبل از وقت پیدا ہونے والے بچوں کی نگہداشت کر رہے ہیں، جس کے سبب ایک بستر کئی بچوں کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ پورے وارڈ میں فقط ایک وینٹلیٹر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سانس کی تکلیف کے ساتھ پیدا ہونے والے ان پری میچور (pre-mature) بچوں میں سے کسی ایک کو اس کی جان بچانے والی نگہداشت میسر آئے گی، یہ انتہائی تکلیف دہ اور اذیت آمیز فیصلہ بھی ڈاکٹر کو کرنا ہو گا۔ کیونکہ سب بچوں کو بچانا تو ممکن ہی نہیں۔

یونیسیف کے ایک ترجمان، جوَ انگلش (Joe English) نے مجھ سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے پچھلے ہفتے کہا کہ "کسی بھی خاندان کے لیے ایک بچے کے دنیا میں آنے کا وقت خوشی و مسرت کا وقت ہوتا ہے، لیکن اس وقت غزہ میں ایک صحتمند بچے کو جنم دینے اور پھر اس کے زندہ بچ جانے کی امید رکھنا اور دعا و تمنا کرنا بھی شدید خوف و حسرت کا سبب بن چکا ہے"۔ اس نے مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ "..... شاید اس وقت زمین پر کوئی دوسرا خطہ ایسا نہیں کہ جہاں ایک حاملہ عورت ہونا اس قدر خطرناک اور باعثِ یاس ہے"۔ مسٹر اِنگلش کے مطابق، اکتوبر سے جاری اس جنگ میں مارچ ۲۰۲۴ء کے اختتام تک ۳۱۰۰۰ بچے پیدا ہو چکے تھے۔ غزہ کی ۵۲۰۰۰ حاملہ خواتین (کہ جن میں سے ۱۸۳ خواتین ہر روز ولادت کے عمل سے گزرتی ہیں) کے علاوہ ۱۰ لاکھ پانچ ہزار خواتین ایسی ہیں جو شیر خوار بچوں کو رضاعت کرواتی ہیں اور جو اسرائیل کے دیدۂ و دانستہ پیدا کیے گئے شدید غذائی قلّت کے حالات کے سبب فاقہ کشی سے نبرد آزما ہیں۔ اسرائیل نے غزہ میں انتہائی ضروری و بنیادی امداد کا داخلہ بھی روک رکھا ہے، اور مناسب خوراک اور پینے کا پانی تک میسر نہ ہونے کے سبب یہ خواتین اپنی گودوں میں موجود ان ننھی جانوں کو دودھ پلانے تک سے قاصر ہیں۔ صاف پانی کی عدم دستیابی کے سبب، یہ مائیں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو فارمولا مِلک (formula milk) بھی گھول کر پلانے پر قادر نہیں۔

ڈاکٹرز وِداؤٹ بارڈرز (Doctors Without Borders) سے وابستہ تانیہ حاج حسن کا کہنا ہے کہ غزہ میں تو ماں کے رحم میں پلنے والے جنین (fetus) کو بھی سزائے موت سنا دی گئی ہے۔ دورانِ حمل ان کی مائیں جس قدر شدید فکر و پریشانی اور غم و اذیت سے گزر رہی ہیں، وہ غم ان کو دنیا میں آنے سے پہلے، ماں کے پیٹ میں ہی گھلا دیتا ہے۔ صحت و رفاہِ عامہ سے متعلقہ اداروں کی رپورٹوں کے مطابق ۷ اکتوبر کے بعد سے فلسطینی خواتین کو حمل ضائع ہو جانے کے واقعات میں ۳۰۰ فیصد کے اضافے کا سامنا ہے اور اقوامِ متحدہ کے مختلف اداروں نے اعتراف کیا ہے کہ غزہ میں حاملہ خواتین کی نصف تعداد خون کی کمی کا شکار ہے، جو قبل از وقت ولادت اور بوقتِ پیدائش بچوں کے انتہائی کم وزن کا بڑا سبب ہے۔ خواتین حفاظت سے بچوں کو جنم نہیں دے سکتیں اور اگر ان کا بچہ بحفاظت دنیا میں آ بھی جائے تو بھی ان کے یا ان کے بچے کے زندہ بچ جانے کی کوئی ضمانت نہیں۔

اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ غزہ عالمی فیمنسٹ تحریک کے لیے کسی مقیاس یا کسوٹی کی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ دنیا کی بعض معروف ترین فیمنسٹ عورتیں تو اسے شاید سرے سے کوئی 'مسئلہ' سمجھتی ہی نہیں۔ رات گئے نشر ہونے والے ایک ٹاک شو میں ہیلری کلنٹن نے ان ووٹرز کو استہزائیہ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ '......انہیں چاہیے کہ اپنے اوپر قابو پائیں......!'، جو انتخابات کے لیے فقط ڈانلڈ ٹرمپ اور ایک ایسے صدر جس نے نسل کشی پر مبنی ایک مہم کی بڑی مستعدی سے حمایت کی اور اپنے تعاون سے اس میں حصّہ ڈالا (یعنی جو بائیڈن)، کے آپشنز کے باعث ووٹ ڈالنے کے تصور ہی سے مایوس اور غیر مطمئن ہیں۔ لڑاکا مزاج کلنٹن نے ووٹرز کو سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ (صدارتی انتخاب کے لیے) یہی دو آپشنز ہیں، مزید اپنی بات جاری رکھتے ہوئے صدر جو بائیڈن کی ایک 'مؤثر و فعال، دردمند، صاحبِ دل اور عوام الناس کی حقیقی پرواکرنے والے' شخص کے طور پر تعریف کی۔ بائیڈن کے منفی پہلوؤں کے بارے میں صرف اتنا اعتراف کرنے پر اکتفا کیا کہ وہ 'عمر رسیدہ' ہے۔ یہ کہنا کہ وہ 'عمر رسیدہ' ہے، وہ خفیف ترین بات ہے جو ایک ایسے صدر کی مذمت میں کہی جا سکتی ہے جس نے انتہائی فراخدلی سے اس امر کو یقینی بنایا ہو کہ اسرائیل کے پاس غزہ پر اپنی وحشیانہ کارپٹ بمباری جاری و ساری رکھنے کے لیے دو، دو ہزار پاؤنڈ کے بموں کا ذخیرہ کم نہ ہو جائے، حتیٰ کہ جب انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس بھی یہ کہہ چکا تھا کہ اسرائیل کی غزہ کے خلاف اس مہم میں نسل کشی کے مساوی ہونے کا امکان موجود ہے۔

اگرچہ کلنٹن کا تعلق تو جنگجو مزاج فیمنسٹوں کی مخصوص نسل سے ہے......وہ نسل جو ایران کے حجاب مخالف مظاہروں کی حمایت میں تقریریں کرتی ہے، مگر غزہ میں جنگ بندی کا مطالبہ کرنے یا اسرائیل سے غزہ کی عورتوں و بچوں کا بے شرمی و بہیمانہ انداز سے قتلِ عام کرنے پر کوئی جواب طلب کرنے سے مستقل انکاری ہے......مگر ہم نے بہت سی دیگر مغربی فیمنسٹ عورتوں کو بھی فلسطینی عورت کے حقوق کے حوالے سے گنگ پایا ہے، گویا انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ برینی براؤن، لکھاری، ادیب اور پیشہ ور محرّض (corporate motivator)، نے فروری میں 'صرفِ نظر نہیں: اسرائیل حماس جنگ پر میرے خیالات' (Not Looking Away: Thoughts on the Israel-Hamas War)، کے عنوان سے ایک انتہائی مہمل و بے معنی، منتشر الفاظ کا ایک ملغوبہ تحریر کیا۔ اسرائیل کی نسل کش مہم کے چار ماہ بعد، ایک ایسے وقت پر جبکہ ڈاکٹر اور امدادی تنظیمیں پہلے ہی سے خطرے کی یہ گھنٹی تواتر سے بجا رہے تھے کہ ہر پانچ میں سے ایک حاملہ خاتون غذائی قلّت کا شکار ہے اور اقوام متحدہ کے مطابق غزہ کے ۵ لاکھ سے زیادہ افراد کو 'ہلاکت خیز حالات......جن میں نمایاں ترین مسائل خوراک کی قلّت، فاقہ زدگی، اور حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کا نہ ہونا ہے......کا سامنا تھا' براؤن نے قابلِ فہم زبان و بیان کا صبر آزماتے ہوئے، انتہائی بزدلانہ وحماقت آمیز افکار تحریر کرتے ہوئے کہا کہ "مجھے اس امر سے اتفاق ہے کہ لوگ اپنا دفاع کرنے کا حق رکھتے ہیں، اور مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ فلسطین پر موجودہ اسرائیلی قبضہ اور حماس کے حملوں کے جواب میں ہزاروں معصوم فلسطینیوں کا قتل، انسانی حقوق کی ناقابلِ قبول خلاف ورزی ہے"۔

باوجود کوشش کہ میں کیری بریڈشا[1] کی آواز و انداز کا تاثر زائل نہیں کر پا رہی جو براؤن کو گہرے تفکر کے عالم میں اپنے لیپ ٹاپ پر جھکے، کسی رٹّو طوطے کی مانند حماس کا شہریوں کو انسانی ڈھال کے طور پر استعمال کرنے جیسی اسرائیلی حجّتیں دہراتے اور ساتھ ہی ساتھ اس امر پر غور کرتے کہ اس سب صورتحال میں ایران کا کتنا اور کیا کردار ہے (ظاہر ہے کہ یہاں ایران کے 'زبردست' لوگ مراد نہیں)، کے تصور کے ساتھ میرے ذہن میں آتا ہے۔ کلِنٹن کے برعکس، مِس براؤن کو بہر حال فلسطینیوں کے انسانی حقوق کی پروا کا دعویٰ ہے۔ لیکن دیگر تمام سفید فام فیمنسٹ عورتوں کی طرح، براؤن بھی فلسطینیوں کے کرب و ابتلا کا تذکرہ، ان کے اپنے ہاتھوں کی بدقسمت کمائی کے سوا کسی بھی دوسری طرح کرنے سے قاصر ہے۔ اسرائیل نہ صرف یہ کہ ہر قسم کے الزام، دشنام اور جرم و ملامت سے بری کر دیا جاتا ہے بلکہ اسے نسلی و عنصری تفریق، عورتوں کے قتل اور نومولود بچوں کے قتل جیسے جرائم سے بھی معصوم اور پاک قرار دیا جاتا ہے۔ ہاں اس آخری بات میں براؤن کی تائید و توثیق کرنے کو گلوریہ سٹائینم جیسی فیمنسٹس اسرائیلی قبضے اور ظلم کی مکمل اور ہمہ نوع صورت کو گھٹانے کی خاطر اسے محض بنیامین نیتن یاہو کی اکیلی شخصیت تک محدود کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ گویا کہ اس منطق کے مطابق اگر اس ایک شخص کو ووٹوں سے ہرایا جا سکے تو یہ شخص اسرائیل کی تمامتر قاتلانہ و ناپسندیدہ خُو اپنے ساتھ لے جائے گا۔

وہ پچاس فرانسیسی اداکارائیں اور نامور شخصیات جو ایران میں حجاب کے حوالے سے نافذ قوانین کی خلاف ورزی کرنے کی پاداش میں پولیس کی تحویل میں جاں بحق ہونے والی ۲۲ سالہ مہسا امینی کی ہلاکت پر اس قدر متاثر ہوئی تھیں کہ وہ سب اکٹھی ہوئیں اور ایرانی عورتوں سے اظہارِ یکجہتی کی خاطر انہوں نے اپنے بال کاٹنے کی ویڈیو بنائی، غزہ کی بہنوں کی خاطر انہوں نے ایسی کوئی ویڈیو نہیں بنائی۔ '#حرّیت کے لیے بال' جیسے خجالت آمیز ہیش ٹیگ کے ساتھ، کیمرے کی جانب افسردگی سے دیکھتے ہوئے جولیٹ بینوش، میرین کوٹیلارڈ اور دیگر نے اپنی زلفیں کاٹیں، اور اپنی ویڈیو کو 'اس وحشت ناک جبر کی بار بار مذمت نہ کرنا ناممکن ہے، مقتولین کی تعداد پہلے ہی درجنوں سے تجاوز کر چکی ہے، جن میں بچے بھی شامل ہیں' کا عنوان (کیپشن) دیا۔

---

[1] کیری بریڈشا: ایک افسانوی کردار جس کی شخصیت کے نمایاں پہلو خود پسندی، نرگسیت اور خود غرضی جیسی منفی صفات ہیں۔

اگرچہ بینوش جنگ بندی کی طرفدار بن کر سامنے آئی ہے مگر غزہ کی نو ہزار چھ سو اکہتر (۹،۶۷۱)مقتول عورتیں اور پندرہ ہزار تین سو ستّر (۱۵،۳۷۰) قتل کیے گئے بچے، اپنے حق میں ان نامور و قد آور شخصیات کی جانب سے بہناپے/sisterhood(یعنی بھائی چارے) کے کسی عوامی مظاہرہ یا عمل کا باعث نہ بن سکے جنہوں نے حجاب کے خلاف ایرانی مظاہروں اور احتجاجوں کے دوران ویڈیوز بنائیں، ٹی شرٹس پہنیں، سوشل میڈیا پر پوسٹس کیں اور زن، زندگی، آزادی کا ایرانی نعرہ پوری قوت سے لگایا۔

غزہ نے بہت وضاحت سے ہمیں یہ بھی دکھادیا ہے کہ بڑی سکرین پر ایک فیمنسٹ کا کردار ادا کرنا، حقیقی زندگی میں خواتین کے لیے دل میں سچی ہمدردی و خیر خواہی کے جذبات رکھنے کی کوئی ضمانت نہیں۔ اسرائیلی اداکارہ گیل گیڈوٹ جو کہ 'ونڈر وومن' کا کردار ادا کرنے سے معروف ہوئی، نے اپنے چوتھے بچے کی پیدائش کے بعد ہسپتال کے بیڈ میں اپنی تصویر کھینچ کر پوسٹ کی، جس کے ساتھ اس نے لکھا کہ 'اس حمل کا عرصہ آسان نہیں تھا، مگر ہم نے اسے پار کر لیا......'۔ ۲۰۰۶ء میں اسرائیل اور حزب اللہ کے مابین ہونے والی جنگ میں اسرائیلی فوج میں خدمات انجام دینے والی اور ماضی میں بھی غزہ پر اسرائیلی بمباری کی کھلے عام حمایت کرنے والی گیل گیڈوٹ کے بارے میں اگر بہت نرم کوئی بات کہی جائے تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ شرمناک حد تک اپنے ملک کی جانب سے غزہ کی طبی سہولیات کو تقریباً مکمل طور پر تباہ کر دینے کے حوالے سے بے نیاز ہے۔ اسرائیلی بمباری کے سبب غزہ کے ایک تہائی ہسپتال محدود فعالیت کر رہے ہیں جبکہ بنیادی طبی سہولیات کی دو تہائی تعداد مکمل طور پر بند ہو چکی ہے۔ اور حقیقت کے قریب تر بات یہ ہے کہ یہ پوسٹ ایک سنگدل، بلکہ ایک ایسی عورت کی ہے جس کے سینے میں شاید دل ہی نہیں۔ غزہ پر جاری اسرائیلی جارحیت کے سبب ہزاروں کے حساب سے حاملہ فلسطینی عورتیں سڑکوں کے کنارے اور خیموں کے اندر بچّے جننے پر مجبور ہیں۔ وہ خواتین جن کے بچے سیزیرین سیکشن کے ذریعے دنیا میں آتے ہیں، انہیں بچے کی ولادت کے محض تین گھنٹے بعد ہی ڈاکٹر ہسپتال سے رخصت کرنے پر مجبور ہیں، جس کے سبب ان کی اور نوزائیدہ بچوں کی زندگیاں مسلسل خطرے میں ہیں۔ چونکہ اسرائیل نے بجلی، ایندھن، طبی وسائل، دواؤں اور پانی...... سب ہی پر بندش لگا رکھی ہے، لہٰذا ڈاکٹروں نے ایسے واقعات بھی سنائے ہیں کہ جب وہ اپنے موبائل فونوں کی روشنی میں آپریشن کرنے پر مجبور ہوئے، انیستھیزیا کے بغیر خواتین کا سیزیرین آپریشن کیا اور نومولود بچوں کو گرم پانی کے کنستروں کے ذریعے گرم رکھنے کی سعی کی۔

مغربی فیمنسٹوں کی یہ منافقت کوئی نئی دریافت نہیں۔ آزادیٔ نسواں کا ان کا سطحی نظریہ صرف تبھی منظرِ عام پر آتا ہے جب خواتین کے حقوق کا مسئلہ مغربی سیاسی مفادات، جنگوں، اور ان کے ایجنڈوں سے میل کھاتا ہو...... یعنی آپ ایک مغربی فیمنسٹ کے افغانستان یا ایران میں خواتین کے مسائل پر پریشان و ہلکان اور غیض و غضب کا شکار ہونے پر تکیہ کر سکتے ہیں مگر محمد بن سلمان کے سعودی عرب یا نریندر مودی کے بھارت میں، خواتین کی حیثیت کے حوالے سے ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جن میں سے مودی کا بھارت وہ جگہ ہے جو تھامسن رائٹرز کے ۲۰۱۸ء کے سروے کے مطابق جنسی جارحیت اور خواتین کو جبراً غلامی و مزدوری پر مجبور کرنے کے واقعات کی بلند شرح کے سبب خواتین کے لیے دنیا کا خطرناک ترین ملک ہے۔

فیمن ازم کے اس برینڈ کی والی وارث باربی ہے۔ پلاسٹک کی ایک گڑیا جو بڑھیا بالوں اور انتہائی متناسب فگر کی مالک ہے، جو ایک حویلی میں رہتی ہے اور ایک کنورٹیبل گاڑی میں سفر کرتی ہے۔ اس کو دنیا کی بھاری اکثریت پر مشتمل ان خواتین سے کوئی دلچسپی نہیں جن کے عزائم اپنا ذاتی جیٹ حاصل کرنے کی نسبت قدرے عاجزانہ اور منکسر المزاج ہیں اور جو بے حد بنیادی خوابوں کی تکمیل کی خاطر محنت اور جدوجہد کرتی ہیں: یعنی زندہ رہنا اور ایک محفوظ ماحول میں کام کرنا، اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرنا، اپنے پیاروں کو صحت و سلامتی سے رکھنا اور خطرات سے بچا کر رکھنا۔ غزہ نے ہمیں دکھا دیا ہے کہ نظریۂ فیمن ازم کی حقیقت دراصل کس قدر کھوکھلی اور بے معنی ہے، جب وہ کپڑے کے ایک ٹکڑے کے خلاف تو اپنے عالمی جنود سمیت حرکت میں آ جاتا ہے مگر موبائل فونوں پر براہِ راست نشر ہوتی ایک نسل کُش مہم جس کا اولین نشانہ خواتین ہیں، کے خلاف جنبش تک نہیں کرتا۔ غزہ میں جاری اسرائیلی جنگ میں قتل ہونے والوں میں سے ستّر فیصد خواتین اور بچے ہیں۔ بالآخر فیمن ازم کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا کردار نہ پدر شاہی نظام ادا کرے گا، نہ ڈانلڈ ٹرمپ یا رِشی سُنک، یا دائیں بازو کا اقتدار میں آنے والا کوئی مرد...... جن سب کی حیثیت یکساں ہونے کے سبب وہ سب ہی آپس میں ادل بدل کیے جا سکتے ہیں، بلکہ اس کا زوال لانے کا سبب اس کے اپنے سپاہی بنیں گے: وہ خواتین جو ان بد ترین جرائم پر خاموش رہیں جن کا مشاہدہ ہماری نسل نے اپنے پورے عرصۂ حیات میں کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: کفار کا معاشی بائیکاٹ

خام مواد میں سے کسی ایک چیز کی فراہمی میں رکاوٹ بھی پیداوار پر بڑا اثر مرتب کر سکتی ہے۔ مثال کے طور پر، دنیا میں neon (جو کہ مائیکروچپ کی پیداوار میں استعمال ہونے والے لیزر کے لیے درکار ہوتا ہے) کی تقریباً آدھی پیداوار یوکرین میں ہوتی تھی۔ جب روس نے یوکرین پر حملہ کیا تو نیون کی پیداوار رک گئی، جس کے سبب قیمتیں بے حد بڑھ گئیں اور عالمی سطح پر پہلے سے موجود سیمی کنڈکٹرز (semiconductors) کی قلتِ سپلائی، شدید قلت میں بدل گئی۔ دراصل ترکیبی اجزاء کی فراہمی میں خلل بھی پیداوار کی مجموعی لاگت پر اثر انداز ہوتا ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

شہید کماندان نعیم نور خان رحمۃ اللہ علیہ

گزارشات

اس رپورٹ کا بقیہ حصہ درج ذیل دو اہم مسائل پر گزارشات اور مشوروں پر مشتمل ہے:

۱. مستقبل میں اسحاق صاحب کے ساتھ کیا کیا جا سکتا ہے؟
۲. ہم اسحاق صاحب کے سلسلے میں امریکی حکومت اور آئی ایس آئی کے ساتھ اپنے مذاکرات کے بیانیے اور طریقہ کار کو کیسے بدل سکتے ہیں؟

سب سے پہلے میری قارئین سے گزارش ہے کہ اس وقت تک کوئی رائے یا فیصلہ نہ کریں جب تک کہ وہ رپورٹ کے خاتمے تک نہ پہنچ جائیں۔ معاملہ سنگین بھی ہے اور پیچیدہ بھی، اور مختلف زاویوں سے اس کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے فیصلوں میں ہماری رہنمائی فرمائے اور ان میں برکت ڈالے۔ ابتداء میں مَیں 'تفتیشی مرحلہ نمبر ایک' رپورٹ کو، گزارشات کے عنوان کے تحت چسپاں کر رہا ہوں جو میں نے تقریباً ایک ماہ قبل بھائیوں کو بھیجی تھی۔ براہ کرم یہ نوٹ فرمالیں کہ یہ رپورٹ اور سفارشات اسحاق صاحب کے اسلام قبول کرنے کے علم سے پہلے لکھی گئی تھیں۔ بلاشبہ اس رپورٹ میں پیش کی گئی گزارشات میں بہت سی تبدیلیوں کی ضرورت ہے جو کہ ردوبدل کے بعد عنقریب قارئین کو مل جائے گی۔

+++++++++ (یہ حصہ ابھی شائع نہیں کر سکتے)

جدید گزارشات؛ اسحاق صاحب کے قبولِ اسلام کے بعد

اب تک، ہم اسحاق صاحب کے قبولِ اسلام سے مطمئن ہیں اور ہم مستقبل میں بھی اس کا اطمینان لیتے رہیں گے، ان شاء اللہ! اگر امور اسی طرح چلتے رہے تو میری درج ذیل چند گزارشات ہوں گی:

سب سے پہلے، وارن وائن سٹائن کی پروفائل کا موازنہ اگر ان قیدیوں کی پروفائل سے کیا جائے جن کا نام ہم نے امریکی حکومت سے مطالبے میں کیا ہے... یعنی شیخ خالد شیخ اور عافیہ صدیقی بہن... اور پھر اس کے ساتھ ساتھ امریکی حکومت کی جانب سے ہمارے مطالبات کے جواب میں بے کار سارا عمل دیکھا جائے تو مجھے نہیں لگتا کہ امریکی حکومت کم از کم مستقبل قریب میں مجاہدین کے ساتھ مذاکرات پر آمادہ ہو گی۔ جیسا کہ اوپر میں کہہ آیا ہوں کہ میرا مطلب یہ نہیں کہ +++++++++

اب چونکہ اسحاق صاحب پہلے ہی اسلام قبول کر چکے ہیں، اور خصوصاً ہم سب اسحاق صاحب کی اسلام میں ترقی سے مطمئن ہیں تو ہمیں اپنے ذہن میں ایک بہت اہم بات یاد رکھنی چاہیے۔ وہ یہ کہ ان کی عمر ۷۲ سال ہے۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم مستقبل میں وہ کیا کر سکتے ہیں جس سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اور اللہ عزوجل کے دشمنوں کے کلمے کو شکست دے سکیں۔ اس لیے میں مندرجہ ذیل دو مسائل پر آزادانہ گفتگو کرنا چاہوں گا:

- اسحاق صاحب کا مستقبل اور رہائی
- امریکی حکومت یا پھر آئی ایس آئی کے ساتھ مذاکرات

اسحاق صاحب کا مستقبل اور رہائی

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، اسحاق صاحب کی عمر تقریباً ۷۲ سال ہے اور صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کی مزید کتنی زندگی لکھی ہوئی ہے۔ اب تک ان کی صحت تسلی بخش ہے لیکن مستقبل کے بارے میں کون جانتا ہے؟ ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بہر حال جیل کی زندگی ایک فرد کی صحت کو تیزی سے خراب کرتی ہے۔ میرے خیال میں... طویل المیعاد منصوبہ بندی کے حوالے سے اگر سوچا جائے... تو اسحاق صاحب کی مناسب وقت میں رہائی امت کے لیے ان کو اسی طرح نظر بند رکھنے سے زیادہ مفید ثابت ہو گی۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ ہمیں امریکی عوام کو (ان کی حکومت کے خلاف) متحرک کرنے اور امریکی حکومت کو ہمارے مطالبات ماننے پر مجبور کرنے کے لیے مزید کئی امریکیوں کو اٹھانے کی ضرورت ہے۔ یقیناً اس سارے کام میں وقت درکار ہے جبکہ اسحاق صاحب اپنی زندگی کے تقریباً عروج پر ہیں۔ اس مسئلے کے حل کے لیے میں نے کچھ سوچ بچار کی ہے...

اسحاق صاحب کی تربیت

ہمیں مزید ۸ سے ۱۰ ماہ یا زیادہ سے زیادہ ایک سال تک ان کی تربیت پر محنت کرنی چاہیے۔ ہمیں ایک ایسے 'مختصر داعی کورس' بنانے کی ضرورت ہے جو اسلام کے تمام بنیادی اور متوسط درجے کے احکام کا احاطہ کرتا ہو۔ کورس میں بنیادی عقائد سے لے کر مختلف عبادات تک اور پھر ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ سے لے کر اللہ کے قانون کی حکمرانی تک کی چیزیں شامل ہونی چاہئیں... المختصر؛ منہج اہل سنت والجماعت۔ بعد میں، ہمیں انہیں کچھ منتخب جدید موضوعات پر

لکھی گئی کتابیں بھی پڑھانی چاہئیں جو موجودہ دور یا ماضی قریب کے علماء اور مشائخ نے تحریر کی ہیں مثلاً شیخ اسامہ، شیخ سید قطب، شیخ ایمن، شیخ انور العولقی وغیرہ۔ ان کو اس قابل بنانے کے لیے اسلام کی تاریخ کو جدید عالمی حالات سے جوڑنا ضروری ہے تاکہ وہ سمجھ سکیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ کیوں کر رہے ہیں۔ میرے ذہن میں اس کا ایک اچھا طریقہ کار موجود ہے جو ان شاء اللہ اس رپورٹ پر آپ بھائیوں کی رائے لینے کے بعد دوبارہ بھیجوں گا۔ ہمیں دو محاذوں پر کام کرنے کے لیے اسحاق صاحب کو تیار کرنا چاہیے:

۱. دعوت الی اللہ

الحمد للہ، میں دعوت الیٰ اللہ کے میدان میں اسحاق صاحب میں بڑی صلاحیت دیکھتا ہوں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، چونکہ وہ پہلے ہی دو مرتبہ سیرت ختم کر چکے ہیں... پہلے کتاب الرحیق المختوم سے اور پھر شیخ انور العولقی کا دورہ سنتے ہوئے... بعض اوقات وہ ظہر کی تعلیم میں ریاض الصالحین کی احادیث کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ ماشاء اللہ ان کو اپنے قول و فعل سے اپنی بات سمجھانے کا بہت اچھا طریقہ آتا ہے۔ وہ ایسے شخص نہیں ہے جو اپنے عقائد محض اپنے پاس رکھیں... دوسرے الفاظ میں، وہ ایک ایسی شخصیت کے مالک ہیں جو اپنے خیالات کو پھیلانا پسند کرتی ہے اور اس کا انہیں خوب فن بھی آتا ہے۔ اگر اللہ نے چاہا اور برکت دی تو میں مستقبل میں ان کی شخصیت میں ایک عظیم داعی دیکھ رہا ہوں۔ کیا ہی خوش قسمت بات ہو گی کہ اللہ انہیں عالم غرب میں اسلام کے ایک مضبوط داعی بننے کی توفیق دے دے۔ وہ مختلف سماجی، اقتصادی اور سیاسی طبقات میں ایک معروف شخصیت ہیں... نہ صرف امریکہ بلکہ دنیا کے دیگر حصوں میں بھی وہ معروف ہیں۔ اگر اللہ نے ہمارے فیصلوں میں برکت دی تو میں مستقبل میں ایک عظیم خیر دیکھ رہا ہوں... اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے! عام گفتگو میں انہوں نے مجھ سے بارہا کہا کہ انہوں نے بہت سی چیزوں کے بارے میں سوچا ہے جن کے بارے میں وہ مستقبل میں کچھ کرنا چاہتے ہیں۔

اس ذیلی حصے کے اختتام سے پہلے میں ’یوان ریڈلے‘ کا واقعہ آپ حضرات کو یاد دلانا چاہتا ہوں۔ جو ۱۱ دن تک طالبان کی حراست میں رہیں اور بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ الحمد للہ، وہ اللہ عزوجل کے دین کے لیے کتنا اچھا کام کر رہی ہیں۔ لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہی ہیں اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے بے نقاب کر رہی ہے۔

۲. امریکہ کے قلب میں بیٹھ کر اس کی پالیسیوں کو تنقید کا نشانہ بنانے کے لیے

اگر اللہ نے ہمارے لیے آسانیاں پیدا کیں تو یہ امریکہ اور عالم غرب کے لیے بڑا دھچکا ہو گا۔ ویسے اس وقت امریکی پالیسیوں کے بہت سے ناقدین تو ہیں، لیکن ان میں سے زیادہ تر یا تو اپنا کوئی سیاسی مفاد رکھتے ہیں یا بہت بے جان ہیں اور کچھ زیادہ ہی محتاط ہیں۔ اگر اللہ نے اسحاق صاحب کو برکت دی تو ان کے معاملے میں فرق یہ ہو گا کہ وہ اس کو ایک مذہبی فریضہ کے طور پر نبھائیں گے۔ ان کے ساتھ رہنے والے بھائیوں اور میں نے انہیں ایک ایسا شخص پایا ہے جو اللہ اور اس کے دین سے محبت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اللہ کے وہ بندے جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور جو اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں... اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو مصائب سے آزماتا اور اللہ کی نظر میں جو جتنا زیادہ باعزت ہوتا ہے وہ زیادہ بڑے امتحانات سے گزرتا ہے۔ اس لیے اپنی روزمرہ زندگی میں بھی اسحاق صاحب اپنی مختلف جسمانی اور ذہنی تکلیفات کو برداشت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی کوشش یہی رہتی ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے ساتھیوں سے زیادہ سوال نہ کریں۔ لہٰذا، اگر ہم اس قابل ہو جائیں کہ ہم انہیں اسلام کی مضبوط فکر دے سکیں اور وہ اس بات کا عزم کر لیں کہ انہوں نے امریکہ کی خارجہ پالیسیوں کا بین الاقوامی ناقد بن کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کے لیے کام کرنا ہے تو میرے خیال میں یہ اللہ کی ہمارے حق میں بہت بڑی نصرت ہو گی۔

اب دو سوال ہیں... اول یہ کہ کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں؟ اور دوم یہ کہ کیا وہ ایسا کریں گے؟ جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے، تو میں پختہ یقین رکھتا ہوں کہ اس دنیا میں شاید بہت کم لوگ ہوں گے جو اس کام کو اتنے مؤثر طریقے سے انجام دے سکتے ہیں جتنا کہ اسحاق صاحب کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ امریکی سیاسی نظام کو بہت گہرائی سے جانتے ہیں اور امریکی عوام کی نفسیات کو بھی سمجھتے ہیں (تفصیل کے لیے ’تفتیشی مرحلہ نمبر ایک‘ رپورٹ کا مطالعہ کریں)۔ یاد رہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کی سرگرمیوں میں گزارا ہے۔ جہاں تک بات ہے دوسرے سوال کی تو کوئی بھی یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ واقعی یہ کام سر انجام دیں گے۔ تاہم، میں نے ان کے ساتھ اپنی ہلکی پھلکی (عام) گفتگو کے دوران کئی بار ان سے بات کی اور ان سے کہا کہ وہ اپنی زندگی کا باقی حصہ اسلام کی تاریخ پر روشنی ڈالنے میں گزاریں۔ اور میں نے جب بھی ان سے امریکی حکومت کا ناقد بننے کے موضوع پر بات کی ہے تو وہ میری بات بغور سنتے ہیں اور بظاہر میرے خیالات سے اتفاق کرتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، وہ اکثر ایسے الفاظ کہتے ہیں کہ ”کوئی چیز (من جانب اللہ) میرا انتظار کر رہی ہے، لیکن مجھے نہیں معلوم وہ کیا چیز ہے۔“ میں نے ان سے کئی بار یہ بات شریک کی کہ انسان کو اس دنیا میں ہمیشہ ایسے کام کرنے چاہئیں جن سے اس امت کی آنے والی نسلوں تک فائدہ پہنچ سکے اور انہیں بتایا کہ اگر وہ اس کام کا بیڑہ اٹھا لیتے ہیں تو وہ تاریخِ اسلام میں ایک عظیم سنگِ میل ثابت ہو سکتے ہیں۔ وہ ایک ایسے شخص ہیں جو ان تمام اسٹریٹجک مسائل کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور ابتداء میں ان کو آغاز کروانے کے لیے جس تعلیم کی ضرورت ہے... بعد میں مستقل ان کو تعلیم دینے کی کوئی خاص ضرورت نہیں پڑے گی۔

مختصر یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق کے بعد، یہ کامیابی اس بات پر منحصر ہے کہ ہم ان کو مذکورہ بالا تمام کاموں کے لیے تیار کرنے کی کتنی جدوجہد کرتے ہیں۔ یقیناً، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بقیہ جتنا وقت بھی رہ گیا ہے اس میں بھی ہم ان کے ساتھ پیار محبت اور خیر خواہی کے ساتھ پیش آئیں۔ اور تمام بھلائیاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں! یقیناً اس پروگرام کی تکمیل کے حوالے سے کہنے کو بہت کچھ ہے جو ان شاء اللہ اس رپورٹ پر بھائیوں کے تبصروں کے بعد کہوں گا۔

اسحاق صاحب کی رہائی

ایک مناسب وقت پر (تقریباً ۸ ماہ سے ایک سال تک)... ساتوں آسمانوں اور زمین کے رب سے مدد مانگتے ہوئے... ہم اسحاق صاحب کو رہا کرسکتے ہیں۔ مجھے ان کی رہائی پر ایک بڑی عالمی 'میڈیا ہائپ' کی توقع ہے جو ان شاءاللہ اسلام کے حق میں جائے گی۔ اگر وہ اللہ کی مرضی سے ثابت قدم اور مضبوط رہے تو ہم اسلام کی ایک عظیم فتح اور ساری دنیا کے طواغیت خصوصاً امریکہ کی ایک ذلت آمیز شکست کی امید کرسکتے ہیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو یہ دنیا کے لیے یوان ریڈلے سے زیادہ حیران کن خبر ہوگی۔ کیونکہ اسحاق صاحب کی سابقہ پروفائل... ان کی امریکی حکومت کے اداروں سے وابستگی، ان کا سابقہ مذہب (یہودیت) اور ان کی امریکی نیشنیلٹی سب بہت اہم پہلو ہیں۔

اگر معاملات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد سے اس منصوبہ بندی کے مطابق آگے بڑھتے ہیں تو ہمیں اس حوالے سے کسی بھی ایسی (السحاب اور ہمارے دوسرے نشریاتی اداروں کی) میڈیا ریلیز سے سختی سے گریز کرنا چاہیے جس سے اسحاق صاحب کے مستقبل میں کرنے والے کاموں کو ممکنہ طور پر نقصان پہنچ سکتا ہو۔ بلاشبہ، ہم یہ نہیں چاہیں گے کہ وہ صرف ہماری میڈیا ریلیز کی وجہ سے امریکی حکام کے یہاں مشکوک ٹھہریں اور بلاوجہ پریشان کیے جائیں۔ اگر وہ ثابت قدم رہے تو ان پر طواغیت کی جانب سے ویسے بھی بہت زیادہ دباؤ آنے کی توقع ہے۔ انہیں رہا کرنے کے بعد، ہمیں صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں اپنی فتح ونصرت سے نوازے۔

امریکی حکومت یا آئی ایس آئی کے ساتھ مذاکرات

اس وقت تک جب تک اسحاق صاحب ہمارے پاس موجود ہیں (تقریباً ۸ ماہ سے ایک سال تک)، ہم امریکی حکومت یا پھر آئی۔ ایس۔ آئی۔ کے ساتھ مذاکراتی عمل کو تیز کرسکتے ہیں۔ اس ذیل میں یہ نکات اہمیت کے لائق ہیں:

۱) ہمیں اسحاق صاحب کے اسلام قبول کرنے کو 'انتہائی خفیہ' رکھنے کی ضرورت ہے... یہ بات کسی بھی غیر متعلقہ بھائی کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ کیونکہ اگر یہ خبر کسی طرح امریکی حکومت (یا آئی ایس آئی) تک پہنچ گئی تو مجھے نہیں لگتا کہ وہ ہمارے کسی ایک بھی مطالبے پر کان دھریں گے... اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے!

ب) --------

ج) مذاکرات کا روڈمیپ

سب سے پہلے، ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ امریکی بہت مغرور لوگ ہیں۔ زیادہ تر امکان اسی بات کا ہے کہ وہ ایک یا دو افراد کے لیے کم از کم القاعدہ کے ساتھ براہِ راست مذاکرات / یا ڈیلنگ پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ لہذا، اس موضوع میں کسی ثالث کو استعمال کرنا اللہ کی مدد سے فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے۔ دوسرا، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، ہمیں کم از کم ۳ یا ۴ مطالبات کی لسٹ اپنے ذہنوں میں رکھنی چاہیے کہ جنہیں ہم ایک ایک کرکے آزما سکتے ہیں۔

میرے خیال میں ہم یوں کرسکتے ہیں کہ -------- کو فرنٹ پر رکھیں اور یہی آئی ایس آئی سے رابطے میں رہیں۔ -------- کے بااثر اور سمجھدار بھائی جو عموماً آئی ایس آئی کے اعلیٰ حکام سے ڈیلنگ کرتے ہیں وہ آئی ایس آئی سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ وارن وائن سٹائن کے معاملے پر -------- لیکن -------- آئی ایس آئی سے درج ذیل مطالبات ہیں:

مطالبات کا پلان۔A

۱) بہن عافیہ صدیقی کی رہائی

آئی ایس آئی کو چاہیے کہ وہ امریکی حکام سے بات کرکے بتائے کہ کچھ بااثر ------ قیادت اب وارن وائن سٹائن کو رہا کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ لیکن وہ صرف ایک ہی مطالبہ کررہے ہیں کہ 'عافیہ صدیقی کو پاکستان واپس لایا جائے اور ان کی بقیہ قید اب پاکستان کے اندر ہی گزرنی چاہیے'۔ اس سلسلے میں آئی ایس آئی، وارن وائن سٹائن کی امریکہ کو رہائی کی ضمانت دے سکتی ہے۔ آئی ایس آئی کو بھی عافیہ صدیقی کے معاملے پر امریکیوں پر آزادانہ دباؤ ڈالنا چاہیے۔ اگر امریکی ان شرائط پر راضی ہوجاتے ہیں، تو آئی ایس آئی ان کے ساتھ دیگر سرکاری مراحل خود سے طے کرسکتی ہے... یعنی یہ منتقلی حقیقت میں کیسے ہوگی۔ ایک بار جب ہماری بہن یہاں پاکستانی جیل میں آجائیں، تو آئی ایس آئی ان کی مکمل رہائی میں مزید سہولت فراہم کرسکتی ہے یا تو عدالتی مقدمے کے ذریعے یا مجاہدین کو جیل پر عسکری کارروائی کے لیے راستہ چھوڑ کر۔

۲) آئی ایس آئی کو بالخصوص ان مجاہدین کو بھی رہا کرنا چاہیے جو کئی سالوں سے پاکستان کے مختلف جیلوں میں قید ہیں۔ - جیسے ہمارے بھائی -------- ہم یہ فہرست بھی -------- کو تھمائیں گے جسے وہ آگے آئی ایس آئی کو دے سکتے ہیں۔

مطالبات کا پلان B

یاد رکھیں، ہمیں اسحاق صاحب کی رہائی اور آئی ایس آئی کے ساتھ مذاکراتی عمل کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اوپر بیان کردہ وجوہات کی بنا پر دو آزاد مسائل سمجھنا چاہیے۔ یعنی، ہمیں امریکی حکومت اور آئی ایس آئی سے اپنے زیادہ سے زیادہ مطالبات منوانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن ۸ ماہ سے ایک سال کے بعد، اگر ایسا لگتا ہے کہ طواغیت اسحاق صاحب کے معاملے میں بالکل سنجیدہ نہیں ہیں، تو پھر بھی ہمیں پچھلے باب میں مذکور مقاصد کے لیے اسحاق صاحب کو رہا کر دینا چاہیے۔

کچھ بھائی مذکورہ بالا مذاکراتی عمل کو محض ایک حسین خواب تصور کرتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ 'انٹیلی جنس کی دنیا' میں ان چیزوں کا واقع ہونا ایک عمومی بات ہے۔ ہمیں اپنے عزائم کو بلند رکھنا چاہیے، اپنی سوچ کو وسعت دینی چاہیے اور اپنے رب سے نصرتوں کی طلب میں رہنا چاہیے۔ واقعی اس بلندی والے اللہ نے کیا ہی سچ فرمایا ہے:

وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ

"اور فتح تو کسی اور کی طرف سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے"۔

خاتمہ!

آخر میں، دو نکات میرے خیال میں قابل ذکر ہیں:

اس رپورٹ کو پڑھنے کے بعد چند سوالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر اسحاق صاحب اپنی رہائی کے بعد ان کاموں کو انجام نہیں دیتے جو ہمیں مطلوب ہیں؟ اور اگر ہم سے دور جا کر وہ ایسی باتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں جو اسلام یا مجاہدین کے خلاف ہوں تو...؟

سب سے پہلے، ہم جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں کو صرف 'محدود' علم و بصیرت سے نوازا ہے... سب کچھ جاننے والی ذات تو اسی کی ہے۔ علم و بصیرت کو محدود کرنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ اس کے بندے ہر ممکن کوشش کرتے رہیں... لیکن ساتھ ہی اپنی کوششوں پر بھروسہ کرنے والے نہ بن جائیں۔ بلکہ اپنے رب سے کامیابی مانگتے رہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ جب ہم کسی عسکری کارروائی کی منصوبہ بندی کرتے ہیں تو اس وقت بھی ہمیں نتائج کے بارے میں کبھی یقین نہیں ہوتا- ہم صرف اپنی استطاعت کے مطابق منصوبہ بندی اور کام کرتے ہیں اور پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس کی مدد مانگتے ہیں۔

ہماری امید کا مرکز و محور محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے کہ وہ اپنے کمزور بندوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا اور جو کچھ ہم اس سے مانگتے ہیں اس سے کہیں زیادہ وہ ہمیں نوازے گا۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ آنے والے حالات ہماری خواہش کے مطابق نہ چلے تو پھر بھی ہمیں معلوم ہونا چاہیے ہم ہی فتح مند رہیں گے اور تمام ناکامیاں، ذلتیں اور تباہیاں اللہ کے دشمنوں کے مقدر میں ہونگی۔

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ (محمد: ۱۱)

"یہ اس لیے کہ اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے، اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔"

جیسا کہ اوپر میں نے درخواست کی تھی کہ کچھ سمجھدار اور تجربہ کار بھائیوں کو-جو عالم غرب کی اچھی سمجھ رکھتے ہوں- چند دنوں کے لیے اسحاق صاحب کی جگہ پر بھیجیں تا کہ اسحاق صاحب ان سے کھل کر بات کر سکیں۔ تو جب بھی ان کو بھیجنے کا ارادہ ہو تو اس کی اطلاع بندے کو بھیج دیں تا کہ میں بھی اسی وقت وہاں پہنچنے کی کوشش کر سکوں۔

آخری بات!

یہ رپورٹ اب اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔ درحقیقت اس میں جو بھی بھلائی ہے وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور جو بھی کوتاہی ہے وہ مصنف کی اپنی کمزوری ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی طرف سے ہماری بہترین رہنمائی فرمائے۔ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اپنے عظیم کلمہ لا الہ الا اللہ کو ہمارے ہاتھوں سے بلند کرے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام مجاہدین، مہاجرین اور مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ اور آخر میں، میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں اپنی راہ میں شہادت اور ہمیشہ کی 'رضا' سے نوازے۔

سبحانك اللهمّ وبحمدك أشهد ان لااله الّا انت استغفرك و أتوب اليك.
والصّلاة والسّلام على رسول الله وعلى آله وصحبه أجمعين وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔[1]

[1] یہاں یہ رپورٹ ختم ہو جاتی ہے لیکن چچا اسحاق کے اسلام کے سفر میں ترقی کبھی ختم نہیں ہوئی۔ ادھر وزیرستان میں امریکی فوج کے ڈرون حملے مستقل جاری تھے۔ اسی طرح خائن وغدار پاکستانی خفیہ ایجنسیوں نے بھی وزیرستان میں آپریشن جاری رکھا ہوا تھا۔ ان حالات میں مجاہدین چچا اسحاق کو محفوظ رکھنے کے لیے ان کی جگہ مستقل بدلتے رہتے تھے۔ آخر کار انہیں پاکستانی جیٹ طیاروں کی بمباری سے بچانے کے لیے محسود کے علاقے 'وچہ درّہ' منتقل کر دیا گیا۔ ایک اطالوی ملحد شہری Giovanni Lo Porto بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے

اسلام قبول کرنے کی سعادت بخشی۔ انہوں نے ۲۰۱۴ء کے رمضان میں اسلام قبول کر کے اپنا نام 'محمد اطالوی' رکھ لیا۔

شیخ عزام الامریکی، جو خود عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرنے والے مجاہد تھے، ان بھائیوں کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان سے ملنا چاہتے تھے۔ لیکن وزیرستان کی فضاؤں میں گردش کرنے والے پاکستانی جنگی طیاروں اور امریکی ڈرونز کی وجہ سے وہ نہیں مل پا رہے تھے۔ ایسے میں استاد احمد فاروق ان کی جگہ تشریف لے آئے۔ چچا اسحاق، محمد اطالوی اور مرکز میں موجود دیگر بھائیوں کی خوشی دیدنی تھی۔ اس چھوٹے سے مرکز میں عید کا سماں تھا۔ سارا وقت یہ نو مسلم حضرات استاد فاروق سے مختلف دینی موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ رات کو استاد فاروق، چچا اسحاق کے ساتھ ہی ان کے کمرے میں سو گئے۔ آدھی رات کے بعد امریکی ڈرونز نے اس مرکز کو اپنے میزائیلوں سے نشانہ بنایا۔ جس کے نتیجے میں اس امت کے چند فرزند جامِ شہادت نوش کر گئے:

استاد احمد فاروق، چچا اسحاق (قبل از اسلام: وارن وائن سٹائن)، محمد اطالوی (قبل از اسلام: گیوانی لو پورٹو)، فیصل مزمل، عطاء الرحمن منہاس، محمد ریحان (شعیب)۔ صبح جب مقامی لوگوں نے استاد احمد فاروق اور دیگر مجاہدین کے اجساد کو ملبے سے نکالا تو انہیں میں ایک سفید ریش پُر نور چہرے کے شہید کو پایا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ ان کے جسم سے مشک کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ بہت سے مقامی افراد میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ شیخ ایمن الظواہری اس ڈرون حملے میں شہید ہوئے ہیں، لیکن وہ دراصل چچا اسحاق رحمہ اللہ کا شہادت کے بعد پُر نور چہرہ تھا۔

اس کے چند دن بعد ہی امریکی ڈرون طیاروں نے اس پہاڑی سلسلے کے دوسری جانب وادی شاول میں ایک گھر پر ڈرون میزائیل داغے اور اس میں شیخ عزام الامریکی ایک اور مجاہد (انیس۔ از کراچی) کے ساتھ جام شہادت نوش کر گئے۔ اللہ ان تمام شہداء کو اپنی جنتوں کا باسی بنائے۔

ان امریکی اور یورپی شہریت رکھنے والوں کو امریکی ڈرونز نے اپنے مشترکہ آپریشن میں نشانہ بنایا۔ اوباما انتظامیہ کے مطابق وہ مہینوں سے ان حملوں کے لیے خفیہ معلومات اکٹھی کرنے میں مصروف تھے۔ امریکی خفیہ دستاویزات سے ثابت ہوتا ہے کہ سابق نائب صدر (اور حالیہ امریکی صدر) جو بائیڈن ان ڈرون حملوں کا انچارج تھا۔ یہ تمام واقعات ہمیں یہ سمجھانے کے لیے کافی ہیں کہ دنیا میں جاری یہ خیر و شر کا معرکہ کسی خاص قوم اور وطن کے خلاف نہیں۔ درحقیقت امریکی حکومت، اسرائیل اور عالمی کفریہ نظام دینِ اسلام کو "حقیقی خطرہ" سمجھتا ہے۔ ان کی اسلام سے دشمنی اس حد کو پہنچی ہوئی ہے کہ وہ اللہ کے سچے دین کے خلاف جنگ میں اپنے ہی شہریوں کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

بقیہ: عید! ہیرے لوگوں کی

جب مسلمان کی نظر صرف اللہ پاک ہی کی ذات پر ہو، جنت کا شوق اور شہادت کی طلب اور جہاد مقصدِ حیات ہو، شکر رگ رگ میں رچا بسا ہو، صحابہ کرام و اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنا آئیڈیل بنا لے تو اس سے ایسی ہی قوم بنتی ہے جو آج اہل غزہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

اہل غزہ تو یقیناً کامیاب ہو گئے۔ وہ تو سرخرو ہو گئے، وہ غزہ کے عظیم مجاہدین، وہ ہمت و بہادری اور جرأت کی عظیم داستانیں رقم کرنے والے تو اپنی آخرت سنوار گئے، لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمارے نوجوان جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے خالی ہیں ان کے دلوں میں دنیا و دولت، نام و نمود، فیشن، کرکٹ، سیاست، مادی ترقی، ان کو اصل زندگی کی لذت کا احساس ہی نہیں، شہادت کی چاشنی، جہاد کی عظمت، امت کے تعلق سے ان پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے یہ اس سے غافل ہیں اور اگر کوئی جہاد کی طرف لپکتا ہے تو نام نہاد سیاسی لوگ ان کو جمہوریت اور اقوام متحدہ کے دجالی نظام کی طرف موڑ دیتے ہیں جہاں گمراہی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ دنیا سے شدید محبت اور موت سے خوف نے امت کے نوجوانوں کو اتنا بے وزن و بے وقعت بنا دیا ہے کہ اب وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر امریکہ و یورپ کے مادی فلسفۂ حیات میں پھنس چکے ہیں۔ اس دلدل سے نکلنے کا واحد طریقہ صرف اور صرف دین فطرت کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال لینا ہے۔

اے اہل فلسطین! ہم مہاجرین و مجاہدین ان مبارک اور سعادت کی گھڑیوں میں تمہارے ساتھ ہیں۔ ہماری یہ عید اداس ضرور ہے لیکن ہم تمہاری عید سعید میں خوش ہیں۔ ہم مایوس نہیں ہیں، ہمیں پورا یقین ہے کہ جیسے امارت اسلامیہ افغانستان میں لوگ پر سکون و مسرور عید سعید گزارتے ہیں ایسے ہی بہت جلد ہماری بھی تمہارے ساتھ پر سکون و مسرور عید سعید گزرے گی۔ پھر ہم آپ کے ساتھ یوں مسکرائیں گے جیسے کھلتی ہوئی کلیاں سورج کی روشنی سے تاثر لے کر پھول بن جاتی ہیں۔

اے اہل فلسطین و پوری دنیا میں بسنے والے اہل ایمان! ہماری عید ہماری خوشی سب تمہارے ساتھ ہے، رحمتیں برکتیں سب تمہارے ساتھ ہیں۔

تقبل الله منا و منكم صالح الاعمال و غفر الله لنا ولكم وكل عام انتم بخير يا غزه العزه و يا فلسطين و يا كل مسلمين

☆☆☆☆☆

راوی سے پاکستان آنے والا پانی بند، بھارت نے شاہ پور ڈیم تعمیر کر لیا

بھارت میں شاہ پور کنڈی بیراج کے تعمیر کے بعد دریائے راوی کا پاکستان کی جانب بہاؤ مکمل طور پر بند ہو گیا ہے بھارتی میڈیا کی رپورٹ کے مطابق، شاہ پور کنڈی بیراج پنجاب اور مقبوضہ کشمیر کی سرحد پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقبوضہ کشمیر ریجن کو ۱۱۵۰/ کیوسک پانی کا فائدہ ہو گا جو پہلے پاکستان کیلئے مختص تھا۔ یہ پانی آبپاشی کیلئے استعمال کیا جائے گا اور اس سے کٹھوا اور سامبا ضلع کی ۳۲/ ہزار ہیکٹر زمینیں سیراب ہو سکیں گی۔ شاہ پور کنڈی بیراج پروجیکٹ کو بھارت میں آبپاشی اور بجلی کی پیداوار کیلئے اہم قرار دیا جا رہا تھا اور گزشتہ تین دہائیوں سے اسے متعدد چیلنجز درپیش تھے تاہم اب یہ تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ رپورٹس کے مطابق بھارت اور پاکستان کے درمیان ۱۹۶۰ء میں سندھ طاس معاہدے پر دستخط کیے گئے تھے جس کے تحت دریائے راوی، ستلج اور بیاس کے پانی پر بھارت جبکہ دریائے سندھ، جہلم اور چناب پر پاکستان کا کنٹرول ہے۔ شاہ پور کنڈی بیراج کی تکمیل سے بھارت دریائے راوی کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے کے قابل ہو جائے گا اور یہ پروجیکٹ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ پرانے لکھن پور ڈیم سے پاکستان کی طرف بہنے والے پانی کو اب مقبوضہ کشمیر اور بھارتی پنجاب میں استعمال کیا جائے گا۔

یوکرین کو ہتھیاروں کی سپلائی پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے، ترجمان امریکی محکمہ خارجہ

امریکی محکمہ خارجہ کی اردو زبان کی ترجمان مارگریٹ مکلاوڈ نے کہا ہے کہ پاکستان کس ملک کو ہتھیار دے گا اور کسے نہیں یہ فیصلہ اسے خود کرنا ہے لیکن امریکہ یہ چاہتا ہے کہ دنیا روس کو ہتھیار نہ بیچے جو وہ یوکرینی شہریوں پر برسا رہا ہے۔ دوسری جانب اسلام آباد میں روسی سفیر البرٹ خوریف نے بھی پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ توقع ہے پاکستان یوکرین کو اسلحہ نہ دینے کی پالیسی جاری رکھے گا۔ گزشتہ شمارے میں ہم بی بی سی کے گزشتہ سال دسمبر کی ایک رپورٹ کا ذکر کر چکے ہیں جس میں ثبوت پیش کیے گئے تھے کہ پاکستان برطانیہ کی مدد سے یوکرین کو اسلحہ فراہم کر رہا ہے۔

ایک اور امپورٹڈ وزیر خزانہ

امریکی جریدے بلوم برگ (Bloomberg) نے لکھا کہ محمد اورنگزیب کو وزارت خزانہ کے لیے دیگر امیدواروں یعنی اسحٰق ڈار اور شمشاد اختر پر ترجیح دی گئی ہے۔ ان کی تقرری سے ظاہر ہوتا ہے کہ وزیر اعظم شہباز شریف ٹیکنوکریٹس کے ذریعے ملکی معیشت کو ٹھیک کرنا چاہتے ہیں۔ شہباز شریف کا اصلاحات کے حوالے سے ریکارڈ ہے اور ان کے آنے سے عالمی مالیاتی ادارے (آئی ایم ایف) سے پیکج ملنے کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ رپورٹس کے مطابق پاکستان اور آئی ایم ایف کے درمیان اسٹینڈ بائی ارینجمنٹ معاہدے کی تیسری ۱ء۱ ارب ڈالر کی قسط اور ۶ ارب ڈالر کے نئے قرض پروگرام کے لیے رواں ماہ مذاکرات کا امکان ہے۔ واضح رہے کہ شوکت عزیز اور شوکت ترین کے بعد محمد اورنگزیب وزیر خزانہ کے عہدے پر فائز ہونے والا تیسرا بینکر ہے۔ جہاں ایک طرف اس کی تعیناتی کے ساتھ ہی امریکی جریدے نے اس شخص کو پاکستان کی معیشت کے لیے مسیحا بنا کر پیش کیا وہیں دوسری جانب پاکستانی حلقوں میں موصوف کی شہریت کے معاملے کو لے کر کافی تنقید ہوئی۔ جیو نیوز کی خبر کے مطابق وزیر خزانہ محمد اورنگزیب ۳ کروڑ ماہانہ تنخواہ اور ڈچ شہریت چھوڑنے کیلئے تیار ہوا۔ محمد اورنگزیب بینکوں کے ۵ سب سے زیادہ تنخواہ لینے والے سی ای اوز کی فہرست میں شامل ہے، فی الحال وہ حبیب بینک لمیٹڈ کے چیف ایگزیکٹو افسر ہے۔ ایچ بی ایل کی ۲۰۲۳ء کی سالانہ رپورٹ کے مطابق محمد اورنگزیب کو ۳۵۲ ملین روپے سالانہ تنخواہ اور دیگر مراعات و سہولتیں دی گئیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی ماہانہ تنخواہ تقریباً ۳ کروڑ روپے ہے۔

اس بارے میں سینیٹر مشتاق لکھتے ہیں:

"نیدرلینڈ کا ایک شخص محمد اورنگزیب پاکستانی نہیں ہے اس نے وفاقی وزیر کا حلف اٹھایا، وزارت خزانہ کا قلم دان حاصل کیا اور پھر اس کے بعد پاکستان کی شہریت کے لیے درخواست دی۔ اور وزارت داخلہ نے اسی وقت درخواست کی منظوری کی اجازت دی اور دوسری طرف پانچ ہزار ڈالر میں پرویز مشرف کے ہاتھوں امریکہ کو فروخت ہونے والے دو پاکستانی بھائی احمد ربانی اور غلام ربانی ۲۱ سال بے گناہ گوانتاناموبے میں گزارنے کے بعد جب میری کوششوں سے پاکستان آئے ہیں تو میری پورے ایک سال کی کوششوں کے باوجود نادرا ان کو شناختی کارڈ جاری نہیں کر رہا اور پاکستان کی ایجنسیاں ان کی کلیرنس نہیں کر رہیں، واہ رے پاکستان کیا انصاف ہے ...... اسی لیے تو میں کہتا ہوں یہ اشرافیہ جمہوریہ پاکستان ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان نہیں۔"

اس بارے میں حبیب اللہ خان لکھتے ہیں:

ہمارے وزیر خزانہ صاحب کے پاس ابھی تک پاکستانی شہریت نہیں جب آپ وزراء باہر سے منگوا سکتے ہیں تو

کیوں نا پڑوسی ملک افغانستان سے پانچ چھ ججز بھی منگوا لیں۔

فیاض مغل لکھتے ہیں:

لوگ حیران ہورہے ہیں کہ وفاقی وزیرِ خزانہ محمد اورنگزیب تو نیدرلینڈز کا شہری ہے جس نے پاکستانی شہریت ترک کردی تھی۔ دیکھو بھئی، حیرانگی کی کوئی بات نہیں پاک فوج نے تو ایک بار شوکت عزیز نامی بندے کو امریکہ سے ٹیلی فون کرکے کہا کہ آپکو وزیرِ اعظم بنایا جارہا ہے

حامد میر بھی اس تعنیاتی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ایسا پہلی دفعہ نہیں ہوا کہ کسی ٹیکنوکریٹ کو پاکستان کا وزیرِ خزانہ بنایا گیا ہو جنرل ایوب خان ورلڈ بنک سے محمد شعیب کو لائے جنرل ضیاء ورلڈ بنک سے ڈاکٹر محبوب الحق کو لائے جنرل مشرف سٹی بنک سے شوکت عزیز کو لائے حفیظ شیخ بھی ورلڈ بنک سے لائے گئے معیشت کو کسی نے نہیں سدھارا اب اورنگ زیب کو لائے ہیں۔

پاکستان سپر لیگ ۹ کے دوران مقبوضہ فلسطین کے حق میں نعروں اور بینرز پر پابندی

سکیورٹی اہلکاروں نے میچ دیکھنے آنے والی خاتون کو گیٹ پر روک دیا کیونکہ انکے ہاتھوں میں موجود بینرز پر فلسطین کے حق میں نعرے درج تھے۔ خاتون نے سوشل میڈیا پر غم وغصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس طرح روکا گیا جیسے میں ساتھ ہتھیار لائی ہوں۔ سکیورٹی اہلکاروں نے خاتون کو سمجھایا کہ کیونکہ یہ سیاسی و متنازع پیغام ہے، کچھ لوگ برا مانتے ہیں۔ اگر اندر جانا ہے تو یہ بینرز باہر چھوڑ دیں۔ خاتون نے کہا کہ سکیورٹی گارڈز کے رویے سے میرے چھوٹے بہن بھائی خوفزدہ ہوگئے جو میرے ساتھ آئے تھے۔ میں نے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ سکیورٹی گارڈز سے جو کہا گیا تھا، انہوں نے وہی کیا اور یہی ان کا کام بھی ہے۔ یہ واضح رہے کہ پی ایس ایل میں کے ایف سی کو بطور سپانسر لینے کے سبب پی ایس ایل کے بائیکاٹ کی مہم کئی روز تک ٹوئٹر پر ٹاپ ٹرینڈ رہی۔ اب اتنی سوشل میڈیا کیمپین کے باوجود حکومت اور انتظامیہ کی یہ حالت ہے کہ انہیں میچ کے دوران فلسطینیوں کی حمایت کے لیے نعرہ بھی متنازع معلوم ہوتا ہے۔

کارپوریٹ فارمنگ کی حقیقت

جنوری میں خبر سامنے آئی تھی کہ نگران حکومت سندھ نے قوم پرست جماعتوں کے تحفظات اور مخالفت کے باوجود فوج کی حمایت یافتہ کمپنی کے ساتھ باضابطہ طور پر معاہدہ کرلیا جس کے تحت اسے ۶ اضلاع میں ۵۲ ہزار ایکڑ سے زائد زمین کارپوریٹ فارمنگ کے لیے دی جائے گی۔ ڈان اخبار کی رپورٹ کے مطابق وزیر اعلیٰ ہاؤس کی جانب سے جاری کردہ ایک پریس ریلیز میں کہا گیا ہے کہ پنجاب میں کارپوریٹ ایگریکلچر فارمنگ کے ایک کامیاب پائلٹ منصوبے کے بعد حکومتِ سندھ اور گرین کارپوریٹ انیشیٹو (پرائیویٹ) لمیٹڈ کے درمیان وزیر اعلیٰ ہاؤس میں معاہدے پر دستخط کیے گئے، فوج کی زیر سایہ یہ کمپنی ملک کے تمام صوبوں میں موجود بنجر زمین پر کارپوریٹ ایگریکلچر فارمنگ کرتی ہے۔ معاہدے کے تحت سندھ میں مقامی انتظامیہ نے تقریباً ۵۲ ہزار ۱۷۱۳ ایکڑ بنجر زمین کی نشاندہی کی ہے، اس میں خیرپور میں ۲۸ ہزار ایکڑ، تھرپارکر میں ۱۰ ہزار ایکڑ، دادو میں ۹ ہزار ۳۰۵ ایکڑ، ٹھٹھہ میں ہزار ایکڑ، سجاول میں ۳ ہزار ۴۰۸ ایکڑ اور بدین میں ہزار ایکڑ زمین شامل ہے، یہ تمام زمین 'گرین پاکستان انیشی ایٹو' کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آئندہ ۲۰ برس کے لیے مذکورہ کمپنی کے حوالے کی جائے گی، اس کا مقصد ملک میں کارپوریٹ فارمنگ کا تصور لاکر زرعی طریقوں کو جدید شکل میں ڈھالنا ہے۔ بظاہر اعلانات تو بڑے انقلابی قسم کے تھے اور دعوی کیا گیا کہ فوج یہ سب کچھ فوڈ سیکیورٹی کو یقینی بنانے کے لیے کررہی ہے لیکن حتمی نتیجہ کچھ اور ہی برآمد ہوا۔ اب خبر آئی ہے کہ ۵۰۰۰ ایکڑ پر جانوروں کے چارے کی فصل اگانے کا معاہدہ ایک سعودی کمپنی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ واضح رہے کہ اس فصل کی کاشت کے لیے بے تحاشا پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی مسئلے کے سبب سعودی عرب نے خود ملک میں اس کی کاشت پر ۲۰۱۸ء میں ہی پابندی لگادی تھی۔ اب پاکستان میں اس کی کاشت کیسے ممکن بنائی جائے گی جبکہ پاکستان خود بھی پانی کی کمی کا شکار ہے۔

انڈین فوجیوں کا مالدیپ سے انخلا

مالدیپ کے نئے چین نواز صدر کے حکم کے بعد بھارت نے مالدیپ میں نگرانی کے طیارے چلانے والے اپنے فوجی اہلکاروں کو واپس بلانا شروع کردیا ہے۔ بھارت کو بحر ہند میں چین کی بڑھتی ہوئی موجودگی اور مالدیپ کے ساتھ ساتھ پڑوسی ملک سری لنکا میں بھی اس کے اثر ورسوخ پر تشویش ہے۔ ستمبر میں معیزو کے انتخابات جیتنے کے بعد سے مالدیپ اور نئی دہلی کے درمیان تعلقات سرد پڑ گئے۔ نئی دہلی بحر ہند کے جزیرہ نما کو اپنے اثر ورسوخ کے دائرے میں سمجھتا ہے، لیکن مالدیپ چین کے مدار میں چلا گیا ہے۔ جو اس کا سب سے بڑا بیرونی قرض دہندہ ہے۔ بھارت نے گزشتہ ماہ کہا تھا کہ وہ مالدیپ کے شمال میں تقریباً ایک سو تیس کلو میٹر کے فاصلے پر اپنے اہم "لکشدیپ جزائر" پر اپنی بحری افواج کو مظبوط کررہا ہے۔ بھارتی بحریہ نے کہا کہ منی کاؤے جزیرے پر قائم انڈین بحریہ کا یونٹ علاقے کی "آپریشنل نگرانی" کو فروغ دے گا۔

یوکرین کی جنگ کے ہتھیاروں کی عالمی تجارت پر اثرات

سویڈن کے دارالحکومت سٹاک ہومز میں قائم انٹرنیشنل پیس ریسرچ انسٹیٹیوٹ (SIPRI) کی تازہ ترین تحقیقی رپورٹ سے پتا چلا ہے کہ فرانس اسلحہ کی تجارت میں روس کو پیچھے چھوڑ کر اس فہرست میں دوسرے نمبر پر آگیا ہے اور امریکہ نے عالمی سطح پر ہتھیاروں کی فروخت میں اپنی پوزیشن کو مضبوط تر

کر لیا ہے۔ انٹرنیشنل پیس ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے مطابق ۲۰۲۲ء میں روس کے یوکرین پر حملے اور تب سے جاری جنگ نے یورپ میں ڈرامائی انداز میں نئے ہتھیاروں کی خریداری کے رجحان کو آگے بڑھایا ہے، جس کا بنیادی فائدہ امریکی اسلحہ ساز کمپنیوں کو ہوا ہے۔ یورپی ممالک کو ہتھیاروں کی فروخت کا بڑا حصہ یعنی ۵۵ فیصد امریکہ سے آتا ہے، جو گزشتہ مدت کے مقابلے میں ۲۰ فیصد زیادہ ہے۔ آرمز ٹرانسفر پروگرام کے ڈائریکٹر میتھیو جارج کے بقول، ”امریکہ نے ہتھیاروں کے فراہم کنندہ ملک کے طور پر اپنے عالمی کردار میں مزید اضافہ کر لیا ہے، جو اس کی خارجہ پالیسی کا ایک اہم پہلو ہے۔“ یعنی زیادہ ممالک کو اتنے زیادہ ہتھیار فراہم کرنا جتنے اُس نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیے۔ یہ حقیقت ایک ایسے وقت میں سامنے آ رہی ہے جب ابھرتی ہوئی طاقتوں کی طرف سے امریکہ کے اقتصادی اور جغرافیائی سیاسی غلبے کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ ۲۰۱۹ء سے ۲۰۲۳ء تک، یوکرین بھارت، سعودی عرب اور قطر کے بعد دنیا بھر میں ہتھیاروں کا چوتھا بڑا خریدار ملک بن گیا۔ اسی اثناء میں ہتھیاروں کی درآمدات میں ۶،۶۰۰ فیصد اضافہ ہوا۔

خلیجی ممالک کی مصری ساحلی علاقوں میں بڑی سرمایہ کاری

مصری حکام نے اعلان کیا کہ متحدہ عرب امارات کی حکومت مصر میں ۳۵ بلین ڈالر کی براہ راست سرمایہ کاری کرے گی۔ اس میں زیادہ تر رقوم راس الحکمہ نامی تعمیراتی منصوبے پر خرچ کی جائیں گی۔ تاریخی شہر سکندریہ کے نزدیک واقع راس الحکمہ نامی اس ساحلی علاقے میں سیاحت ایک اہم انڈسٹری قرار دی جاتی ہے۔ اس سرمایہ کاری کی وجہ سے قاہرہ حکومت بین الاقوامی مالیاتی ادارے (آئی ایم ایف) کی شرائط پورا کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ مصر اس عالمی مالیاتی ادارے سے دس بلین ڈالر کا ایک بیل آؤٹ پیکج حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایسی خبریں بھی ہیں کہ سعودی عرب بھی بحیرہ احمر میں واقع مصری سیاحتی مقام راس الجمیلہ میں پندرہ بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے۔ مبصرین سوال اٹھا رہے ہیں کہ متحدہ عرب امارات کی مصر میں اس خطیر سرمایہ کاری کا غزہ کے تنازعے یا آئی ایم ایف کی قاہرہ حکومت کے ساتھ ممکنہ ڈیل سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اس مخصوص وقت میں اس طرح کی سرمایہ کاری اور بین الاقوامی مالیاتی ادارے کے ساتھ بیل آؤٹ پیکج بہت سے شکوک وشبہات کو جنم دیتا ہے۔ جیسے کابل میں ڈرون حملے کے فوراً بعد پاکستانی آرمی چیف امریکیوں کو فون کر کے کہتا ہے کہ ذرا آئی ایم ایف سے قسط تو ریلیز کروا دیں اب۔ مشرقِ وسطیٰ کے امور کے ماہر حسن الحسن کے مطابق امریکہ دراصل آئی ایم ایف کا اہم حمایتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ واشنگٹن حکومت اس مالیاتی ایجنسی کو اپنے اتحادیوں کو سزا یا انعام دینے کی غرض سے بھی استعمال کرتی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ خلیجی عرب ممالک اب مصر کی ایسی متعدد کمپنیوں کے مالک ہیں، جو بندرگاہوں کو آپریٹ کرتی ہیں۔ پیٹرو کیمکل اور مالیاتی اور ریٹیل سیکٹر کے علاوہ ایسی کمپنیاں بھی خلیجی ممالک کی ملکیت ہیں، جو مصر میں متعدد تاریخی ہوٹلوں کو چلاتی ہیں۔

پاکستان نے سو سے زائد ہندو زائرین کو ویزے جاری کیے

نئی دہلی میں پاکستانی ہائی کمیشن کے ایک بیان کے مطابق ۱۱۲ بھارتی ہندو یاتریوں کے لیے پاکستان کا ویزا جاری کیا گیا ہے۔ یہ افراد مارچ میں پاکستانی صوبے پنجاب کے ضلع چکوال میں واقع شری کٹاس راج مندروں کی زیارت کے لیے آئے۔ یہ مقام قلعہ کٹاس کے نام سے بھی معروف ہے۔ پاکستانی حکومت ان ویزوں کا اجراء ایسے وقت میں کر رہی تھی جب پاکستان بھر میں کشمیری کمانڈروں کی ٹارگٹ کلنگ جاری تھی اور بھارت کے اعتراف سے قبل ہی پاکستانی میڈیا میں دبے لفظوں سے اسے انڈیا کی جانب منسوب کیا جا رہا تھا اور پاکستانی حکومت کی پر اسرار خاموشی پر سوال اٹھائے جا رہے تھے۔

غیر ملکی خاتون کا گینگ ریپ: بھارت میں خواتین سے جنسی زیادتیوں کے اعداد و شمار

جھارکھنڈ میں ایک غیر ملکی خاتون کے ساتھ گینگ ریپ کے واقعے نے بھارت میں خواتین کے تحفظ کی صورت حال پر پھر سوالیہ نشان کھڑا کر دیا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق بھارت میں روزانہ اوسطاً تقریباً نوے خواتین کا ریپ ہوتا ہے۔ دسمبر ۲۰۱۲ء میں ایک ۲۳ سالہ طالبہ کی قومی دارالحکومت میں گینگ ریپ اور موت کے بعد زبردست عوامی احتجاج کے نتیجے میں حکومت نے جنسی تشدد کے مجرمین کے خلاف سخت قوانین بنائے تھے، تاہم اس کے باوجود بھارت میں ہر سال لاکھوں لڑکیوں اور خواتین کو جبراً جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ بھارت میں جرائم کا ریکارڈ رکھنے والے ادارے نیشنل کرائم ریکارڈز بیورو کی رپورٹ کے مطابق سن ۲۰۲۲ء میں جنسی زیادتی کے ۳۱۵۰۰ سے زائد کیسز درج کرائے گئے۔ یعنی ہر روز ریپ کے تقریباً ۸۶ کیسز پیش آئے۔ حالانکہ اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ بیشتر افراد سماجی بدنامی کی وجہ سے ایسے واقعات کی رپورٹ درج نہیں کراتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق سن ۲۰۲۲ء میں ہی غیر ملکی شہریوں کے ساتھ ریپ کے ۲۲ کیسز درج ہوئے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ حکومت کی تمام تر کوششوں کے باوجود ریپ اور گینگ ریپ کے واقعات اس لیے نہیں رک پا رہے ہیں کیونکہ بااثر مجرموں کو نہ صرف رہا کر دیا جاتا ہے بلکہ سیاسی جماعتیں ان کی حمایت میں کھڑی ہو جاتی ہیں اور رہائی کے بعد ان کا سماجی خیر مقدم کیا جاتا ہے۔

گیان واپی مسجد کے تہہ خانے میں پوجا روکنے کی درخواست مسترد

بھارت کے شہر ورانسی (بنارس) میں گیان واپی جامع مسجد کے تہہ خانے میں پوجا کا سلسلہ جاری ہے۔ مسلمانوں نے پوجا کی اجازت دینے کے ضلعی عدالت کے فیصلے کو چیلنج کیا تھا، لیکن

الہ آباد ہائی کورٹ نے ان کی درخواست خارج کر دی۔ بھارت میں بیشتر مسلمانوں کا خیال ہے کہ گیان واپی جامع مسجد کا حال بھی شاید ویسا ہی ہو جو ایودھیا کی بابری مسجد کا ہوا تھا۔

سعودی عرب میں ٦٦ سینما، چھ سال میں ٦١ ملین ٹکٹ فروخت

سعودی عرب میں سینما گھروں کو کھلے ٦ برس گزر چکے ہیں۔ مملکت میں فلم بینی کو غیر معمولی طور پر فروغ دیا گیا ہے۔ مملکت میں پہلے سنیما کا افتتاح اپریل ٢٠١٨ء میں کیا گیا تھا۔ گزشتہ چھ برسوں میں مملکت میں سینما گھروں میں ٦١ ملین ٹکٹ فروخت کیے گئے جس سے ہونے والی آمدنی ٣٫٧ ارب ریال رہی۔ سال ٢٠٢٣ء میں فلم بینوں کی جانب سے ایک کروڑ ٧٢ لاکھ ٣٧ ہزار ایک سو چون ٹکٹ خریدے گئے جبکہ رواں برس محض ٣ ماہ کے دوران فروخت ہونے والے ٹکٹوں کی تعداد دو لاکھ اکسٹھ ہزار دو سو چھتیس رہی جس کا سلسلہ جاری ہے۔ انٹرٹینمنٹ کے نام پر فحاشی و عریانی کو منظم انداز میں فروغ دینے کا سلسلہ محمد بن سلمان کی جون ٢٠١٧ء میں تاج پوشی کے بعد سے شروع ہوا۔ جن علمائے کرام نے اپنے خطبات یا تحریروں میں اس پالیسی پر تنقید کی انہیں بڑی تعداد میں جیلوں میں ڈال دیا گیا۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: تمہی سر بلند ہو گے اگر تم مومن ہو!

- ہزاروں ہلاک صہیونیوں کے لواحقین نے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے، ہر گلی میں ماتم کا سماں ہے۔
- زیادہ بڑا مسئلہ ہلاک شدگان سے کئی گنا اپاہج اور معذور اہلکار ہیں، جو مایوسی اور زندگی بیزار غم کی تصویر بنے ہمیشہ کے لیے معیشت پر بوجھ اور نسلوں کے لیے عبرت ہیں۔

الغرض لکھنے کو بہت سے حقائق ہیں جن میں سر فہرست یہ ہے کہ پوری امت مسلمہ میں جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ زندہ ہو رہا ہے۔ دنیا کے ہر کونے میں لاکھوں سر فروشانِ توحید سر دھڑ کی بازی لگانے کو بے چین ہیں۔ جس کے عالمی اثرات ان شاء اللہ اسلام کے عالمگیر غلبے کے لیے فیصلہ کن ہوں گے۔

تاہم ان سب حقائق کے باوجود صہیونی پوری بے شرمی اور ڈھٹائی سے اربوں ڈالر اس پر اپیگنڈے پر خرچ کر رہے ہیں کہ وہ جنگ جیت رہے ہیں۔

اب امت مسلمہ کے تمام سوشل میڈیا صارفین اور دانشوروں، صحافیوں اور دیگر اہل رائے کا فریضہ ہے کہ وہ اسلام کی اس تاریخی فتح، فلسطینی مجاہدین اور عوام کی لازوال قربانیوں، اللہ کی نصرت، اسلام کی حقانیت اور عالم کفر کی شرمناک ہزیمت کو پوری دنیا پر آشکار کریں۔

کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيۡزٌ. (المجادلة:٢١)

”اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب آئیں گے۔ یقین رکھو کہ اللہ بڑا قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔“

☆☆☆☆☆

بقیہ: بہاولنگر واقعہ: ایک دراڑ جو دور تلک جائے گی

لوگ بھول جاتے ہیں اور پھر وہی افسر کہیں اور تعینات ہو جاتا ہے۔ اس کی واضح مثال ساہیوال کیس ہے جس میں ملوث افسران کو بعد ازاں مقدمات میں بری کر دیا گیا اور بعض کو قومی ایوارڈ سے نوازا گیا اور ترقیاں بھی ملیں۔

بہاولنگر واقعے سے یقیناً ایک دراڑ پیدا ہوئی ہے جو مشکل ہے کہ بھر سکے۔ آج پولیس اہلکار یہ سوچنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ جن کی خوشنودی کے لیے وہ عوام پر ظلم کرتے ہیں اس ظلم کی سزا آخرت میں تو ہے ہی لیکن اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ دنیا میں بھی انہیں اس ظلم کا مزا چکھائیں۔ یہی صورتحال باذن اللہ فوج میں بھی جلد بنے گی جب عام سپاہی ان جرنیلوں کے خلاف بغاوت کریں گے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: اسلامی جمہوریت کا ملغوبہ

اسلام میں کوئی جدید اور قدیم کا ماڈل نہیں ہے۔ اسلام تو صرف وہی ہے جو ساڑھے چودہ سو سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور امت بھی امت محمدیہ ہے جس کو ٹوٹ پھوٹ سے بچنے کی تعلیم اور مل جل کر رہنے کی تاکید ہے۔ تو اسلامی جماعتیں بنانے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ جماعت تو ایک ہی رہے گی جو بر حق ہو گی۔ جس کو اہلِ سنت کہا جائے گا۔ جس کا راستہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین والا راستہ ہو گا۔ جس کی تعلیمات فہم سلف کے مطابق ہوں گی۔ آخر جب مسلمانوں کی ایک ہی جماعت ہو تو پھر اسلام کے دعویدار ملک میں جمہوریت کی کوئی صورت ہی نہیں نکلتی کہ جس کو اکثریت (اور جمہور بھی ایسا جس میں عالم اور جاہل، عاقل اور مجنون میں کوئی فرق نہیں) قبول کر لے وہی بر سر اقتدار ہو، بلکہ قرآن و سنت اور فہم سلف کی روشنی میں (جبکہ ہم ایک ہی جماعت بن کر رہیں) تو پھر خلافت و امارت ہی کا قائم کرنا ہمارا اولین فرض بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق بات سمجھنے، اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور باطل و گمراہ کن نظریات افکار کی حقیقت سے واقف ہونے اور ان سے بچنے، بچانے اور براءت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

غزہ کے شہیدو! مولا سے اُمت کی شکایت مت کرنا

ہدہد الہ آبادی

غزہ کے شہیدو! مولا سے اُمت کی شکایت مت کرنا
سستی کی شکایت مت کرنا غفلت کی شکایت مت کرنا

غیرت سے خالی نعرے ہیں ہمت سے خالی دعوے ہیں
اِس دیس کے حاکم کی دینی غیرت کی شکایت مت کرنا

غوری بھی حتف بھی شاہیں بھی افواج بھی جنگی طاقت بھی
یہ صرف وطن کی طاقت ہیں طاقت کی شکایت مت کرنا

برمی کشمیری شامی بھی امداد بِنا دنیا سے گئے
نصرت کو کوئی پہنچا ہی نہیں نصرت کی شکایت مت کرنا

ناجائز الفت کے شوقیں ہاتھوں میں موبائل تھام کے ہم
شہوت کی ہوس میں رہتے ہیں شہوت کی شکایت مت کرنا

تلوار نہیں للکار نہیں یلغار نہیں کردار نہیں
فانی دنیا سے رغبت ہے رغبت کی شکایت مت کرنا

اُمت کو اہم اور بنیادی نکات پر مجتمع کرنا!

ہماری کوشش ہے کہ آج یہ امت بنیادی نکات پر اکھٹی ہو جائے۔

اور ان میں سب سے اہم نکتہ، امریکہ جیسے ناگ اور اس کے بغل بچے

اسرائیل کا سر کچلنا اور مسلم مما لک اور ان کے مقدس مقامات کی آزادی کے لیے جہاد کرنا ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ باذن اللہ ''امریکی طاقت کا زوال'' ہمارے خطوں میں رائج مغرب کے غلام اور شریعت سے باغی مرتد نظاموں کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ یہی امریکی زوال نسلی بنیادوں پر کی گئی تقسیموں اور مصنوعی سرحدوں سے مسلمانوں کو آزادی دلائے گا اور ایک ہی اسلامی حکومت، ایک ہی خلافت کے تحت متفق اور متحد ہونے کا نتیجہ بنے گا۔ اسی لیے ہم ہر ایسے اقدام سے بچتے ہیں جو اس جہاد کو اِدھر اُدھر کے معرکوں میں دھکیلے اور جس سے مجاہدین کی توانائیاں غیر اہم و فروعی تنازعات میں صرف ہونے لگیں۔ اس کے برعکس ہماری ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ ہم انہی خطوط پر قائم رہیں جنہیں قافلۂ مجاہدین نے متعین کیا، جن کے سربراہ شہید شیخ اسامہ بن لادن تھے۔ انہوں نے اسی مرکزی نکتے کو طویل تجربوں اور دین کی مصلحتوں کو سمجھتے ہوئے، سوچ و فکر کی گہرائیوں کے ساتھ متعین کیا۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ اسی نکتے پر ہم باہم مربوط و منظم ہو جائیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے ہم اپنا سفر مکمل کر لیں اور مذکورہ اہداف حاصل کر لیں۔

بحوالہ ہم سراپا خیر بن جائیں!

از شہید عالم ربانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ